استادِ محترم

مرتبین: راؤ شرافت علی خاں/ سیّد علی اکبر منصور
کوثر سلطانہ

BOOK HOME

Marfat.com

استادِ محترم

مرتبین: راؤ شرافت علی خاں/سید علی اکبر منصور
کوثر سلطانہ

84032

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

اہتمام	رانا عبدالرحمٰن
پروڈکشن	ایم سرور
سرورق	ریاظ
کمپوزنگ	محمد انور
پرنٹرز	حاجی حنیف پرنٹرز، لاہور
اشاعت	2004ء
ناشر	بُک ہوم لاہور

بُک ہوم

بک سٹریٹ 46- مزنگ روڈ لاہور۔فون:7231518
E-mail: bookhome1@hotmail.com

Marfat.com

استادِ محترم پروفیسر سمیع اللہ قریشی

کے نام

شوہ نے آندا شاہ عنایت دے بوہے
جنھے پوائے سانوں ساوے تے سوہے
(بلھے شاہ)

Marfat.com

یک چراغیست دریں خانہ کہ از پرتو آں
ہر کجا می نگری انجمنِ ساختہ اند

Marfat.com

تعلیمی تصورات، مسائل اور سجھاوے

Marfat.com

Marfat.com

صبحِ امید

''اُستادِ محترم'' میں پروفیسر سمیع اللہ قریشی کی ذات کے وہ پہلو یکجا ہو گئے ہیں جن کا محور ہمارا تعلیمی عمل اور اس کی مختلف جہتیں۔ اس میں مراسلے، مضامین، انٹرویو اور ایسے خطابات شامل ہیں جو تعلیم، تعلم اور معلم کو ایک تہذیبی اور انسانی نظام کے طور پر متشکل کرتے ہیں۔

ان تمام تحریروں میں عالمگیریت کا عنصر غالب ہے جس میں تعلیم کی تہذیبی مرکزیت کا اثبات ہوتا ہے۔ ہمارے لاتعداد نفسیاتی، سماجی مسائل کا سراغ ان تحریروں میں ملتا ہے ان سب مسائل کا محور تعلیمی نظام ہے۔ ''اُستادِ محترم'' کی مشمولات میں ہمارے اپنے معاشرے کے ذہنی، طبقاتی و لسانی مسائل بتدریج ایک عالمی تناظر سے منسلک نظر آتے ہیں اور پھر ان مسائل کا حل اُستادِ محترم کے براہِ راست تجربے اور گہرے مشاہدے کی روشنی میں صبحِ امید کی طرح نظر آتا ہے۔ چنانچہ ان تحریروں کو اگر میں اکیسویں صدی کا تعلیمی منشور کہوں تو بے جا نہ ہوگا۔

ان تحریروں کے پس منظر میں پروفیسر سمیع اللہ کی کثیر لسانی مہارت، ادب و فن، فلسفہ، سیرت اور الٰہیات جیسے جامع اور متنوع مطالعات و تجربات کروٹیں لیتے ہیں۔ یہ تحریریں نثر کا وہ اعلیٰ معیار پیش کرتی ہیں جس کے تحت کسی جملے میں سے ایک لفظ کو اپنی جگہ سے ہٹانا ناممکن ہوتا ہے کیونکہ ہٹنے والا لفظ چبھتا ہوا خلا چھوڑ جاتا ہے۔ ان تحریروں میں طلباء کے ذاتی مسائل، اساتذہ کے مسائل، اداروں کے مسائل، معاشرت اور پھر انسانی تہذیب کے مسائل کا شعور و تجزیہ اور پھر ان سب کا حل نظر آتا ہے۔ آج ہم بطورِ قوم اور شاید بطورِ انسان اپنی شناخت کے

Marfat.com

بحران سے دوچار ہیں۔ ہم کہیں علاقائی تعصبات اور کہیں مختلف زبانوں میں بٹے ہوئے انسان ہیں۔ ماضی سے آزردہ یا لاتعلق اور مستقبل سے خوفزدہ یا بے نیاز۔ ''استادِ محترم'' نہ صرف اس معاشرے کے ایک عام انسان کے لیے امید کی کرن ہیں بلکہ اربابِ اقتدار اور پالیسی میکرز کے ذہنوں پر ایک دستک بھی ہیں جو شناخت اور مقصدیت کو اپنے ہاتھوں کہیں گم کر چکے ہیں۔

سیّد علی اکبر منصور

Marfat.com

کچھ باتیں تعلیم اور تعلیمی مسائل کے حوالے سے

یہ بات طے ہے کہ کسی بھی ملک اور قوم کی حقیقی ترقی کا مدار اور بنیاد اس کے مثبت تعلیمی رویوں پر ہوتا ہے۔ یہی مثبت تعلیمی رویئے نظام تعلیم کہلاتے ہیں اور نظام تعلیم اطراف فکر وعمل کا مجموعی نام ہے یعنی طریقہ تعلیم، فلسفہ تعلیم اور نصاب تعلیم۔ گویا عمومی قومی فکری صحت کے لیے ایک صحت مند قومی نظام تعلیم کا فعال وجود لازمی ہے۔ نظام تعلیم کی تینوں اطراف ہی فرد کو ایک فعال شخصیت میں ڈھالنے کے لیے موثر ثابت ہو سکتے ہیں۔ فرد یا خاندان یا بعض صورتوں میں معاشرے کی یک رخی مادی ترقی فرد کو شخص تو بنا سکتی ہے مگر شخصیت کا روپ کبھی بھی عطا نہیں کر سکتی مزید یہ کہ یک رخی مادی ترقی کسی صورت میں بھی دیرپا معاشرتی اور معاشی استحکام مہیا نہیں کر سکتی۔ ایسی صورتحال میں وہ تہذیبی اور ثقافتی روایات قائم ہی نہیں ہو پاتیں جن کے بل پر کوئی بھی ملک اور قوم عائلی برادری میں اپنی شناخت اور اپنا تشخص منوانے میں کامیاب ہوا کرتے ہیں۔

جب بھی اور جہاں بھی انسان کو معاشرتی، معاشی، تہذیبی اور لسانی بحران کا سامنا ہوتا ہے تو اس کے عقب میں ہمیشہ تعلیمی بحران ہی کارفرما ہوا کرتا ہے۔ تعلیمی پسماندگی معاشرتی رگوں میں کسی بھی سطح پر جمہوریت کے خون اور روح کو داخل نہیں ہونے دیتی معیار تعلیم کو بلند اور مستحکم کیے بغیر نہ جمہوریت رواج پا سکتی ہے نہ معاشی استحکام نصیب ہو سکتا ہے، نہ معاشرہ ثقافتی شکست و ریخت سے بچ سکتا ہے، نہ لسانی تعصبات سے نجات مل سکتی ہے یہاں تک کہ حقوق اور فرائض کا صحیح ادراک بھی مہیا نہیں ہو سکتا۔ انتہا یہ ہے کہ دینی رویئے بھی فرقہ واریت کا شکار ہو کر اپنی حقیقی قدر و قیمت کو کھو بیٹھتے ہیں۔ طے یہ ہوا کہ گویا تعلیم ہی درحقیقت وہ عمل ہے جو خود بھی پیدا آوری کی ایک دائمی قدر اپنے اندر رکھتا ہے اور زندگی کی ہر سطح پر خواہ وہ معاشرتی، معاشی، سیاسی، تہذیبی اور ثقافتی کچھ بھی کیوں نہ ہو ان میں پیدا آوریت کا وصف جنم دینے کی خوبی اپنے اندر رکھتا ہے۔ دانش مند

Marfat.com

قوم وہی شمار ہونی چاہیے جو کسی صورت میں بھی اپنے تعلیمی نظام کو بحران کا شکار نہ ہونے دے اور جونہی اس میں کسی ریخت کے آثار نمایاں ہوں اس کی صحت کے لیے فوری علاج شروع کر دیئے جائیں ورنہ ذرا سا بھی تساہل اور غفلت ایک قوم کو بڑی تیزی سے زوال کے گڑھوں میں اتار دے گا۔

پاکستانی قوم کی عمر نصف صدی کے برابر ہونے کو آئی ہے صورتحال یہ ہے کہ قوم اپنے طلوع کے ساتھ ہی تعلیمی بحران کا شکار ہے جو روز بروز شدید سے شدید تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ہمارے ہاں ہر سطح پر حصول تعلیم کا عمل غیر سنجیدہ ہو چکا ہے۔ ہمارے پچیس فیصد افراد بھی مشکل سے خواندہ کہے جا سکیں گے۔ تعلیمی منصوبہ بندی کرنے والوں میں تعلیمی بصیرت رکھنے والے خال خال ہیں۔ شہروں اور دیہات کی ایک پہچان خواندہ اور ناخواندہ ہونا بھی طے پا چکی ہے۔ مجموعی آبادی میں عورت کی ناخواندگی مثالی ہے۔ سکول، کالج اور یونیورسٹی کی سطح پر عددی اور معیاری ہر اعتبار سے تعلیمی عمل پست ہو چکا ہے۔ تعلیم قومی آمدنی میں سے صرف دو یا اڑھائی فیصد کی حق دار ٹھہرائی گئی ہے۔ اچھی اور معیاری کتاب کا حصول ایک عام شخص کی دسترس سے باہر ہو چکا ہے۔ امتحانی نظام یکسر بے اعتمادی کا شکار ہو چکا ہے۔ استاد، طالبعلم اور والدین تینوں اپنے تعلیمی عمل اور تعلیمی نظام سے مایوس ہو کر قنوطیت کے مریض دکھائی دیتے ہیں چنانچہ تلخی اور جھنجھلاہٹ کی کیفیتوں میں ان سے وہ کچھ سرزد ہونے لگا ہے جو کسی بھی لمحے قومی زوال کی سب سے بڑی علامت بن سکتا ہے۔

نظام تعلیم کے معاملے میں دنیا کی تمام ایسی اقوام جو اپنا مخصوص تشخص اور اپنی واضح شناخت قائم رکھنے پر سختی سے مصر ہیں کیونکہ وہ سمجھتی ہیں کہ انسان کی جمہوری قیادت کے لیے یہ بات از بس لازمی ہے وہ واقعی اپنے تعلیمی عمل کے مثبت نفاذ کے معاملے میں مخلص اور دیانت دار بھی ہیں اور یہی وصف اقوام عالم میں ان کی سرفرازی کا راز ہے۔ امریکہ نے اپنی نئی تعلیمی منصوبہ بندی کا نام ''امریکہ 2000'' رکھا ہے۔ اس قوم نے یہ نکتہ پا لیا ہے کہ اکیسویں صدی جو دروازے پر دستک دے رہی ہے اس کے ساتھ انہیں لمحہ لمحہ قدم ملا کر چلنا ہے بعض اقوام تعلیم کے بعض پہلوؤں کے اعتبار سے مثالی تسلیم کی جا چکی ہیں اور اس کے پس منظر میں ان کی صدہا سالوں کی مخلصانہ محنتوں کو دخل ہے مثلاً جرمنی اور جاپان کا طالبعلم امریکی طالبعلم سے بہتر قرار دیا گیا ہے۔ زبانی تعلیم کے معاملے میں نیدرلینڈ کے بچے دنیا بھر کے بچوں سے بہتر گردانے جاتے ہیں۔ کنڈرگارٹن تعلیم میں

Marfat.com

اٹلی سب سے آگے ہے۔ ریاضی کی پڑھائی میں نیدر لینڈ فوقیت رکھتا ہے۔ سائنس کی تعلیم میں جاپان اس سے آگے جا رہا ہے۔ نیدر لینڈ میں لسانیات کی تعلیم کا معیار دنیا بھر میں سب سے اوپر ہے۔ آرٹ کی تعلیم میں امریکی سب سے آگے ہیں۔ ہائی سکول کی سطح پر جرمنی کے نظام تعلیم کی مثال دی جاسکتی ہے یہی معیار جرمنی میں تربیت اساتذہ کے شعبے کا ہے۔ گریڈ سکولوں میں امریکہ آگے جا رہا ہے جبکہ تعلیم بالغاں میں سویڈن اپنے منصوبے پر فخر کر سکتا ہے۔ ایسے ہی ہمارا کوئی بھی تعلیمی حوالہ ایسا نہیں کہ اسے مقابلے میں پیش کیا جاسکے اور یہی ہمارے لیے من حیث القوم افسوس کا مقام بھی ہے۔ کیا یہ لمحہ فکریہ نہیں کہ آخر کیوں ہمارے ہاں سال بھر میں تعلیمی ادارے زیادہ سے زیادہ 150 دن کھلے رہتے ہیں جبکہ جاپان میں 240 دن، جرمنی میں 210 دن اور امریکہ میں 180 دن سال بھر میں تعلیمی اداروں میں تعلیمی عمل جاری رہتا ہے۔ کیا یہ بات پوری قوم کے لیے باعث شرم نہیں کہ پورے جنوب مشرقی ایشیائی علاقے میں خواندگی کا تناسب سب سے کم پاکستان میں ہے۔

قوم اگر تعلیمی منصوبہ بندی اور پھر اس کے نفاذ کی ذمہ داری پورے اعتماد کے ساتھ اساتذہ پر ڈال دے اور پھر دی گئی مدت میں ان کی کارکردگی کا احتساب بھی کرے تو ہمارا تعلیمی عمل آج بھی زوال کے دائروں سے نکل سکتا ہے۔ یہ طے کر لیا جائے کہ اساتذہ کا انتخاب ہر سطح پر خوب جانچ پرکھ کے بعد کیا جائے گا جس میں ان کا مبلغ علم اور پیشے سے وارفتگی کی حد تک لگن کو ہر حالت میں ترجیح دی جائے او کسی طرح کی بھی کوئی سفارش ان کے انتخاب میں معاون نہ ٹھہرائی جائے تو یہ تعلیمی عمل کی پہلی مثبت بنیاد ہوگی۔ دوران ملازمت ان کی سالانہ کارکردگی کا خفیہ جائزہ دیگر ملازمتوں سے مختلف ہونا چاہیے۔ کمرہ جماعت میں طلبا کی ایک طے شدہ معیاری اکائی انہیں سونپی جائے جس کے بہترین نتائج پر ہی اساتذہ کی ترقی کی بنیاد ہو۔ یہ توقع کی جائے کہ وہ اپنے اپنے تدریسی اور علمی میدان میں اپنا کیا کچھ تحقیقی اور تنقیدی کام کتب اور مقالات کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔ کتنے سیمیناروں میں شرکت کی گئی۔ کتنے موضوعاتی اجتماعات میں فکری اور عملی حصہ لیا گیا۔ لائبریری کی کتنی کتب سے استفادہ کر کے ان کے مباحث کو تالیفی اجتماعات میں طلباء تک منتقل کیا گیا جب تک یہ سب کچھ نہیں کیا جائے گا استاد کا منصب اس تک واپس نہیں لوٹے گا اور اس کے پیشے کی حرمت اور وقار کی مقصدیت واضح نہیں ہو سکے گی۔

Marfat.com

کیا ہی اچھا ہو کہ تعلیم کا ملازمتی ڈھانچہ صوبائی کی بجائے وفاقی نوعیت کا ہو جائے کہ ہر صوبے کے اساتذہ دوسرے صوبوں میں تعلیم و تدریس کے لیے تبدیل ہوتے رہیں اور یوں طلبا اور اساتذہ کے ذہنوں میں صوبائیت اور رنگ اور نسل اور لسانی تضادات جیسی ساری مکروہ باتیں جو پاکستانیت کے متشکل ہونے کی راہ میں روک رہیں ختم ہوسکیں اور تعلیم کے حوالے سے ہم ایک دوسرے کے قریب تر آسکیں۔

کیا ہی اچھا ہو کہ اساتذہ کا مشاہرہ اس قدر معقول قرار پا جائے کہ وہ آسانی کی حدود میں معیاری اور تازہ تر کتب اپنی ذاتی گھریلو لائبریری کے لیے خرید کرسکیں اور انہیں اپنے معیارِ زندگی کو ہم پلہ دیگر ملازمتوں کے برابر کرنے کے لیے ٹیوشن وغیرہ کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔

کیا ہی اچھا ہو کہ سیاسی اور مذہبی جماعتیں یہ جرأت ہی نہ کر پائیں کہ وہ تعلیمی اداروں کے اندر اپنے مالی اور مادی وسائل پھیلاتے ہوئے طلبا کو اپنے غلط مقاصد کی تکمیل کے لیے استعمال کر سکیں اور طلبا مذہبی اور سیاسی گروہوں میں بٹنے ہی نہ پائیں بلکہ اپنی ساری توجہات اپنی تعلیم کی تکمیل کے لیے یہ سوچ کر وقف کر دیں کہ ہمیں آنے والے وقتوں میں اپنے ملک کی باگ ڈور کو سنبھالنا ہے، اس کے پرچم کو بلند رکھنا ہے اور اس کے وقار میں اضافہ کر کے اسے ترقی یافتہ بنانا ہے۔

کیا ہی اچھا ہو کہ اساتذہ اپنے اداروں کی حدود کے اندر کلاس روم اپنے سٹاف روم اور اپنے علمی اداروں کے اجتماعات میں فرقہ وارانہ، لسانی یا صوبائی پہچان کی بجائے طلباء کے سامنے اپنے آپ کو صرف استاد کی حیثیت میں پیش کر کے علم اور معلم کے وقار میں اضافہ کا باعث بنیں۔

کیا ہی اچھا ہو کہ امتحانی نظام میں موجودہ قباحتوں اور نقل کے روز افزوں رجحانات کو ختم کرنے کے لیے اپریشن کلین اپ کیا جائے تاکہ محنت کے طفیل کامیابی حاصل کرنے کا نصب العین فروغ پائے اور جو والدین اس برائی کے پھیلاؤ کے لیے ناجائز ذرائع کا سہارا لیتے ہیں ان کی حوصلہ شکنی اور ایسے اساتذہ جو شفارش کے نت نئے حربوں کے موئید اور قائل ہیں ان کے خلاف محکمانہ کارروائی کا نظام وضع کیا جائے۔

اساتذہ تنظیمیں ملازمتی ڈھانچے اور ترقیوں کے حصول کے نت نئے طریقوں کی دریافت

Marfat.com

میں مصروف رہتی ہیں جو کچھ برا بھی نہیں ہے لیکن جب پورا تعلیمی نظام ہی اپنی قدر و قیمت کھو کر زوال آمادہ ہو چکا ہو تو یہ استاد اپنے ملازمتی ڈھانچے اور ترقیوں کے حصول کے نظام کو آخر کہاں نافذ کر کے کیا نتائج حاصل کر سکیں گے۔ یہ اساتذہ تنظیمیں تعلیمی مسائل کا ذکر تو کرتی ہیں مگر تعلیمی نظام کی گرتی ہوئی دیواروں کو سہارا کبھی نہیں دیتیں۔ کیا ہی اچھا ہو کہ اساتذہ تعلیمی ادارے کی ہمہ جہت پرداخت اور حفاظت کا ذمہ دار صرف سربراہ ہی کو نہ جانیں بلکہ اس عمل میں اپنا حصہ بھی ڈالیں۔ وہ جو تعلیمی ادارہ کے اندر رہ کر اس کا ایک حصہ ہوتے ہوئے غلط مقاصد کے حصول کے لیے سرگرم رہتے ہیں ایسے عناصر کا سب کو علم ہوتا ہے لیکن ان عناصر کے سیاسی اور دفتری روابط اس قدر گہرے اور مضبوط ہوتے ہیں کہ ان کے خلاف کوئی بھی قدم اٹھانا بے حد مشکل ہوتا ہے۔

پاکستان میں محض جذباتی بنیادوں پر گویا نصف صدی سے صرف یہی غور و فکر ہو رہا ہے کہ ذریعہ تعلیم کیا ہونا چاہیے۔ اس ذہنی تضاد کا یہ نتیجہ نکلا ہے کہ انگریزی اور اردو ذریعہ تعلیم کے ادارے یکسر الگ الگ ہو کر رہ گئے ہیں اردو اور دیگر صوبائی پاکستانی زبانوں کے بارے میں جو کچھ کہا گیا اس کا نفاذ دیانتداری کے ساتھ کبھی بھی نہ کیا جا سکا۔ اب یہ اعتراف ضروری ہو رہا ہے کہ ان زبانوں میں سے کوئی بھی کسی بھی سطح کی تعلیمی ضرورتوں کے لیے اس قابل نہیں ہو سکی کہ اسے اختیار کر کے عالمی سطح کے نتائج حاصل کیے جا سکیں چنانچہ اب بھی موقع ہے کہ کالج اور یونیورسٹی کی سطح پر انگریزی کو بطور ذریعہ تعلیم کے اختیار کر لیا جائے تاکہ ہمارا طالب علم بین الاقوامی تعلیمی اور تحقیقی ترقی کے ساتھ قدم بقدم چل سکے۔ ایسا نہ ہوا تو ہمارے پاس صرف سندات ہوں گی علم نام کی کوئی چیز نہ ہو گی جیسا کہ آج ہمارے اعلیٰ سند یافتہ نوجوان کا مبلغ علم ہمارے سامنے ہر ادارے اور ملازمتی ہیئت میں دیکھنے میں آ رہا ہے۔ کیا اس بات کا کچھ فائدہ ہے کہ لیکچر اردو یا علاقائی زبان میں دیا جا رہا ہو، نصابی کتابیں خلاصہ جات کی شکل اختیار کر چکی ہوں اور امتحانی نظام انگریزی کا پابند ہو۔ ابلاغ کا یہ تضاد جس قدر جلد ختم ہو سکے مناسب ہو گا۔ پاکستانی قوم کو دو رنگی چھوڑ کر اس معاملے میں یک رنگ ہونا پڑے گا اور جب یک رنگی ہی مثبت نتائج کی ضمانت ہے تو پھر ذریعہ تعلیم وہ زبان کیوں نہ اختیار کی جائے جو بین الاقوامیت سے قریب تر ہے اور علوم کے جدید تر ذخائر سے بھی مالا مال ہے۔

قصہ یہ ہے کہ سائنسی اور سماجی علوم کی تدریس کا ذریعہ محض کمرہ جماعت تک تو محدود نہیں

Marfat.com

ہے کہ کام چل جائے گا مسئلہ تو یہ ہے کہ تحقیق کی محنت گہری سوچ کا اظہار طویل تجربوں اور مشاہدات کو سمیٹ کر نتائج کو ترتیب دینا پھر سائنسی اور علمی قومی اور بین الاقوامی مسائل کو درست جہتوں کے تحت مشینوں اور ٹیکنالوجی کی وساطت سے حل کرنا۔ یہ بیسویں صدی کی ضروریات اور اکیسویں صدی کے لازمے ہیں انہیں پاکستانی معاشرے میں زبانوں کی بے تکی اور بے ہنگم آمیزش سے کچھ فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ اگر صورتحال جوں کی توں رہنے دی گئی تو یہ قوم کو سائنسی علوم اور ٹیکنالوجی سے دور رکھنے کا ایک غیر ارادی طریقہ ہوگا۔ اس طرح کوئی اعلیٰ سند یافتہ بھی سائنسی علوم میں تحقیقی اور تخلیقی عمل میں اپنی صلاحیتوں کا اظہار نہ کر سکے گا وہ ان علوم کے بین الاقوامی معاملات سے بھی انتفاع نہ کر سکے گا۔ یہ بات اب تسلیم کر لینی چاہیے کہ سائنسی اور سماجی علوم کو پاکستانی زبانوں میں سے کسی ایک میں بھی منتقل کرنے میں کامیابی نہیں ہو سکی۔ یورپ کے بہت سے ممالک اگر اپنی زبانوں میں یہ کام کرنے میں کامیاب ہیں تو اس کی وجہ اول تو یہ ہے کہ وہاں سوچا ہی سائنس کی زبان میں جاتا ہے دوم تمام یورپی زبانیں انگریزی زبان سمیت ایک دوسرے سے یک گونہ قرابت قریبہ رکھتی ہیں۔ رہا اس باب میں جنوب مشرقی ایشیائی اقوام کی علمی ترقی کا مسئلہ تو چین، جاپان اور کوریا جیسے ممالک نے وقت کی ضرورت کے مطابق اپنی زبانوں کو لکھنے کا طریقہ ہی تبدیل کر دیا ہے مثلاً بائیں سے دائیں لکھنے کے باعث وہاں مثال کے طور پر ریاضی کی تحریر میں جو ایک بنیادی لازمی سائنس ہے وہ تضاد پیدا ہی نہیں ہوتا جو ہمارے ہاں اس مضمون کی اردو اور انگریزی تحریر میں پیدا ہو کر بے شمار الجھاوے پیدا کر دیتا ہے۔ ہم تو ابھی تک دس لاکھ کو جدید بین الاقوامی ریاضیاتی زبان میں ایک ملین کہنا بھی نہیں سیکھ سکے قوم کو آج جذباتی کھوکھلے نعروں سے الگ رہتے ہوئے اپنے حقیقت پسندانہ فیصلوں پر ثابت قدمی سے ڈٹ جانے کی ضرورت ہے۔ یہی بات قومی تعلیمی مسائل کے مثبت حل کی ضمانت ہوگی۔

ہمارے ہاں تعلیم و تدریس کی مختلف سطوح پر بجائے سائنسی سماجی اور ٹیکنالوجی کے علوم کی مختلف شاخوں میں اضافے کے ایسے آرٹس مضامین کو نت نئی اہمیت دی جا رہی ہے جن کی نصابی اہمیت محض سطحی ہے۔ جن مضامین کو اب ایک دوسرے میں ضم کر دینا زیادہ مفید ہوگا جیسے تاریخ سیاسیات شہریت اور مطالعہ پاکستان یا تعلیم اور جسمانی تعلیم یا جن پاکستانی زبانوں کو زیادہ ترقی یافتہ پاکستانی زبان کی تدریس میں ایک اضافی اکائی کے طور پر شامل نصاب کر دیا جائے۔ یا اسلامی

Marfat.com

علوم کی تحصیل میں عربی کو بھی جزو بنالیا جائے اور تدریجاً تعلیم کی اعلیٰ سطح پر بعض مضامین کی لازمی حیثیت جو تکرار محض ہے ختم کردی جائے۔ یہ بھی بے حد ضروری ہے کہ سائنس کی طرح آرٹس کے مضامین کے گروپ بھی مناسب غوروفکر کے بعد طے کر دیئے جائیں تاکہ بے تکے، کم محنت طلب اور محض سہل مضامین کے گروپ ختم ہوسکیں ورنہ آرٹس کے میدان میں چند ہی برسوں بعد معاشرتی علوم کے اختیار کرنے کا رجحان ہی ختم ہوکر رہ جائے گا جو پاکستانی قوم کے تہذیبی زوال کی علامت بھی بن سکتا ہے۔

ملک کی تعمیروترقی کے باب میں لازم ہے کہ طلبا خود کو ملکی مسائل سے عہدہ برآ ہونے کا اہل بنائیں۔ایک واضح قومی شعور، شہریت کا احساس، ملکی ضروریات کا علم، اس کی اقتصادی معاشرتی تہذیبی اور ثقافتی اقدار سے مکمل آگہی اور اس ادراک سے قطع نظر عمل کا جذبہ اور صلاحیت کار کا ہونا لازمی ہے کیونکہ ان تمام صفات کے بغیر طالبعلم کی حیثیت میدان عمل میں ایک نہتے سپاہی کی ہو گی۔ اگر ہمارے طالبعلم اپنے آپ کو مستقبل کی ذمہ داریوں کا اہل ثابت کرنا چاہتے ہیں تو ان کے لیے ازبس لازمی ہے کہ وہ تحصیل علم میں غیر معمولی شغف اور انہماک کا ثبوت دیں۔ مفید مسائل سے اپنے اذہان کو جلا دیں اور صحت مندانہ تفریحات اور کھیل کود سے جسمانی طور پر مضبوط اور توانا بنیں تاکہ ان کے کردار کی متوازن نشوونما ہوسکے اور فکروعمل ہر دو اعتبار سے ان کی شخصیت بلند اور مکمل کہلائے۔ طلبا کی شخصیت کی حیثیت اور اہمیت بوڑھوں سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ اس لیے کہ وہ مستقبل کے معمار ہیں اور ان بھاری بوجھوں کو اٹھانے اور برضا و رغبت اٹھانے ہی میں ان کی صحیح عظمت پوشیدہ ہے۔

جمہوری تعلیم کا ایک خاصہ یہ بھی ہونا چاہیے کہ اس میں انتظامیہ اور اساتذہ کے درمیان ایسا رابطہ ہو جس کی بنیاد باہمی مفاہمت اور تعاون پر ہو تاکہ دونوں آسانی سے حصول مقصد کے لیے کوشاں ہوسکیں۔ اسی طرح طلباء اور اساتذہ میں بھی اسی نوع کی یگانگت کا ہونا ضروری ہے تاکہ طلباء کو اپنی ضروریات اور تعلیمی مسائل اور مشکلات نہایت خوشگوار طریقے سے اساتذہ کے سامنے پیش کرنے کا موقع ملے اور استاد ان مشوروں کو بروئے کار لاسکیں۔

مشہور ماہر تعلیم جان ڈودی کی بات دہرانے کی جرأت کر ہی لینی چاہیے کہ......

''جمہوری معاشرہ وہ معاشرہ ہے جس میں وہ تمام سہولتیں مہیا کی جاتی ہیں جن سے لوگ

Marfat.com

معاشرے کی فلاح و بہبود میں برابر کے شریک ہوتے ہیں اور انہیں ان مشترکہ کوششوں کے خوشگوار اور مفید نتائج سے کما حقہ بہرہ اندوز ہونے کا موقع بھی ملتا ہے۔اس معاشرے میں ایسی لوچ ہوتی ہے جس کے ذریعہ مختلف النوع ادارے ایک دوسرے سے با آسانی ہم آہنگ ہو سکتے ہیں اور مفادِ عامہ کی نئی راہیں پیدا کر سکتے ہیں۔ایسے معاشرے کے لیے تعلیم ایسی ہونی چاہیے جس میں ہر فرد باہمی سماجی ارتباط اور ضبط و نظم میں انفرادی طور پر دلچسپی لے۔اس کی ذہنی تربیت اس طرح ہو کہ بوقتِ ضرورت وہ بغیر کسی انتشار کے معاشرے میں سماجی تبدیلیوں کو گوارا کر لے''۔

مجلہ کاروان گورنمنٹ کالج جھنگ 92-1991ء

Marfat.com

ایک مصاحبہ

پینل انٹرویو

پروفیسر حسن محمود اقبال......شعبہ اردو گورنمنٹ کالج جھنگ (مدیر کاروان)

پروفیسر ڈاکٹر محمد اسلم ضیاء......شعبہ اردو گورنمنٹ کالج جھنگ (مدیر کالج نامہ)

پروفیسر رانا غلام شبیر......شعبہ اردو گورنمنٹ کالج جھنگ (معاون مدیر کاروان۔نگران مجلس اقبالؒ)

رانا غلام شبیر...... جناب والا! کچھ اپنی ابتدائی زندگی کے بارے میں ارشاد فرمائیں۔

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... میں چھ جون 1936 کو مشرقی پنجاب کے گاؤں اسلام پور قاضیاں ضلع گورداسپور میں پیدا ہوا۔ میں نے ایک علمی اور ادبی گھرانے میں آنکھ کھولی۔ ہمارے گھر میں قلمی کتابیں اور قرآن پاک کے قلمی نسخے موجود تھے۔ میرے والد صاحب ایک بنک میں ملازم تھے اور دادا محکمہ ڈاک میں معمولی ملازمت کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ اس زمانے میں عالمگیر، خیام، ادب لطیف، زمانہ، شاہکار اور ادبی دنیا جیسے رسائل ہمارے گھر میں آیا کرتے تھے۔ میں نے پرائمری کا امتحان اسی گاؤں سے پاس کیا۔ گاؤں میں اکثریت مسلمانوں کی تھی۔ ہمارا گاؤں ذیل یعنی چند گاؤں کا انتظامی مجموعہ تھا جس کے سربراہ کو ذیلدار کہتے تھے جو مسلمان تھا۔

حسن محمود اقبال...... پرائمری کی تعلیم کے دوران میں مسلمان طلبہ اور غیر مسلم طلبہ کا رویہ آپس میں کیسا ہوتا تھا؟

پروفیسر سمیع اللہ قریشی......گاؤں میں آدھے سے زیادہ مسلمان تھے لیکن ہندوؤں اور اور سکھوں کے دلوں میں میں نے اپنی ہوش میں ایک تناؤ دیکھا جب میں پانچویں میں پڑھتا تھا تو گاؤں میں مسلمان طلبہ اور غیر مسلم طلبہ آمنے سامنے کھڑے ہو کر نعرے بازی کیا کرتے۔ ایک

Marfat.com

طرف "لے کے رہیں گے پاکستان...... بن کے رہے گا پاکستان، پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ کے نعرے بلند ہوتے تو دوسری طرف "روپیہ چاندی دا راج مہاتما گاندھی دا" کا آوازہ لگتا ایسے میں ایک روز میرے ایک ہم جماعت خزان سنگھ نے کوئی چیز اس قدر زور سے پھینکی کہ وہ میری کنپٹی پر لگی اور گہرا زخم ہو گیا۔ اس چوٹ کے باعث میں نے محسوس کیا کہ بالکل اندھیرا ہو گیا۔ اس زخم نے میری بینائی کو ہمیشہ کے لیے بہت متاثر کیا۔ یہ نشان آج بھی موجود ہے اور میں اسے جدوجہد آزادی کا تمغہ خیال کرتا ہوں۔

رانا غلام شبیر...... جب آزادی کا گل رنگ سویرا ہوا تو آپ کس طرح ارض پاکستان پہنچے؟

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... جب برصغیر تقسیم ہوا اور پاکستان بنا تو اس وقت میری عمر گیارہ سال تھی اور میں چھٹی جماعت کا طالب علم تھا۔ وہ قیامت کی گھڑی تھی میں نے اپنے رشتہ داروں کے ہمراہ بٹالہ، امرتسر اور لاہور کے درمیان ماجھے کا سفر طے کیا جس کی فضا کے بارے میں بلونت سنگھ نے بھی ذکر کیا ہے۔ راستے میں کئی عزیز شہید ہو گئے۔ وہ منظر کبھی نہیں بھولتا، دائیں بائیں عورتوں، مردوں کی جلی کٹی نعشیں، شکستہ مکاں، آگ اور خون کا دریا، مسلح سکھوں کا نہتے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلنا، مہاجرین کا ارض پاکستان کی طرف عازم سفر ہونا۔ اب بھی میرے ذہن میں محفوظ ہے۔ اگست 1947ء کے آخری ہفتے میں ہم لاہور پہنچے۔ ہم بازار حکیماں بھاٹی گیٹ جوگیوں والی گلی میں آباد ہوئے۔ مشہور ادیب اور مدیر نقوش محمد طفیل کا گھر بھی یہیں ہے۔ اس محلّہ کو حکیم احمد شجاع نے لاہور کا چیلسی کہا ہے۔ ہم بے سروسامانی کے عالم میں تھے ابتداء میں مجھے اور میرے چھوٹے بھائی کو کسی سکول میں داخلہ نہ ملا۔ ہم نے لاہور کو خوب گھوم پھر کر دیکھا۔ بازار حکیماں، تھانہ ٹبی، شاہی قلعہ، شاہی مسجد، حضوری باغ اور مزار اقبالؒ انہی دنوں میں نے وہ عورتیں دیکھیں جو بن سنور کر جسم کی نمائش کرتی تھیں۔ ان کی زندگی قہقہوں، آہوں، آنسوؤں اور بعض اوقات چیخوں کے عجیب ماحول کی عکاس تھی۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کے دربار سے بھی میرے بچپن کی یادیں وابستہ ہیں۔ اس زمانے میں یہ علاقہ ملنگوں اور جٹا دھاری فقیروں کے قبضے میں تھا۔ یہاں قوالی بھی ہوتی تھی۔ میں یہاں جانے سے گھبراتا تھا اگرچہ میرے دادا اکثر دربار میں حاضری کے بعد ادھر آیا کرتے تھے۔

رانا غلام شبیر...... تعلیم کا سلسلہ پھر کس طرح شروع ہوا؟

Marfat.com

پروفیسر سمیع اللہ قریشی......رام گلی مسلم ہائی سکول برانڈرتھ روڈ لاہور میں چھٹی جماعت سے آٹھویں جماعت تک تعلیم حاصل کی پھر میرے والد کو چنیوٹ میں ایک ملازمت مل گئی اور میں چنیوٹ ہائی سکول داخل ہو گیا، یہیں سے میٹرک کیا۔

ڈاکٹر محمد اسلم ضیاء......شاعری کا آغاز کب ہوا؟

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... جب میں جماعت نہم کا طالب علم تھا تو میں نے پہلی غزل کہی میں یہ غزل اپنے استادِ محترم کے پاس لے گیا تو وہ حیران رہ گئے اور بہت تعریف کی غزل کا ایک شعر یاد ہے۔

دلدار کے کوچے میں جو دیدار کو پہنچے
رک جاؤ یہ کہتا ہوا درباں نظر آیا

میرا خیال ہے یہ 1949ء کی بات ہے۔

حسن محمود اقبال......نثر کے میدان میں آپ نے کب قدم رکھا؟

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... ہائی سکول کے زمانہ طالب علمی میں تحصیل سطح پر مضمون نویسی کا فی البدیہہ مقابلہ ہوا۔ میں اول آیا اور مجھے دس روپے انعام ملا یہ پہلا مضمون تھا جو میں نے بے ساختہ لکھا۔

رانا غلام شبیر......سیکنڈری کلاسز میں تعلیم کے دوران کوئی اور اہم واقعہ!

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... جب میں دسویں جماعت میں تھا تو اس زمانہ کے وزیر میجر مبارک علی شاہ کی آمد پر ضلع جھنگ کے ڈپٹی کمشنر کے ہمراہ تمام طلبہ نے ان کا تحصیل احاطہ میں استقبال کیا۔ ڈپٹی کمشنر کی گھنی داڑھی تھی ان کے ہاتھ میں عصا تھا اور سواتی چغہ انہوں نے پہن رکھا تھا۔ ان کا نام نواب فتح اللہ خان تھا۔ ڈیرہ اسماعیل خان کے رہنے والے تھے بہت دین دار آدمی تھے انہوں نے ہم سے نماز اور دعائیں سنیں۔

رانا غلام شبیر......ادب کے مطالعہ کا آغاز باقاعدگی سے کب ہوا؟

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... ہائی سکول کی تعلیم کے دوران ہی میں نے مخزن اور ماہِ نو جیسے ادبی رسائل خرید کر پڑھنا شروع کر دیئے تھے۔ میں جیب خرچ سے رقم بچا کر ادبی رسائل خریدتا۔ ایک

Marfat.com

رسالہ اٹھنی میں مل جاتا تھا۔ مخزن کے ایڈیٹر حامد علی خان تھے اور ماہ نو رفیق خاور کی ادارت میں شائع ہوتا تھا۔ آٹھویں جماعت سے دسویں جماعت تک میں صحرانورد کے خطوط (مرزا ادیب) اوراق پارینہ (شیر جنگ) کارل مارکس اور اس کی تعلیمات (شیر جنگ)، عبداللہ بٹ کی کتاب ٹیپو سلطان اور علامہ شبلی کی کتاب اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر بہت شوق سے پڑھ چکا تھا۔ اوراق پارینہ آج بھی میرے لیے ناقابل فراموش ہے۔

حسن محمود اقبال...... اس کتاب کا موضوع؟

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... چودھری شیر جنگ ہندو زمیندار تھے اور کمیونسٹ دہشت پسند لیڈر تھے۔ انہوں نے انگریز حکومت سے ٹکر لینے کی کوشش کی وہ ملتان جیل میں تھے۔ ناول کے انداز میں یہ کتاب لکھی اس کا اسلوب کبھی نہیں بھولتا غالباً یہ تحریر ان کی واردات ہے۔

رانا غلام شبیر...... میٹرک کے بعد اعلیٰ تعلیم کے مراحل کس طرح طے ہوئے؟

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... میٹرک کے بعد میں لاہور چلا گیا۔ میرے چچا وہیں تھے ان کے ہاں قیام کیا اور اسلامیہ کالج سول لائنز میں 1951ء میں داخلہ لیا۔ انٹر میں عربی، معاشیات اور تاریخ میرے مضامین تھے اور ڈگری میں معاشیات اور عربی ساتھ ہی میں نے عربی میں آنرز بھی کیا۔ لاہور اس زمانے میں بھی علمی و ادبی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ وائی ایم سی اے ہال مال روڈ پر ہر اتوار کی شام حلقہ ارباب ذوق کے ادبی جلسے ہوتے تھے۔ ستمبر 1951ء سے میں نے بھی ان جلسوں یں جانا شروع کیا۔ گجرات کے ادیب راحت ملک کے ہمراہ مجھے پہلی مرتبہ بورڈ روم کے اندر جانے کا موقع ملا حلقہ ارباب ذوق کی نشستوں سے مجھے بہت فیض ملا مسلسل پانچ سال ان اجلاسات میں شمولیت نے میرے اندر ادبی ذوق کو پروان چڑھایا ورنہ اردو ادب میرا کبھی درسی مضمون نہیں رہا۔ میں نے جن نامور ادیبوں کو دیکھا اور سنا ان میں سے سید عابد علی عابد، ضیاء جالندھری، شہرت بخاری، اے حمید، اشفاق احمد، انجم رومانی، قیوم نظر، سعادت حسن منٹو، شاد امرتسری، عبدالمجید بھٹی، شہزاد احمد اور احمد راہی کی یادیں میرا بہت بڑا سرمایہ ہیں۔

ڈاکٹر محمد اسلم ضیاء...... میرا جی سے آپ کی ملاقات ہوئی؟

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... نہیں...... کبھی نہیں...... البتہ ان کی پہلی برسی مجھے یاد ہے۔ حلقہ ارباب ذوق کے تحت۔

Marfat.com

رانا غلام شبیر...... سعادت حسن منٹو کو آپ نے کب سنا؟ کچھ اور یادیں!

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... یہ 1953ء کا واقعہ ہے منٹو پاگل خانہ سے رہا ہو کے آئے تھے حلقہ ارباب ذوق کا سالانہ اجلاس تھا۔ ہال کچھا کھچ بھرا ہوا تھا۔ منٹو نے اپنا افسانہ ٹوبہ ٹیک سنگھ پڑھ کر سنایا۔ کمال کا افسانہ تھا...... اسی ہال میں یوم میرا جی منایا گیا۔ میرا جی کے بھائی نے راگ جے جے ونتی ستار پر بجایا، یہیں میں نے اے حمید سے ان کا افسانہ ''یروشلم یروشلم'' اور اشفاق احمد سے ''گڈریا'' سنا۔

رانا غلام شبیر...... پنجابی ادب سے آپ کی دلچسپی کس طرح ہوئی؟

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... شاید 1953ء کی بات ہے۔ وائی ایم سی اے میں پہلا یوم وارث شاہ منایا گیا استاد دامن کی اس نظم سے سماں بندھ گیا۔

ایتھے ڈاکے پین دوپہر نوں
ایتھے باندراں ہتھ نیاں
میں تے ڈبدا ڈبدا جاں

اسی زمانے میں مجھے پنجابی لکھنے اور پنجابی پڑھنے سے دلچسپی پیدا ہوئی۔ درشن سنگھ آوارہ کی نظموں کی کتاب ''بغاوت'' امرتا پریتم کا مجموعہ کلام ''نویں رت'' اور احمد راہی کی نظموں کی انجیل ''ترنجن'' خرید کر پڑھی ہے۔ اس زمانے میں امرتا پریتم کی نظم ''آج آکھاں وارث شاہ نوں'' کا بہت شہرہ تھا۔ 1954ء میں میرا پہلا پنجابی افسانہ ''جوار دے ٹانڈے'' ماہنامہ ''پنجابی'' میں شائع ہوا جس کے ایڈیٹر عبدالمجید سالک اور فقیر محمد فقیر تھے۔

رانا غلام شبیر...... کالج کی تعلیم کے دوران میں آپ کی علمی و ادبی سرگرمیاں؟

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... جب میں بارہویں جماعت کا طالب علم تھا کالج کی مجلس عربی میں استادِ محترم کے ایما پر میں نے خود مواد اکٹھا کر کے مقالہ لکھا تھا ''صحابی شعراء'' میرے اساتذہ نے اس کی بہت تعریف کی۔ اس مقالے کے لیے میں نے پنجاب پبلک لائبریری میں متعدد کتابیں پڑھیں اور اشارات مرتب کیے۔

ڈاکٹر محمد اسلم ضیاء...... یونیورسٹی کی کچھ یادیں!

Marfat.com

پروفیسر سمیع اللہ قریشی......اس زمانے میں تعلیمی ماحول نہایت پرامن اور سازگار تھا۔طلبہ اپنے مسائل کے لیے احتجاج تو کرتے تھے مگر مادر علمی کے وقار پر حرف نہیں آنے دیتے تھے۔ جب کبھی کوئی جلوس نکلتا،شاہراہوں پر طلبہ اکٹھے ہو جاتے باوقار انداز میں تقاریر کرتے اور پرامن طور پر منتشر ہو جاتے۔

رانا غلام شبیر......آپ کن اساتذہ سے متاثر ہوئے؟

پروفیسر سمیع اللہ قریشی......ڈاکٹر رانا محمد نصر اللہ احسان الٰہی ڈبل پی ایچ ڈی (یورپ) عربی کے بے مثال استاد تھے۔ ڈاکٹر محمد عبدالرؤف (نفسیات) ڈاکٹر محمد عبدالعزیز (اصول تعلیم) پروفیسر ڈاکٹر محمد دین (تاریخ التعلیم) ان اساتذہ کی محنت،علمی فضیلت اور پیشہ وارانہ کمال سے میں بہت متاثر ہوا۔

حسن محمود اقبال......آج ہمیں ایسے اساتذہ کی ضرورت ہے جنہیں اپنے پیشے پر فخر ہو علم سے جنون کی حد تک لگاؤ ہو اور سیرت و کردار کے اعتبار سے اعلیٰ درجے کے انسان ہوں کیا ایسے اساتذہ تیار کرنے کی کوئی ''ورکشاپ'' میری مراد ہے کوئی ادارہ قائم کیا جا سکتا ہے؟ یا اس مقصد کے لیے آپ کوئی اور صورت تجویز کریں گے۔

پروفیسر سمیع اللہ قریشی......جو لوگ اپنے اندر کی رضا اور ارادے سے درس و تدریس کا پیشہ اختیار کریں گے۔ وہ ہمیشہ اس کا وقار قائم رکھنے کا باعث بنتے رہیں گے ان کے مقابلے میں جو بامر مجبوری اس میدان میں داخل ہوں گے وہ پورے پیشے کے لیے معذرتی بن کر رہ جائیں گے۔ اپنی خواہش سے معلم بننے والا شخص قربانی دینے اور صلے اور ستائش کی تمنا رکھنے سے بے نیاز ہو کر اپنا مشن پورا کرتا رہے گا جبکہ دیگر بنیادوں پر اس پیشے کو اختیار کرنے والے تنظیمیں اور گلڈ بنانے اور ذاتی مفادات کے حصول کے لیے سرگرداں رہیں گے اور اس پیشے سے کبھی مخلص نہیں ہو سکیں گے۔ سو میری رائے میں استاد کا انتخاب ہر سطح پر اعلیٰ اور معیاری فکری اور کرداری رویوں کی روشنی میں کیا جانا لازمی ہے۔اس کا معیار ملک کی ہر ملازمت کے معیار سے بلند تر ہونا چاہیے۔جب تک ایسا نہ ہو گا صورتحال وہی رہے گی جو آج کل ہمیں اپنے تعلیمی نظام میں درپیش ہے۔

رانا غلام شبیر......آغاز ملازمت اور تدریسی زندگی کے بارے میں کچھ ارشاد فرمائیے!

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... 25 نومبر 1959ء کو میں نے گورنمنٹ کالج بہاولنگر میں علوم

84032

Marfat.com

اسلامیہ کے لیکچرار کی حیثیت سے ملازمت کا آغاز کیا۔ پنجاب پبلک سروس کمیشن سے انتخاب کے بعد چھ ماہ ایس ای کالج بہاولپور رہا۔ بہاولپور کا علمی ماحول کبھی نہیں بھولتا۔ ایس ای کالج 1894ء میں قائم ہوا تھا۔ یہ پنجاب یونیورسٹی سے ملحق ہونے والے پہلے تین کالجوں میں سے ایک ہے۔ اس کی لائبریری بہت قیمتی ہے۔ شہر کا ماحول الف لیلوی لگتا تھا۔ غربت بہت تھی۔ سائیکل رکشہ والوں کی حالت دیکھ کر بہت دکھ ہوتا تھا پھر گورنمنٹ کالج گوجر خان پہنچا یہاں اڑھائی سال قیام رہا۔ 9 اکتوبر 1963ء کو گورنمنٹ کالج جھنگ میں حاضری دی یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔

ڈاکٹر محمد اسلم ضیاء...... ڈاکٹر سید معین الرحمٰن بھی بہاولنگر میں زیر تعلیم رہے ہیں؟

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... جب میں بہاولنگر پہنچا تو ڈاکٹر سید معین الرحمٰن انٹرمیڈیٹ کرنے کے بعد کراچی جا چکے تھے۔ ان کے ایک بھائی متین الرحمٰن بھی یہیں زیر تعلیم رہ چکے تھے۔ کالج اساتذہ ان کی علمی اور ادبی صلاحیتوں کی بہت تعریف کرتے تھے۔ اس زمانے میں یہ کالج ڈگری نہیں تھا۔ اس کے ادبی مجلہ ''لالہ صحرا'' میں میرا علمی مقالہ ''شاہ ولی اللہ کا سیاسی شعور'' شائع ہوا۔

رانا غلام شبیر...... گورنمنٹ کالج جھنگ کا اس زمانے کا ماحول کیسا تھا؟ یہاں آپ کی علمی اور ادبی سرگرمیاں کیسے آگے بڑھیں؟

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... آج سے اٹھائیس برس پہلے یہاں طلبہ کی تعداد بارہ سو کے قریب تھی اور اساتذہ بتیس کے لگ بھگ تھے۔ بہت اچھا ماحول تھا طلبہ صحت مند، صاف ستھرا لباس پہننے والے اور شائستگی سے گفتگو کرنے والے تھے۔ رام ریاض سال چہارم کے طالبعلم تھے اور محمود شام بی اے کر کے جا چکے تھے یہاں پہنچتے ہی پروفیسر محمد حیات خان سیال اور پروفیسر عبدالباری عباسی کی وساطت سے میں شہر کے ادبی حلقوں اور ادبی شخصیات سے متعارف ہوا اس طرح شیر افضل جعفری، پروفیسر تقی الدین انجم، شیر محمد شعری، بیدل پانی پتی، احمد تنویر، حکمت ادیب، حنیف باوا، خیر الدین انصاری اور شارب انصاری سے ملاقاتیں ہونے لگیں۔

ڈاکٹر محمد اسلم ضیاء...... مجید امجد، سید جعفر طاہر اور جھنگ کی دیگر ادبی شخصیات سے آپ کی ملاقات کس طرح ہوئی؟

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... مجھے مختلف اوقات میں جھنگ سے وابستہ جن شاعروں اور ادیبوں سے ملاقات کا موقع ملا ان میں کیپٹن سید جعفر طاہر، عبدالعزیز خالد، مجید امجد، صاحب زادہ

Marfat.com

رفعت سلطان، قاضی طاہر سر دھنوی اور آغا نو بہار علی خان قابل ذکر ہیں۔ میں ان کی ادبی خدمات کا معترف ہوں۔ جعفر طاہر بلا کا مطالعہ رکھتے تھے نہایت ذہین آدمی تھے۔ نظم یا کینٹوز کہتے ہوئے الفاظ ہاتھ باندھ کر ان کے سامنے کھڑے ہوتے تھے۔ مجید امجد سے میری تین ملاقاتیں ہوئیں وہ از سرتا پا شاعر تھے اور بے مثال شاعر ذرے میں آفتاب دیکھ لیتے تھے۔

رانا غلام شبیر...... آپ کو ادب کی کونسی صنف سے زیادہ دلچسپی ہے؟

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... مجھے تحقیق میں زیادہ دلچسپی رہی خواہ وہ اقبالیات میں ہو، سیرت کا پہلو ہو، جھنگ کی تہذیب و ثقافت کے بارے میں ہو یا کوئی بھی موضوع ہو میں تحقیق میں ہمیشہ دلچسپی محسوس کرتا رہا ہوں۔

رانا غلام شبیر...... کیا آپ اپنی تحقیقی کامرانیوں پر روشنی ڈالنا پسند فرمائیں گے؟

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... جب بھی کسی نئے موضوع پر لکھنے کی دعوت دی گئی میں نے اسے چیلنج سمجھ کر قبول کیا۔ میں نے محنت، مطالعہ اور تحقیق کو بروئے کار لا کر لکھا اور جب بھی لکھا میرے تحقیقی مقالات پر مجھے انعام سے نوازا گیا۔ مثال کے طور پر ایرانی انقلاب پر جب اصفہان یونیورسٹی نے دنیا بھر کو یہ دعوت دی کہ اپنا نقطہ نظر پیش کریں تو دنیا بھر سے مختلف زبانوں میں 480 مقالات پیش کئے گئے آٹھ منتخب مقالات میں سے ایک میرا تھا جس پر مجھے یونیورسٹی کی جانب سے ان کے خرچ پر ایران کے دورہ کی دعوت دی گئی لیکن بعض مجبوریوں کے باعث میں اس سے محروم رہا۔ میرے تحقیقی مقالے کا عنوان تھا ''انقلاب ایران نہ شرقی نہ غربی'' یہ مقالہ ایران میں شائع بھی ہوا۔ 1981ء میں نیشنل کونسل آف سائنس اسلام آباد کی طرف سے ''فکر اقبال میں سائنس کا مقام'' کے موضوع پر تحقیقی مقالات لکھنے کی دعوت دی گئی میں نے بھی اپنا مقالہ بھیجا۔ نامور سائنس دان، عالم اور ماہر اقبالیات، ڈاکٹر رضی الدین صدیقی جج تھے۔ میرا مقالہ اول قرار پایا ایک بہت بڑے ہال میں سائنس دانوں کے درمیان مجھے جھنگ سے طلب کر کے انعام سے نوازا گیا۔ ایک دفعہ حکومت ایران کی جانب سے تحقیقی مقالے کے لیے کہا گیا موضوع تھا ''اقبال اور استعمار'' اس دفعہ بھی میرا مقالہ اول قرار دیا گیا جس پر مجھے بیش قیمت کتابیں اور ایک شاندار گھڑی جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال کے ہاتھوں انعام دی گئیں۔ یہ تقریب الحمراء لاہور میں منعقد ہوئی۔ سرگودھا بورڈ نے پندرہویں صدی کے آغاز کے موقعہ پر عنوان دیا ''عہد حاضر میں اسلام

Marfat.com

کے حکومتی نظام کا نفاذ کیسے ممکن ہے؟'' اس پر بھی میرے تحقیقی مقالے کو اول انعام دیا گیا۔ نیشنل بک کونسل نے یونسکو کے تعاون سے صوبائی زبانوں میں بعض موضوعات دیئے، سولہ سال کی عمر کے نوجوانوں کی ذہنی سطح کو ملحوظ رکھتے ہوئے کسی سائنسی موضوع پر مقالہ لکھا جانا مقصود تھا میں نے پنجابی میں مقالہ لکھا ''ساڈی سوہنی دھرتی'' اس پر بھی مجھے اول انعام ملا۔ یہ کتاب کی صورت میں شائع ہوا اور سرگودھا بورڈ نے اس کو سائنس کی ایک کتاب کے طور پر مجھے پھر انعام سے نوازا۔

رانا غلام شبیر...... ادبی تنظیموں اور ادیبوں کے اداروں کے ساتھ آپ کے روابط ہیں یا نہیں؟

پروفیسر سمیع اللہ قریشی......نہیں...... میں نے ادب کے لیے جو کچھ کیا اپنی ذاتی کوششوں سے کیا اور میں کسی گلڈ، حلقہ یا انجمن کا باقاعدہ رکن نہیں رہا۔

رانا غلام شبیر...... علمی، ادبی اور سیرت کانفرنسوں میں آپ نے شمولیت فرمائی کچھ ان کے بارے میں ارشاد فرمائیں!

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... پہلی دفعہ میں نے 1981ء میں وفاقی وزارت قانون کے تحت اسلام آباد میں منعقد ہونے والی انٹرنیشنل کانفرنس آف مسلم سکالرز میں شرکت کی جس میں دنیا بھر کے نمائندہ مسلمان سکالرز شریک ہوئے تھے میں نے جو مقالہ پیش کیا اس کا عنوان تھا ''چودہ صدیوں میں مسلمان قومیتوں کی صنعت پارچہ بانی کی تاریخ'' یہ مقابلہ بیک وقت عربی اور انگریزی زبانوں میں ترجمہ کر کے میری آواز کے ساتھ پیش کیا جاتا رہا۔ خدا کے فضل سے اسے بہت پسند کیا گیا۔ اے کے بروہی مرحوم نے میرے مقالے کی بہت تعریف کی۔ دوسرے مسلم سکالرز کے ساتھ مجھے بھی تمغۂ ہجرہ عطا کیا گیا۔

حسن محمود اقبال......کانفرنس کا خاص موضوع کیا تھا؟

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... کانفرنس کے کئی شعبے تھے مثلاً اسلام اور ادبیات، اسلام اور فنون، اسلام اور تعلیم، اسلام اور سائنس، اسلام اور عہد حاضر وغیرہ۔

رانا غلام شبیر...... سیرت کانفرنسوں اور اہل قلم کانفرنسوں کا ذکر آپ نے نہیں فرمایا ان کی کچھ یادیں!

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... وزارت مذہبی امور کے تحت پانچ قومی سیرت کانفرنسوں میں

Marfat.com

سیرت نبوی کے مختلف پہلوؤں پر مجھے اپنے مقالات پیش کرنے کا شرف حاصل ہوا جو وفاقی حکومت نے اپنے اہتمام سے شائع کیے انہی اجتماعات میں مجھے عالم اسلام، یورپ اور اپنے وطن کے مسلمان علماء، دانشوروں اور زعما سے ملنے اور گفتگو کرنے کا موقعہ ملا جن میں اے کے بروہی، منٹگمری واٹ، لیوپورڈ محمد اسد، ڈاکٹر حمید اللہ، مولانا سید صباح الدین عبدالرحمٰن، سید ابوالحسن علی ندوی اور بہت سے دوسرے لوگ شامل ہیں۔ اکادمی ادبیات پاکستان کے تین سالانہ اجتماعات میں مجھے جھنگ سے بطور مندوب 1980ء کے دہاکے میں شرکت کا موقعہ ملا یہاں مجھے احمد ندیم قاسمی، قتیل شفائی، رئیس امروہی، جمیل ملک، ابو الفضل صدیقی، ڈاکٹر وحید قریشی، حفیظ جالندھری، سید ضمیر جعفری، شریف کنجاہی، غلام ربانی آگرو، پریشان خٹک اور بہت سے دوسرے مشاہیر ادب سے ملنے کا موقعہ ملا۔

حسن محمود اقبال...... آپ ایک طویل عرصہ علوم اسلامیہ کی تدریس سے منسلک رہے ہیں اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے مگر یہ المیہ ہے کہ خود اسلام کے نام لیوا بے یقینی کا شکار ہیں۔ آپ کے نزدیک یہ تشکیک و تذبذب چہ معنی وارد؟

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گواہی موجود ہے کہ اسلام کے بنیادی عقائد سادہ اور باآسانی قابل عمل ہیں اور اسلام نہ رسمیات کا مجموعہ ہے نہ مزاج میں صنمیاتی ہے۔ اسلام اپنی اصل میں گویا ایک صحت مند رویہ ہے جو پیغمبر اسلامؐ نے دنیا کے سامنے اپنے قول و فعل سے پیش کیا۔ پھر جیسے جیسے اور جگہ جگہ اسے مجموعہ رسوم و رواج بنایا جاتا رہا اس کی روح متاثر ہوتی رہی اور اسی کا خمیازہ آج ہم بھگت رہے ہیں۔ اسلام میں پریسٹ ہڈ کے لیے بھی کوئی جگہ نہ تھی۔ آج اسے یکسر ایسا ہی بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔ رسول عربیؐ نے فرمایا تھا کہ اگر امت قرآن کے ساتھ وابستہ رہے گی تو اس کا وقار بھی مجروح نہ ہوگا اور یہ منتشر بھی نہ ہوگی قرآن بھی آج فقط جزوان کی زینت رہ گیا ہے۔ اس سب پر مستزاد یہ کہ دنیا اپنی ہمہ جہت ترقیوں میں بہت آگے نکل گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان کے پاس سوائے بے یقینی اور تشکیک کے اور کچھ بھی باقی نہ رہا۔

حسن محمود اقبال...... آپ کے خیال میں وہ کون سے ذرائع ہیں جن کی مدد سے دلوں کو مرکز ایمان وایقان کیا جاسکتا ہے؟

Marfat.com

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... آج اسلام کے اصول سادہ عقائد اور رویوں کی بازیافت ضروری ہے جس کے لیے اللہ کی ذات پر مطلق ایمان، رسول عربیؐ کے سادہ رویوں کا اتباع اور قرآن کی رہنمائی لازم ہیں۔ اس سے فروعیات کی جڑ کٹ سکتی ہے جو دراصل ملت میں انتشار کا باعث ہیں۔

رانا غلام شبیر...... آثار قدیمہ میں آپ کی دلچسپی کے محرکات کیا تھے؟

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... بچپن سے مجھے پرانے سکے جمع کرنے کا شوق تھا۔ جھنگ میں آئے تو میں نے محسوس کیا یہ خطہ ہمارے وطن کی تہذیبی تاریخ کا قابل ذکر امین ہے میرے اندر کی تحقیق پسند طبیعت نے یہ فیصلہ کیا کہ مجھے علاقہ جھنگ کے تاریخی اور تہذیبی رویوں کو علمی انداز میں محفوظ کرنے کی کوشش کرنا چاہیے چنانچہ اب تک مشہور علمی سہ ماہی جریدہ ''صحیفہ'' میں میرے متعدد تحقیقی مقالات شائع ہو چکے ہیں۔ کچھ مقالات کے عنوانات اس طرح سے ہیں۔

1- جھنگ میں لوک ناچ کی روایت 2- جھنگ کے ٹیلوں میں قدیم ترین تہذیبی آثار 3- جھنگ کی لوک داستانیں اور ان کا مزاج 4- جھنگ کی ایک لوک کہانی کی تاریخی اساس 5- ہیر وارث شاہ یونانی صنمیات اور الف لیلہ۔

ڈاکٹر محمد اسلم ضیاء...... ہیر کے بارے میں آپ کی ریسرچ کے اہم نکات کیا ہیں؟

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... جھنگ کے علاقے میں یونانیوں کو رہنے اور یہاں سے گزرنے کا موقعہ ملا ان کے کچھ قبائل مثلاً وینس، لانگ اور جوئیے آج بھی یہاں آباد ہیں۔ سکندر کے جانے کے بعد اس کے نمائندہ جرنیل سلوکس نے کچھ عرصہ یہاں قیام کیا جب چندر گپت موریا کے سامنے اس کی کچھ پیش نہ گئی تو اس نے چندر گپت موریا سے اپنی بیٹی کی شادی کر دی۔ یونانی دیو مالائی نظام میں ایک خوبصورت دیوی کا ذکر ملتا ہے جسے وہ Heer یا Heera کہا کرتے تھے۔ جو خوبصورتی، شادی اور حفاظت کی دیوی سمجھی جاتی تھی۔ وطن سے اتنی دور شاید اس یونانی شہزادی کو کسی ایسی ہی دیوی کا بت اپنے سامنے رکھنا ضروری خیال پاتا تھا قیاس یہ چاہتا ہے کہ اس نے پنجاب میں اپنے مقبوضات میں جو یونانی مندر بنائے ان میں جس دیوی کی خوبصورت تراشی ہوئی مورتیاں

Marfat.com

رکھوائیں وہ یہی دیوی تھی، چنانچہ مقامی باشندوں کے لیے ہیر دیوی کا خوبصورت تراشا ہوا بت آنے والے وقتوں کے لیے بھی گویا خوبصورتی کا ایک استعارہ قرار پایا اور یہ نام اس علاقے میں مانوس قرار پایا۔

رانا غلام شبیر...... مقامی لوک داستان سے اس قیاس کو کیسے مربوط کیا جاسکتا ہے؟

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... ہیر رانجھے کی داستان نیم تاریخی اور نیم رومانی ہے بہت بعد میں ایک مقامی صاحب حیثیت قبیلے میں جب محبت کی ایک داستان لوگوں کے سننے میں آئی تو اس مقامی خوبصورت لڑکی کے اصل نام کو چھپایا گیا اور اظہار کی خوبصورتی کے لیے ہیر کا استعارہ استعمال ہوا جس ٹیلے پر آج اس داستان کے دونوں کرداروں کو مدفون بتایا جاتا ہے کچھ عجیب نہیں کہ یونانیوں کے وقت میں یہاں ہیر دیوی کا مندر ہو جس کے آس پاس آج بھی صرف وینس قبیلہ کے لوگ آباد ہیں۔ پنجاب کاسٹس کا مشہور مصنف ابسٹن (Ibston) واضح لفظوں میں اس قبیلے کو یونانی الاصل قرار دیتا ہے مزید حیرتناک بات یہ ہے کہ قیام پاکستان تک بلکہ اس کے کچھ عرصہ بعد تک بھی جب ہر سال مائی ہیر کا میلہ منعقد ہوتا تو وینس قبیلے کے لوگ میلے میں تیر کمان بنا کر فروخت کیا کرتے تھے جس کی ان کے پاس کوئی توجیہ نہ تھی۔ وہ صرف یہی کہا کرتے تھے کہ یہ سلسلہ ہمارے اجداد کی طرف سے صدیوں سے جاری ہے عشق کا یہ اظہار بھی خالصتاً یونانی ہے پھر 1973ء میں پشاور کے محکمہ آثار قدیمہ کی ایک ٹیم نے ٹیلے کے نیچے فصیل کی اینٹیں نکال کر جب ان کا تجزیہ کیا تو ان کی عمر سوا دو ہزار سال بتائی گئی جو یونانیوں کی آمد کی عمر ہے۔

ڈاکٹر محمد اسلم ضیاء...... لیکن بلال زبیری تو ہیر کو ولی قرار دیتا ہے؟

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... جہاں تک ایک مقامی صاحب اثر قبیلے کے ہاں ایک لڑکی اور تخت ہزارے سے آنے والے ایک نوجوان کی محبت کا تعلق ہے وہ اپنی ذات میں ایک کہانی ہے جو قدیم مختصر آبادیوں میں چار صدیاں پہلے افشا ہونے والا ایک انوکھا واقعہ سمجھا گیا اسے جھنگ کے مقامی ہندو شاعر دمودر سے لے کر آج تک کم و بیش چھ درجن پنجابی اور فارسی شاعروں نے اپنے اپنے انداز میں نظم کیا ہے ظاہر ہے جب کوئی بات شاعر کے ہاتھ آجاتی ہے تو وہ بڑھا بھی دیتے

Marfat.com

ہیں کچھ زیب داستان کے لیے۔ تاہم کچھ بعید نہیں کہ اس کہانی کے کردار عمر کے آخری حصے میں توبہ تائب ہو کر مختلف ڈھب میں زندگی بسر کرنے لگے ہوں۔

حسن محمود اقبال...... کہا جاتا ہے رانجھا ہیر کا مرید تھا؟

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... جہاں تک خاتون کردار کو ولی ثابت کرنے کی باتیں کی جاتی ہیں یہ ایک طرح کی آڑ مہیا کی جاتی ہے اس قبیلے کی عزت و حرمت کو تحفظ دینے کے لیے عمر کے ایک حصے کو پہنچ کر کہانی کا جو کردار زندہ رہ گیا وہ توبہ کی کیفیت سے گزر کر ممکن ہے کوئی روحانی حیثیت اختیار کر گیا ہو یہ کہانی ایک نیم تاریخی حیثیت رکھتی ہے اور بعید الوقوع نہیں ہے۔ وارث شاہ کی کہانی میں البتہ ہیر کا وجود ہیرو اور رانجھے کا ہیروئن دکھائی دیتا ہے۔ یہ ایک نفسیاتی بات ہے ان معنوں میں رانجھا واقعی ہیر کے سامنے مریدانہ انداز رکھتا ہے۔

رانا غلام شبیر...... آپ کی کتنی کتب شائع ہو چکی ہیں اور کونسی زیر طبع ہیں؟

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... میری پانچ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں 1- قیام پاکستان کا تاریخی اور تہذیبی پس منظر 2- افکار اقبال 3- قائداعظم کی شگفتہ مزاجی 4- حضور دی حیاتی اور 5- ساڈی سوہنی دھرتی، چھٹی کتاب غالب کی نفسیات غم اس وقت زیر اشاعت ہے۔ اس کے علاوہ سیرت النبیؐ پر اپنے مقالات جمع کر رہا ہوں اور جھنگ نامہ کے عنوان سے علاقہ جھنگ پر اپنی ساری تحقیقات کو مرتب کر رہا ہوں۔

رانا غلام شبیر...... گورنمنٹ کالج جھنگ میں قیام کے دوران میں آپ کن رفقائے کار سے متاثر ہوئے؟

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... جھنگ میں مجھے ستائیس برس گزارنے کا موقعہ ملا۔ بحیثیت لیکچرار، بحیثیت اسسٹنٹ پروفیسر، بحیثیت پروفیسر اور اب گذشتہ چار برس سے بحیثیت سربراہ ادارہ۔ مجھے اپنے رفقا میں سے پروفیسر محمد حیات خان سیال، پروفیسر خلیل اللہ خان، پروفیسر عبدالباری عباسی، سید حسن عباس کاظمی، چودھری محمد یعقوب، پروفیسر محمد اسلم (شعبہ انگریزی ادب) ہمیشہ یاد رہے ہیں۔ اپنے تقویٰ اور پیشہ سے لگن کے اعتبار سے میں پروفیسر ملک محمد یار کو کبھی نہیں بھول سکتا۔ یہ

Marfat.com

صاحب علم اور مخلص لوگ صحیح معنوں میں پروفیسر تھے۔ پرنسپل صاحبان میں سے پروفیسر نصیرالدین قریشی، بہت وضع دار، دیندار کم گو اور شریف آدمی تھے۔ باقاعدہ نماز ادا کرتے تھے۔ ریاضی کے پرانی وضع کے استاد تھے۔ ٹینس کے عمدہ کھلاڑی تھے۔ پروفیسر محمد عبدالسعید جو بعد میں D-P-I ہوئے ان کی دیانت، امانت، علم، خوش پوشی اور انتظامی صلاحیتوں سے ہمیشہ متاثر رہا۔ پروفیسر تقی الدین انجم علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی شاندار روایات کے امین تھے۔ رشید احمد صدیقی کے شاگرد اردو زبان اسلام اور پاکستان سے بے انتہا محبت کرنے والے اور شاعری کا ایک نہایت درجہ صاف ستھرا ذوق رکھنے والے پرنسپل تھے۔ پروفیسر عبدالستار چاولہ مرحوم کو میں نے ایک خلیق، وضع دار، دکھ درد میں کام آنے والا اعلیٰ منتظم نگران سب باتوں سے بڑھ کر ایک ولی اللہ پایا وہ اپنے دبدبے کے باوجود ایک منے ہوئے انسان تھے۔

رانا غلام شبیر...... بحثیت پرنسپل آپ نے کن امور پر توجہ دی اور کیا ترجیحات متعین کیں؟

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... بحثیت پرنسپل مجھے اپنے اس محبوب ادارے کی کمان سنبھالے چار برس ہو چکے ہیں ان چار برسوں میں محض اللہ کی دی ہوئی توفیق سے مجھے کچھ ترقیاتی کام کرنے کا موقعہ ملا میں نے بڑی تگ و دو کے بعد پوسٹ گریجوایٹ بلاک کے لیے ساڑھے انیس لاکھ روپے کی رقم منظور کرانے کے بعد سر پر کھڑے ہو کر چند ماہ میں عظیم الشان ایم ایس سی بلاک تعمیر کرایا پچھلے تریسٹھ برس سے کالج کے اندر پرنسپل کے لیے کوئی رہائش گاہ نہیں تھی اس کے لیے رقم منظور کرائی اور ایک باوقار رہائش گاہ تعمیر کرانے میں کامیاب ہوا۔ کالج کیمپس کے اندر ضروریات کے پیش نظر آٹھ کلاس روم تعمیر کرائے۔ نفسیات، شماریات اور ریاضیات کے مضامین کا ایم ایس سی سطح پر بڑے کٹھن حالات میں پنجاب یونیورسٹی کے ساتھ شعبہ جاتی الحاق کرایا اور ابھی اس برس انگریزی ادبیات میں ایم اے کی کلاسز کا اجرا کیا۔ کالج میں ہاکی گراؤنڈ کو بین الاقوامی پیمائش کے خوبصورت میدان میں تبدیل کیا کالج کے ساتھ ملحق ہندو متروکہ املاک میں سے پچاس کنال زمین حکومت پنجاب کے ذریعے وفاقی حکومت سے خرید کرنے میں کامیاب ہوا اس میں کچھ شک نہیں کہ ان ساری باتوں میں میرے ساتھ جن ہستیوں کی معاونت رہی وہ جناب مہر جیون خان صاحب

Marfat.com

ایڈیشنل چیف سیکرٹری حکومت پنجاب اور جناب سید اسد علی شاہ صاحب سینئر ممبر ریونیو بورڈ پنجاب ہیں۔ برس کے برس ادبی مجلہ کاروان شائع ہو رہا ہے۔ سہ ماہی کالج نامہ شائع ہوتا ہے۔ فیصل آباد بورڈ کے انٹرمیڈیٹ امتحانات میں ہر سال ہر فیکلٹی میں سے ایک سے زیادہ بچے اول، دوم اور سوم آ رہے ہیں۔ بورڈ اور یونیورسٹی کی طرح پر کالج کا نتیجہ ضرور ایسا رہا ہے کہ اس پر ہم فخر کر سکتے ہیں۔ ایم ایس سی کے تمام شعبوں میں طلباء نے اچھی ڈویژنیں حاصل کی ہیں کھیل کے میدان میں ہمارا اتھلیٹ پنجاب یونیورسٹی میں اول قرار پا چکا ہے۔ بورڈ کی چند ایک کھیلوں میں ہم چیمپئن رہے ہیں۔ یونیورسٹی کے مقابلہ جات میں کھلاڑیوں نے متعدد انفرادی انعامات حاصل کیے ہیں تقریری مقابلوں اور مباحثوں میں طلبا نے ان گنت انعامات اور ٹرافیاں حاصل کی ہیں ان ساری کامیابیوں کو میں محض اللہ تعالیٰ کا فضل قرار دیتا ہوں اور شاید انہی ساری باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ضلعی انتظامیہ نے مجھے 1990ء کے ساندل ایوارڈ کے سلسلے میں علاقے کا بہترین پرنسپل قرار دیا اور مجھے ساندل ایوارڈ کی شیلڈ عطا کی ہے۔ میری ان کوششوں میں میرے رفقاء کا تعاون میرا فخر ہے۔

پینل انٹرویو...... آپ کو ہماری جانب اور تمام ادارے کی جانب سے دلی مبارکباد۔

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... بہت بہت شکریہ الحمدللہ۔

حسن محمود اقبال...... اپنے تدریسی انداز کے بارے میں کچھ ارشاد فرمائیں کیا آپ اپنے پیشے سے مطمئن ہیں؟

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... میرا اپنا ایک تعلیم دینے کا انداز رہا ہے میں نے شروع ہی سے معلمی کو سوچ سمجھ کر اختیار کیا مجھے کبھی گلہ نہیں ہوا کہ مجھے حالات یہاں لائے۔ میں اس طرف آنا چاہتا تھا۔ یہ پیشہ میرے مزاج کے مطابق ہے اور اسی چیز نے مجھے ایک اپنا انداز تعلیم و تربیت بخشا چنانچہ میں ہمیشہ ایک کامیاب استاد سمجھا گیا۔

حسن محمود اقبال...... درس و تدریس کے حوالے سے نوجوان نسل کے ساتھ ایک دیرینہ رشتہ کی بناء پر آپ کی رائے وزن رکھتی ہے آپ کے نزدیک اس وقت نوجوانوں کا سب سے اہم مسئلہ کیا ہے؟ اور آپ اس کے لیے کیا حل تجویز کرتے ہیں؟

Marfat.com

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... میرے نزدیک آج بھی ہمیشہ کی طرح ایک باوقار اور محفوظ مستقبل تک رسائی ہی ہمارے نوجوان کا ترجیحاً اہم مسئلہ ہے۔ وہ محنت بھی کرنا جانتا ہے۔ ان صلاحیتوں کا اظہار بھی مناسبت کے ساتھ کر سکتا ہے وہ یہ بھی اچھی طرح جانتا ہے کہ والدین اور اساتذہ کا ادب اور احترام کیا معنی رکھتے ہیں۔ وقت آنے پر ایثار اور قربانی کے جوہر بھی دکھا سکتا ہے لیکن جب اسے اپنا مستقبل دھندلایا ہوا دکھائی دیتا ہے تو وہ ذہنی انتشار میں مبتلا ہو کر بجا طور پر جھنجھلا جاتا ہے۔ اسے میں ان کا ہاتھ تھامنے والے مفاد پرست سیاسی رویئے اسے ایسے سبز باغ دکھاتے ہیں جن کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہوتا نتیجتاً وہ پٹڑی سے اتر جاتا ہے اسے راہ راست پر رکھنے کے لیے اس کے بڑوں کو جن میں عناں گیر سیاسی رہنما، استاد اور والدین تینوں شامل ہیں قومی بقا کی خاطر ہمہ جہت درست منصوبہ بندی کر کے نوجوان نسل کو درست راستوں پر رواں کرنا ہے ایسا نہ ہوگا تو بات بگڑتی چلی جائے گی۔

رانا غلام شبیر...... اپنی گھریلو زندگی کے متعلق کچھ بتانا آپ پسند فرمائیں گے؟

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... نصرت میری اہلیہ ہیں۔ ہمارے والدین نے 1962ء میں یہ شادی ترتیب دی انہوں نے گورنمنٹ کالج برائے خواتین ملتان سے تعلیم حاصل کی میری بیوی میرے لیے ایک مثالی ساتھی ثابت ہوئیں۔ انہوں نے میرے لیے بڑی قربانیاں دیں۔ صبر، اخلاص وفاداری اور بے پناہ محبت ایسا محسوس ہوتا ہے ہم جنم جنم کے ساتھی ہیں چار جگر پارے ہیں دو بیٹے اور دو بیٹیاں۔ ہماری قلیل آمدنی میں ایک سگھڑ پن سے انہوں نے گھر کی ضروریات پوری کیں۔ اپنی خواہشات کو تج کر بچوں کو احساس محرومی نہیں ہونے دیا میری بیوی کو خوش سلیقگی نے مجھے کبھی مقروض نہیں ہونے دیا بچوں کی تربیت میں انہوں نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی ایک بیٹی کی شادی ہو چکی ہے۔ ایک بیٹی نے پنجاب یونیورسٹی سے اطلاقی نفسیات میں ایس ایس سی کیا ہے۔ بڑا بیٹا ٹیکسٹائل انجینئر ہے۔ چھوٹا بیٹا بحیثیت کیڈٹ آرمی میں ہے۔ پرسکون، مطمئن اور مسرور زندگی بسر کر رہا ہوں۔ اہلیہ کے بارے یہ بھی کہوں گا کہ اک شاخ گل کہ دامن دل سے لپٹ گئی۔

ڈاکٹر محمد اسلم ضیاء...... بعد کے زمانے میں آپ کن کتابوں سے متاثر ہوئے؟

Marfat.com

پروفیسر سمیع اللہ قریشی......دیوان غالب (اردو) ہمیشہ میرے زیر مطالعہ رہا ان غزلوں نے مجھ پر ادبیات اور شعریات کے خزینوں کے دروازے کھولے ہیں۔غالب اسلام کے فنیات کے شعبے میں ادبیات کی سطح پر ایک استعارہ ہے غالب کی شعری لغت میں لفظوں کی تعداد تین چار سو کے درمیان ہے کتنا بڑا معجزہ ہے کہ ان محدود لفظوں کے حوالے سے وہ جو سرمایہ فکر اور شعری زبان دیتا ہے وہ آج تک کوئی دوسرا شاعر اتنے تھوڑے سرمائیے سے نہ دے سکا مثلاً آئینہ ایک لفظ ہے جسے غالب نے ان گنت معنوں میں برتا ہے غالب کے ہاں ایک ایک لفظ کی کئی کئی پرتیں کھلتی ہیں۔عقل گم ہو جاتی ہے۔شاندار شاعری اور مختصر لغت غالب کا کمال ہے۔اقبالؒ کے خطبات سے بھی میں بہت متاثر ہوا ہوں۔ان میں وہ راستہ بتایا گیا ہے جس پر چل کر صاحب علم آدمی عصری چیلنج کا سامنا کر سکتا ہے۔

رانا غلام شبیر......عصری چیلنج کی نوعیت کیا ہے؟

پروفیسر سمیع اللہ قریشی......عصری چیلنج میں انسان کے سکون کی بازیافت آج کا بنیادی مسئلہ ہے۔

حضور دہر میں آسودگی نہیں ملتی
تلاش میں ہوں مگر زندگی نہیں ملتی

ڈاکٹر محمد اسلم ضیاء......خطبات کی زبان مشکل ہے اور نذیر نیازی کا ترجمہ بھی عام فہم نہیں اس کا سبب کیا ہے؟

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... جو بات ان میں کہی گئی ہے اس کے لیے یہی لب ولہجہ موزوں ہے سہل ممتنع مناسب نہیں اقبالؒ کی سطح تک پہنچنا ہوگا نہ کہ اقبال کو اپنی سطح پر لانے کی کوشش کریں۔

رانا غلام شبیر......ناول سے بھی آپ کی دلچسپی ہے؟

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... یورپی ادب میں ہارڈی سے بہت متاثر ہوا ہوں وہ ناولوں میں انسان کی بنیادی نفسیات کے بہت قریب ہے۔وہ غم کو وسیع تر معنوں میں لایا ہے وہاں غم کا مفہوم دکھ سے بڑھ کر ہے۔قرۃ العین حیدر کو اردو زبان صدیوں تک فراموش نہ کر سکے گی وہ مکمل ناول نگار

Marfat.com

ہے۔

رانا غلام شبیر......اس میں ان کے والد اور ماں کا ابھی اثر ہے؟

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... بلاشبہ اس میں سید سجاد حیدر یلدرم اور نذر سجاد حیدر کی تربیت کا بھی حصہ ہے لیکن وہ اپنے موروثی ادبی مقام سے بہت آگے بڑھ گئی ہیں۔ وہ اپنی شناخت آپ ہیں۔ تہذیبی، جغرافیائی اور تاریخی شعور کو مملو کر کے اس طرح پیش کرتی ہیں کہ ان کا ناول باطن میں وقت کا بہاؤ لیے افق ادب پر خوش اسلوبی سے طلوع ہوتا ہے۔ وہ گوتم بدھ کے عہد کو قیام پاکستان کے بعد کے زمانے سے منسلک کر دیتی ہیں اتنے وسیع زمانے کو سمیٹ کر ناول لکھنا بہت مشکل ہے مگر قراۃ العین حیدر نے اسے سہل بنا دیا ہے۔

رانا غلام شبیر......قرۃ العین حیدر کے ادبی مقام کے بارے میں کچھ حلقوں میں اختلاف آرا کی کیفیت ہے؟

پروفیسر سمیع اللہ قریشی......ہم حقائق پر جذبات کو اس قدر ترجیح دیتے ہیں کہ اس سے مثبت نتائج نکلنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ہمیں تاریخ، تہذیب اور ثقافت کا تصور جذباتیت کو ایک طرف رکھ کر پیدا کرنا چاہیے ایسا نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ہم مطالعہ کے عادی نہیں رہے۔ بہت سطحی باتوں کو ہم بڑی باتیں جانتے ہیں جو ایک غلط رویہ ہے۔

ڈاکٹر محمد اسلم ضیاء......ڈاکٹر وزیر آغا کی اراضی اور ثقافتی تحریک کے بارے میں کچھ ارشاد فرمائیں؟

پروفیسر سمیع اللہ قریشی......وزیر آغا نے دھرتی کے رشتوں کو ایک مثبت شکل میں ہمارے سامنے رکھنے کی کوشش کی ہے اصولاً یہ کوشش کوئی غلط کوشش نہیں ہے مثلاً آج میں کہوں کہ پانچ ہزار سال پہلے میں دراوڑ تھا کوئی ایک ہزار برس پہلے مجھے اسلام کی نعمت عطا ہوئی کوئی بیالیس برس قبل میں پاکستانیت کے ذائقے سے آشنا ہو ہم تاریخی شعور کی رو کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ قرآن بھی تو کہتا ہے کہ دنیا کو چل پھر کر دیکھو اور قرآن میں مٹی ہوئی تہذیبوں کا ذکر ہے۔ دھرتی کے سارے نئے پرانے رشتے اپنی مجموعی معنویت رکھتے ہیں۔

Marfat.com

ڈاکٹر محمد اسلم ضیاء...... کچھ کلاسیکی ادب کا بھی ذکر ہو جائے؟

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... عربی میں جاہلیت کے زمانے کی شاعری نے مجھے ہمیشہ متاثر کیا ہے۔ معلقات اور حماسہ میرے زیر مطالعہ رہے۔ فارسی میں حافظ نے مجھے اپنی دھیمی رومانی آنچ، مترنم، بحروں اور دل میں اترنے والے لہجے سے متاثر کیا۔ پنجابی میں حضرت خواجہ غلام فرید کی کافیاں کچھ اس انداز میں کہی گئی ہیں کہ جغرافیائی اور تہذیبی منظر سامنے آ گیا ہے خواجہ غلام فرید نے آسمان اور زمین کو ہم رشتہ کر دیا ہے ان کے ہاں روہی کا صحرا گفتگو کرتا محسوس ہوتا ہے۔ وارث شاہ اور میاں محمد بخش پنجاب کے تہذیبی رویوں کو اپنے شعروں میں سمیٹ لیتے ہیں انہیں پنجاب کے ریکارڈ کیپر کہا جا سکتا ہے۔ شاہ حسین مذاہب کی تقسیم سے بے نیاز ہو کر اپنے انسان دوست رویے کا اعلان کرتے ہیں جبکہ سلطان باہوؒ خاص اسلامی تصوف کے پیرائے میں بات کرتے ہیں اور ساتھ ہی انسانی انا کو مجروح ہونے نہیں دیتے۔

ڈاکٹر محمد اسلم ضیاء...... مذاہب کی تقسیم سے بے نیاز ہو جانا کیا تصوف کا غیر اسلامی عنصر نہیں ہے؟

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... شاہ حسین کا زمانہ بھگتی لہر کے زمانے کے قریب کا زمانہ ہے نانک، بھگت کبیر اور شاہ حسین گویا ہم عصر ہیں شاید اس کے کچھ اثرات ہوں بہر حال یہ رویہ بھی اپنی طرز کا ایک تصوف ہے۔

رانا غلام شبیر...... حضرت سلطان باہوؒ کے حوالے سے یاد آیا کہ جھنگ میں اس نام سے ایک ادبی تنظیم بھی قائم ہوئی تھی۔

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... کافی پرانی بات ہے میرے گھر پر شیر افضل جعفری، حنیف باوا اور خیر الدین انصاری آئے اور ہم نے مجلس باہوؒ تشکیل دی مجھے نہیں معلوم کہ کس طرح یہ سلسلہ تعطل کا شکار ہو گیا اب اسی قسم کی ایک تنظیم ہم سے بہتر ممتاز بلوچ چلا رہے ہیں پچھلے سال اس کے تحت سلطان باہوؒ عالمی کانفرنس ہوئی اور کئی بین الاقوامی شخصیات نے شرکت کی جھنگ کے ایک سپوت اور اب بھارت کے شہری اور ممتاز دانشور ڈاکٹر اجیت سنگھ سکہ بھی آئے تھے اب اس سال بھی ان کا

Marfat.com

پروگرام ہے کہ عالمی کانفرنس کا انعقاد ہو۔

ڈاکٹر محمد اسلم ضیاء...... جعفر طاہر اور مجید امجد نے ہیئت کے جو تجربات کیے ان کے بارے میں آپ کیا محسوس کرتے ہیں؟

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... جعفر طاہر نے کینٹوز میں کمال کر دکھایا ہفت کشور کو پہلا آدم جی انعام ملا ان کی 'ہفت آسمان'' کا مسودہ میں نے پڑھا تھا لیکن وہ شائع نہ ہو سکی خدا جانے اب وہ کہاں ہے وہ قادر الکلام شاعر تھے۔ مجید امجد سے تین بار ملاقات ہوئی۔ مجید امجد کی نظم کی شاعری اردو ادب میں بلا کی چیز ہے شب رفتہ اور شب رفتہ کے بعد وہ شاعری کی کمال کی سطح پر بیٹھے ہوئے نظر آتے ہیں: ایک سے ایک ہیرا اس زمین نے پیدا کیا ہے آنے والا کل یہ ثابت کر دے گا کہ وہ گنتی کے دو تین شاعر جو غالب کے بعد پیدا ہوئے ہیں مجید امجد ان میں سے ایک ہیں۔ وہ اپنے فن کی چمٹی سے معمولی چیز اٹھا کر اسے وہ مفہوم عطا کر دیتے ہیں جو سان گمان میں بھی نہیں ہوتا مثلاً ''جاروب کش'' مقبرہ جہانگیر آٹو گراف۔

رانا غلام شبیر...... اردو زبان میں پنجابی الفاظ کے استعمال کا تجربہ کیا اہمیت رکھتا ہے؟

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... یہ تجربہ شیر افضل جعفری نے کیا۔ انہوں نے اردو شاعری کو نیا مزاج عطا کیا اور مقامی لفظوں کو اردو میں کامیابی سے استعمال کیا۔

رانا غلام شبیر...... صاحب زادہ رفعت سلطان کے فن کے بارے میں کچھ ارشاد فرمائیں۔

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... اس عہد میں صاحب زادہ رفعت سلطان سہل ممتنع کے بادشاہ ہیں۔ ایمن کی شاعری میں وہ اپنے عروج پر نظر آتے ہیں۔ انہوں نے بے ساختگی کے ساتھ ایسے الفاظ استعمال کیے جو بالطبع مترنم ہیں۔

ڈاکٹر محمد اسلم ضیاء...... تنقید کے حوالے سے کچھ فرمائیے۔

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... ممتاز شیریں نے تنقید میں معیار دیا وہ بہت پڑھی لکھی تھیں یورپی ادبیات تک ان کی براہ راست رسائی تھی ان کا انداز مدرسانہ نہیں بلکہ نقادانہ ہے ''معیار'' اور ''تکنیک کا تنوع'' صدیوں یاد رہے گا۔ جیلانی کامران بڑی مہارت سے پاکستانیت اور اسلام کا

Marfat.com

تہذیبی رخ اور ادبیات کی روح اپنے جلو میں لے کر چلتے ہیں۔

رانا غلام شبیر...... افسانے کے حوالے سے آپ کا تجزیہ کیا ہے؟

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... یورپی حوالے سے موپساں کو میں نے عہد جوانی میں خوب پڑھا ہمارے ہاں اس کی مثال منٹو ہے۔ احمد ندیم قاسمی متنوع شخصیت ہیں مگر ان کے افسانے پر بہت کم لکھا گیا ہے۔

ڈاکٹر محمد اسلم ضیاء...... افسانے کا کوئی نقاد وقار عظیم کے بعد ہے؟

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... اس پائے کا نقاد ابھی تک کوئی نہیں۔

ڈاکٹر محمد اسلم ضیاء...... اس وقت اردو ادب میں احمد ندیم قاسمی کے بعد بڑا شاعر کون ہے؟

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... یہ فیصلہ سہل انسان نہیں وقت کیا کرتا ہے۔

ڈاکٹر محمد اسلم ضیاء...... معاصر شعراء کے بارے میں آپ کے تاثرات کیا ہیں؟

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... 1969ء میں فیض احمد فیض جھنگ آئے پریس کلب میں ایک نشست ہوئی تقی الدین انجم، صفدر سلیم سیال، عبدالباری عباسی اور اسلم صاحب موجود تھے خاصی گفتگو ہوئی اس موقعہ کی یادگار تصویر بھی موجود ہے انسان پر ہونے والے ظلم کا میں ہمیشہ مخالف رہا ہوں۔ فیض کی شاعری سے میرا اسی حوالے سے رشتہ استوار ہوا اور مجھے ایسی ہی شاعری پسند ہے۔ ہم ان کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ مصطفیٰ زیدی اول و آخر شاعر تھا۔ ن۔م راشد ایک باوقار شاعر تھے اور لفظ کی حرمت کو پہچانتے تھے۔ ناصر کاظمی اردو شاعری کے سنگ میل ہیں شاعروں کے قافلے میں ان کی آواز کونج کی آواز ہے۔ منیر نیازی اپنی شناخت آپ ہیں اپنی وضع کردہ دنیا میں گم ہیں۔ قتیل شفائی بڑے خوبصورت انداز میں گیت کو غزل کا وقار دیتے ہیں اور غزل کو گیت کا روپ عطا کرتے ہیں۔

رانا غلام شبیر...... ادبی رسائل کے سلسلے میں آپ نے ادب لطیف کا ذکر فرمایا تھا۔

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... جب ادب لطیف مرزا ادیب کی ادارت میں نکلتا تھا تو میری ایک دو غزلیں اس میں شائع ہوئی تھیں۔ مرزا ادیب اور ممتاز مفتی وہ ادیب ہیں جن کا ادبی سفر

Marfat.com

نصف صدی سے زائد عرصے پر محیط ہے جب میں چوتھی جماعت میں پڑھتا تھا تو میں نے ادب لطیف پڑھنا شروع کیا دراصل بھلے وقتوں میں وہی دیر تک ایک خاص ادبی مجلہ ہوا کرتا تھا میں اس کی خوشبو نہیں بھولتا۔

حسن محمود اقبال ...... کیا کھویا...... کیا پایا؟

پروفیسر سمیع اللہ قریشی ...... کھویا کچھ نہیں زندگی میرے لیے نعمت رہی ہے۔ ایک لمحہ کے لیے بھی مایوس نہیں ہوا میں نے اپنے دوستوں، بزرگوں، احباب حتیٰ کہ اپنے بچوں سے بھی کھلے دل سے سیکھا ہے۔

حسن محمود اقبال ...... طلبہ کے لیے کوئی پیغام؟

پروفیسر سمیع اللہ قریشی ...... میرے عزیزو! آڑے وقت میں بھی اپنے حواس پر قابو رکھو جوش کو ہوش پر غالب نہ آنے دو۔ پاکستان سے محبت ہر حالت میں ہر جگہ اور ہر آن تمہارے پیش نظر رہنی چاہیے۔ انسانیت کو ہر دوسری بات پر ترجیح دو ہر وہ رسم اور روایت اور عقیدہ جو انسانیت کی تباہی کا باعث بنتا ہے اس سے اپنے آپ کو الگ کرلو۔ قوم کے وسیع تر مفاد پر اپنے ذاتی فائدے کو کبھی ترجیح نہ دو اللہ تعالیٰ با نصیب اور باوقار زندگی بسر کرنے کی توفیق دے نیک بنو اور ایک بنو۔

پینل انٹرویو...... جناب والا ہم نے آپ کا بہت قیمتی وقت لیا اور کافی طویل گفتگو کی۔ آپ کا شکریہ۔

پروفیسر سمیع اللہ قریشی ...... آپ کا شکریہ۔

مجلہ کاروان 2 دسمبر 1990ء

Marfat.com

خطبہ عطائے اسناد و تقسیم انعامات گورنمنٹ کالج برائے خواتین لیہ

پروفیسر سمیع اللہ قریشی

ناظم تعلیمات (کالجز) ڈیرہ غازیخان ڈویژن 29 نومبر 1994ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

محترمہ پرنسپل صاحبہ، ارکان سٹاف، ڈگری یافتہ سابق طالبات کالج، مہمان خواتین و حضرات اور عزیز طالبات!

سلامتی، رحمتیں اور برکات ہوں۔ آپ سب پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے، میرے لیے اپنی ڈویژن کے اس ضلعی صدر مقام کے کالج برائے خواتین کے جلسہ عطائے اسناد و تقسیم انعامات میں شریک ہونا اور خطبہ صدارت پیش کرنا واقعتاً میری علمی، انتظامی اور معلمانہ زندگی کا ایک یادگار واقعہ ہے۔ آپ نے کمال احساس و مروت اور محبت کے ساتھ مجھے اس خوبصورت موقع پر مدعو فرمایا ہے۔ اس عزت افزائی کے لیے آپ کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔

چناب اور سندھ دریاؤں کے مابین زمانوں سے آباد اس پرانے شہر لیہ کی میرے دل میں ہمیشہ سے ایک خاص قدر و قیمت رہی جس کے باسی انگریزوں کے خلاف باقاعدہ سینہ سپر ہوئے۔ 1857ء کی جدوجہد آزادی سے بھی دس برس قبل جب دیوان مول راج نے ملتان میں انگریزوں کی اطاعت قبول کر لی تھی دراصل مجھے وڑہ گشکوری کا معرکہ یاد آتا ہے اور یہ کوئی ایسی بات نہیں جسے آسانی سے نظر انداز کر دیا جائے پھر وہ اجداد بھی یقیناً اہل نظر ہی تھے۔ جنہوں نے پنجاب کے اس ویرانے کو جسے آج بھی تھل کہا جاتا ہے۔ سبزہ زاروں میں تبدیل کرنے کی جانکاہ کوششوں میں اپنا خون پسینہ ایک کیا ہوگا اور اس دھرتی سے میٹھے پانی کے دھارے نکال کر رواں کر دکھائے ہوں

Marfat.com

گے۔اب اس شہر اور ضلع کے زنانہ اور مردانہ کالج جو بہ حیثیت ناظم تعلیم میری انتظامی محل داری میں ہیں اور جہاں سال بھر سے زیادہ عرصہ ہونے کو آیا ہے۔ میں وقتاً فوقتاً پہنچتا رہا ہوں اور یہاں کے لوگوں کی خوشحالی، محنت اور مروتیں دیکھ کر خوش ہوا ہوں۔ یہاں کے تعلیمی اداروں میں اساتذہ، طلباء اور طالبات یں حصول علم کی لگن اور دھن نے مجھے بہت مطمئن کیا ہے۔تھل کے پھیلے ہوئے صحرا میں جہاں ریت سبزے کے تلے گم ہو رہی ہے وہاں جہالت کے اندھیرے علم کے روز افزوں اجالوں سے چھٹ رہے ہیں اور یہ سارا عمل کس قدر مسرت بخش ہے۔

محترمہ پرنسپل صاحبہ! میں نے جب بھی آپ کے کیمپس میں قدم رکھا میں نے طالبات کو مصروف تحصیل علوم پایا۔خود آپ اور آپ کی رفقائے کار کو اپنے فرائض منصبی بطریق احسن ادا کرتے دیکھا۔ممکن حد تک انتہائی لگن کے ساتھ آپ نے اپنے ادارے کو صاف ستھرا اور ہرا بھرا رکھنے کی کوشش کی ہے۔آپ سب کے اس مثبت زندگی آمیز اور زندگی آموز رویے کی تحسین کرنا میرا فرض ٹھہرتا ہے۔ میں اس لمحے یوں بھی خوش ہوتا ہوں کہ کھیل کے میدان اور امتحانات کے نتائج جو ہمارے سامنے اس ادارے کے حوالے سے پیش کیے گئے ہیں وہ صحرا میں کھلنے والے خوش رنگ پھولوں کی مانند ہیں کہ مشام جاں کو معطر کیے دیتے ہیں۔ مجھے آپ کی ان ساری فتوحات پہ فخر ہے۔ آپ نے اپنے انصرام اور انتظام کی حسن و خوبی سے علمی ترقیوں اور رویوں کی خوبصورتیوں کی ایک مثال سامنے رکھ دی ہے۔ میں مبارکباد عرض کرتا ہوں۔

خواتین و حضرات اب کسی ایسے معاشرے کو خیال میں لانا جہاں عورت کے ناک میں نکیل ڈال کر مردوں کا اسے اپنے پیچھے پیچھے چلانا محض عبث ہے وقت آگے کی جانب رواں ہے ویسے تو حکیم افلاطون نے ہزاروں سال پہلے ہی اپنی مثالی ریاست میں حکمرانی کی تربیت پانے کے لیے عورتوں کا حق مردوں کے برابر قرار دیا تھا اور یہ بات تو نہ بھولنے کی ہے کہ پیغمبر اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے واضح لفظوں میں یہ اصول امت مسلمہ کو بخشا ہے کہ حصول علم عورت اور مرد دونوں پر برابر فرض ہے چنانچہ آج جو طالبات ڈگری یافتہ قرار پا کر زندگی کے میدان میں کہیں نہ کہیں مصروف عمل ہو چکی ہیں وہ گویا ملکی اور ملی زندگی میں اپنی کارکردگی اور محنتوں کا برابر کا صلہ حاصل کرنے کے لیے آزاد ہیں یہی نہیں بلکہ وہ قومی اور اجتماعی امنگوں کے کھیت میں اپنی اپنی صلاحیتوں کے بیج بو رہی ہیں آخر ان پر کیوں فخر نہ کیا جائے۔

Marfat.com

معاشرتی ہیئت میں عورت کا دائرہ عمل کسی قدر مختلف تو ہے مگر کچھ ایسا مختلف بھی نہیں۔ اگر شجاعت، حکمت اور عمل کے مواقع زیادہ تر مردوں کو میسر آتے ہیں تو عفت، شفقت رعنائی کا اظہار عورت کے رویئے میں خاصے کی چیزیں ہیں۔ رہی حصول علم کی بات تو وہ کسی بھی صنف کی جاگیر نہیں ٹھہرتی۔ کیا واقعہ نہیں ہے کہ معاشرے میں آج بھی شائستگی کی امین عام طور پر عورت ہی ہے وہی تو ہماری ہیئت مجلسی کا روایت نواز وجود ہے جس کے خوبصورت رویوں کے تصویر کائنات میں رنگ ابھرتے ہیں۔ میرے لیے کس قدر پر مسرت لمحہ ہے کہ میں آج تہذیب اور شائستگی کے محافظ گروہ کے درمیان ہوں اور ان سے گفتگو کر رہا ہوں۔

عزیز طالبات بالخصوص وہ جو آج حصول سند کا اعزاز حاصل کریں اور بالعموم وہ جو اس درسگاہ میں حصول علم کے عمل میں شریک ہیں۔ ان کے لیے میں بعض امور آج کھل کر آپ کے سامنے رکھنے کی جسارت کر رہا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر میری باتوں میں کچھ بھی وزن ہوگا تو وہ نہ صرف ہمیشہ کے لیے آپ کی یادداشت کا حصہ بن سکیں گی بلکہ آپ انہیں ایک بیٹی ایک بہن ایک ماں اور ایک بیوی کی حیثیت میں موقع اور محل کے مطابق آگے بھی دہرائیں گی اگر ایسا ہوسکا تو میں سمجھوں گا کہ میں جو ایک پرانا استاد ہوں آج بھی زندگی کی وضعدار خوبصورت اور لازوال اقدار پر یقین رکھتا ہوں گویا سرخرو ہوا۔ اس لیے کہ کھلی آنکھوں کے ساتھ دیکھنے اور کشادہ ذہن کے ساتھ سوچنے کی صلاحیت یا خواہش رکھنا ان عظیم انعامات الٰہی میں سے ایک ہے جو جیتے جی انسان کو میسر آسکیں۔

کیا آپ کو یہ بات عجیب نہیں لگتی کہ ہم صرف اپنے بارے میں سوچیں اور صرف اپنے آپ ہی کو کسی محفوظ حصار کی پناہ میں لانا پسند کریں آخر ایسا کیوں ہے کہ ہم دوسروں کے حصے کی مسرتیں اور خوشیاں بھی اپنے حصے میں ڈالنے کی تگ و دو میں زندگیاں گزار دیتے ہیں یہاں تک کہ ذاتی مسرتوں کے حصول کی دوڑ میں دوسروں کو دکھ دیتے ہوئے ہم ایسے مقام پر آ چکے ہیں جہاں کسی کو کسی دوسرے کے دکھ یا سکھ سے کوئی دلچسپی، کوئی رشتہ، کوئی ناطہ ہی نہیں رہا۔ کسی کا غم ہمیں صرف اس لیے اپنا غم محسوس نہیں ہوتا کہ ہمارا اپنا گھر محفوظ ہے۔ ہم بشاش ہیں کہ ہم صدمے کی زد سے باہر ہیں۔ کیا ہم واقعی بے خبر ہیں کہ قدرت کے قانون کی سنگین حقیقت ہم سب کی گھات میں برابر کی نگران ہے۔ کیسے کیسے دکھ ہیں لوگوں کے جنہیں صرف یہ سمجھتے ہوئے نظر انداز کر دیتے ہیں کہ یہ

Marfat.com

دکھ تو دوسروں کے ہیں اور اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ دوسروں کی زندگیاں ہماری زندگیوں میں شامل ہیں اور ان کے دکھ ہمارے دکھوں کا حصہ ہیں۔

ہم نے اپنے دین کی لازوال وضع داریوں اور رواداریوں کو بھی نظر انداز کر رکھا ہے۔ مذہبی تعصب اور عقائد کی شدت نے میدان میں بہتے پانیوں کے سامنے بند باندھ دیئے ہیں مگر لوگ یہ کیوں بھولتے ہیں کہ پانی کی یہ خاصیت بھی ہے کہ وہ تو رخ بدل کر پہلوؤں سے بھی نکل جایا کرتا ہے۔ ایسے رویے کیا اس تعصب اور تنگ نظری کو فروغ نہیں دیں گے جو انسانی ذہن کے تمام دریچوں کو یوں بند کر دیں کہ تازہ ہواؤں کا ایک لطیف اور معطر جھونکا بھی اندر نہ جا سکے۔ کیا افکار تازہ سے جہان تازہ کی نمود روکی جا سکتی ہے۔ کیا محض سنگ و خشت سے نئی دنیاوں کی بنیادیں استوار کی جا سکتی ہیں۔ ماضی پر اعتقاد اور اعتماد کوئی بری بات نہیں مگر ایک سہل رویہ ضرور ہے اور شاید زندگی کے نئے تجربوں اور نئی Dimensions سے خوفزدگی کے مترادف ضرور ہے۔ کیا یہ ظلم نہیں کہ دنیا بھر کے مختلف دانشور مختلف انداز میں دکھ کے ساتھ یہ بات دہراتے رہیں کہ محض تعصبات پر مبنی بے بنیاد مذہبی روایات کے بارے میں آزادانہ اپنے خیالات کا اظہار کرنا عبث محض ہے۔ آخر قلب و نظر کی کشادگی کا کیا مفہوم ہے اور انسان اس کے لیے آج بھی کیوں ترس رہا ہے کیا نت نئے خیالات اور انسانی زندگی کے روز افزوں گوناگوں مظاہر کو صرف اس لیے نظر انداز کر دیا جائے کہ وہ روایات کے پرانے سانچوں میں موزوں نہیں بیٹھتے۔ سوچنے کی بات ہے کہ اگر ایسا ہوتا ہے تو کیا یہ ایک تہذیبی حادثہ بن کر رہ جانے والی بات نہ ہوگی۔ کیا آج جب اکیسویں صدی انسان کے دروازے پر دستک دے رہی ہے۔ نت نئے تجربوں سے اغماض اور ذہنی اعتکاف یا حجرہ نشینی زیادہ دیر تک ممکن بھی رہ سکے گی۔ ذہنی حجروں میں رہ رہ کر ہم نے ان کے دروازے، درزیں، سوراخ، روشن دان، دریچے بڑی احتیاط سے ہر چیز بند کر رکھی ہے۔ ہم انہی حصاروں میں بند ہو کر اپنی عقل، اپنا ایمان، اپنے تعصبات اور خود پرستی اور اپنی اہمیت کی حفاظت کرتے رہتے ہیں اور خوش ہیں کہ ان خود ساختہ قلعوں میں کوئی نقب نہیں لگا سکتا مگر جان لینا چاہیے کہ عہد حاضر میں ان فصیلوں کی کیا وقعت باقی رہ چکی ہے پھر کیوں نہ انہیں اپنے ہاتھوں سے خود ہی گرا دیا جائے۔

خواتین و حضرات! بہرحال اب یہ بات طے ہے کہ ذرائع پیداوار، دولت کی تقسیم میں عدم

Marfat.com

مساوات ہی درحقیقت فرد کی آزادی کے لیے عدم تحفظ کا درجہ رکھتی ہے۔ آخر حصول علم کی خواہش انسان سے کب تک چھینی جاتی رہے گی۔ زندگی کی ہر سطح پر مساوات کے بغیر آزادی کے شعور کی تکمیل ممکن ہی نہیں۔ اب سوچ اور فکر کے زندانوں کے دروازے کھل جانا چاہئیں تاکہ زندگی کی نئی جہتیں واضح ہوکر سامنے آسکیں اور دنیا بھر کے انسان افکار تازہ کی روح سے متمتع ہوسکیں۔

دراصل ہمارے ساتھ بھی ایک عجیب حادثہ ہے۔ ہم تحفظ ذات کا جس قدر لحاظ رکھتے ہیں احتساب ذات سے اسی قدر گریزاں رہتے ہیں چنانچہ یہ رویہ جس قدر غیر متوازن ہے اسی قدر ہماری قومی اور ملی زندگی کی بہتری اور بہبود کی راہ میں بھی حائل ہے۔ فرائض میں فوائد تلاش کرنے کا منفی رجحان اس قدر ہے کہ ہماری مذہبی، ملی، انسانی، قومی ہر سطح پر تیزی سے غالب آرہا ہے۔ میری دانست میں یہ بھی ایک طرح کی غداری کے مترادف ہے اسلام اور پاکستان دونوں کو ہم کچھ عجیب طرح کے غیر صحتمند پیمانوں سے ناپنے کے عادی ہو چکے ہیں مثلاً یہی کہ دونوں میں ایک ربط باہمی تو ہے اور درحقیقت اسلام ہی پاکستان کی ہستی کا جواز بھی ہے مگر یوں بھی ہے کہ وطن عزیز نے ایک قومی اجتماعی تہذیب بھی ورثے میں حاصل کی ہے جو ہندی عرب اور ایرانی اجزاء کے آمیزے سے متشکل ہوتی ہے اور یہ سارے اجزاء اسلام کے روحانی عنصر سے از خود متاثر ہوئے چنانچہ پاکستان کے وجود کی اساس کا ذکر کرتے ہوئے اس مخصوص تہذیبی رویے کو نظر انداز نہیں ہونا چاہیے۔ اسلام کے پیش کردہ آفاقی نظام کی تائید لازم ہے مگر پاکستان کی جغرافیائی حدود اور تاریخی سطح سے بے اعتنائی کچھ ایسا صحتمند رویہ نہ ہوگا۔ تعجب یہ ہے کہ زندہ تہذیبی وابستگی ہم نے عملاً کسی سے بھی نہیں رکھی نہ برصغیر کے قدیم تاریخی ورثے سے نہ اسلام کی آفاقی اقدار سے نہ ہی نظریہ پاکستان سے۔ کیا یہ ایک المیہ اور عظیم حادثہ یا صاف کیوں نہ کہا جائے کہ منافقت پر مبنی رویہ نہیں ہے اگرچہ یہ بھی درست ہے کہ خیالی جہان آباد کر لینا جس قدر آسان ہے تاریخ کے منتشر حقائق کی مدد کو دور سے اپنا مستقبل سنوارنے کی سعی کرنا ایک مشکل امر ہے۔ دوسری قوموں کے جدید ترین انکشافات کی مطابقت اپنے عقائد سے کرتے رہنا اس صدی سے پہلے کے مسلمان علماء اور دانشوروں کا شیوہ تو نہ رہا تھا۔ انسان کی تہذیب نفس اور عمرانی ترقی کا مقصود خرد افروزی کے بغیر کبھی نصیب نہ ہوسکے گا۔ دنیا کے ایک حصہ میں ہم اپنی جگہ زندگی بسر کرنے کے کچھ یوں عادی ہو چکے ہیں کہ دوسرے حصے کی بہت ساری باتیں بھی سننا گوارا نہیں کرتے اور حادثہ یہ ہے کہ دنیا کا وہ حصہ

Marfat.com

جسے ہم اپنا کہتے ہیں اور مشرق جس کا نام رکھتے ہیں روز بروز سکڑتا اور سمٹتا جا رہا ہے۔ پرجوش ذہنی تجسس اور حوصلہ مندی کی مسرت کو مذہبی عقائد کی تعصب اور شدت پسندی جیسے عذاب فنا کر کے رکھ دیتے ہیں۔ صداقت کی بے روک ٹوک جستجو فتووں کی زد میں آ جاتی ہے اور ان پر الحاد اور لامذاہبیت کی مہر لگ جاتی ہے۔ کیا اس انتہا پسندی سے چھٹکارا دلانا تازہ علوم سے مرصع شخص کا فرض نہیں ٹھہرتا۔ کیا یہ ملکی اور ملی بدقسمتی نہ ہو گی کہ مردہ ذہن جاگتے ہوئے ذہنوں پر حکومت کریں۔

خواتین و حضرات! علم و فن کو کفر و ایمان کے معیار پر پرکھنا شاید علمی ناانصافی ہے۔ علوم و فنون کب فاسق و فاجر یا کافر ہوا کرتے ہیں۔ یہ تو نوع انسانی کا مشترکہ سرمایہ ہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ ہدایت کیوں فرماتے کہ دور دراز خطوں میں پہنچ کر بھی تحصیل علم کرو۔ علوم و فنون تو نوع انسانی کو ملک، قوم، رنگ، مذہب یا نظریے کی تفریق کے بغیر لازوال مسرت بخشتے ہیں۔ ایک دائرے میں ایک بات اور دوسرے دائرے میں اس کے بالکل متضاد نقطہ نظر کے اظہار میں ہم کچھ بھی حرج نہیں سمجھتے۔ اپنے اس غلط رویے سے ہم علمی زندگی میں الجھ کر رہ گئے ہیں۔

زندگی تو ایک سفر ہے اور میدان سفر نئے نئے خیالات کو قبول کرنے کے لیے ایک صحتمند ذہن ہمیشہ تیار رہتا ہے۔ جس قدر ایک شخص زیادہ سفر کرتا ہے اسی قدر اس میں اپنے سے مختلف خیالات اور حالات کے لیے رواداری پیدا ہوتی ہے۔ گریز پائی یا علیحدگی یا ذہنی حجرہ نشینی موت کے مترادف ہے۔ یہ بات جیسے ایک فرد کے لیے صحیح ہے ویسے ہی ایک قوم کے لیے بھی درست ہے۔ زندگی کا یہ راز نہیں ہے کہ ہم کہاں جا رہے ہیں بلکہ اصل راز یہ ہے کہ ہمارا سفر کس طرح خوش اسلوبی سے طے ہو سکتا ہے اور کیا ہم اپنے راستے کو پہچانتے ہیں۔ کیا ہمارے سامنے کوئی منزل ہے یا ہمارا سفر ہوا کے جھونکے کی طرح ہے کہ لمحہ بھر میں کہیں سے کہیں نکل گیا۔

محترم خواتین اور طالبات! میں بھی کہیں سے کہیں نکل گیا مگر نہیں میں نے جو کچھ سوچا تھا اسے آپ تک پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ میں نے تو دل کی بات آپ سے کہہ دی ہے۔ اب اسے اپنے دامن فکر سے باندھ کر رکھنا اور اس کی مخلصانہ ترویج چاہنا یہ آپ کی رضا پر موقوف ہے۔ مجھے اعتراف ہے میری گفتگو کسی قدر طویل ہوئی ہے مگر میں کیا کروں کہ

آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

Marfat.com

محترمہ پرنسپل صاحبہ! آپ کے گونا گوں مسائل کا حل بہر حال میری ہی ذمہ داری ہے اور میں اس کے لیے کوشاں ہوں۔ ڈگری یافتگان بچوں کو مبارکباد کہتا ہوں اور ایک اچھے مستقبل کی بشارت کی دعا کرتا ہوں۔ جن بچیوں نے مختلف مضامین میں انعامات حاصل کیے وہ سب ہمارا فخر ہیں۔ اور ہم سب کی مبارک باد کی مستحق ہیں۔

اب ساری نظم تو حافظے میں موجود نہیں شاید حالی نے کہا تھا اور آپ کے لیے ہی کہا تھا۔

اے ماؤں، بہنو، بیٹیو، دنیا کی زینت تم سے ہے
ملکوں کی بستی ہو تمہیں، قوموں کی عزت تم سے ہے
نیکی کی ہو تصویر تم، عفت کی ہو تدبیر تم
ہو دین کی تم پاسبان ایمان سلامت تم سے ہے
فطرت تمہاری ہے حیا، طینت میں ہے مہر و وفا
گھٹی میں ہے صبر و رضا، انسان عبارت تم سے ہے

اجازت چاہتا ہوں بے حد شکر گزار ہوں۔

Marfat.com

سوچنے کی بات

ڈائریکٹر تعلیمات (کالجز) ڈیرہ غازیخان ڈویژن

آج کے زمانے میں ساری دنیا کی توجہ کا مرکز جاپانی قوم بن چکی ہے۔اس کی وجہ اس کی حیران کر دینے والی ترقی کی رفتار ہے حالانکہ یہی وہ خطہ ارضی ہے جس کے دو عظیم الشان شہر اور بہت سا علاقہ ہیروشیما اور ناگاساکی سمیت امریکہ کے گرائے ہوئے ایٹم بموں سے دوسری جنگ عظیم میں جل کر راکھ ہو چکا تھا۔ لاکھوں کی آبادی بھن کر کوئلہ ہو گئی تھی اور تہذیب یافتہ آبادیاں مٹی کے ڈھیروں میں تبدیل ہو گئیں تھیں لیکن پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس برباد اور تباہ شدہ قوم نے ایک بار پھر اپنے آپ کو کسی دوسری قوم سے بھیک مانگے بغیر بڑے باوقار انداز میں اپنے پاؤں پر کھڑا کر لیا۔ دراصل جاپانی قوم کی اس معجزانہ ترقی کا راز اس کے اعلیٰ کردار میں مضمر ہے۔

جاپان کے معاشرتی نظام کی بنیاد اس بات پر ہے کہ ہر جاپانی بچے کو انتہائی اہم شخصیت خیال کیا جاتا ہے۔ جاپانیوں کے ہاں اس وقت تک اولاد پیدا کرنے کا رجحان نہیں جب تک کہ میاں بیوی کو یہ یقین نہ ہو جائے کہ اپنے آنے والے بچے کو بہترین تعلیم و تربیت کے زیور سے واقعی آراستہ کر سکیں گے۔ بچے کی پیدائش کے ساتھ ہی جاپانی والدین اپنی پوری توجہ بچے کی صحت پر مرتکز کر دیتے ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس کی خوراک، پوشاک، تعلیم اور تربیت کا پورا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جاپانی بچہ ماں کی گود ہی سے نظم وضبط کی تعلیم حاصل کرنے لگتا ہے اور سب سے پہلے وہ اپنے بزرگوں کا احترام کرنا سیکھتا ہے۔ محنت کرنے کا عادی ہو جاتا ہے جب پہلا بچہ گھر سے ابتدائی اخلاق و عادات کی تربیت حاصل کر کے سکول پہنچ جاتا ہے تو جاپانی والدین دوسرے بچے کے بارے میں سوچنا پسند کرتے ہیں۔

جاپان کے تعلیمی نظام کا مقصد ایسے جاپانی افراد تیار کرنا ہے جو حقیقی معنوں میں تعلیم یافتہ

Marfat.com

ہونے کے ساتھ ہی ساتھ محب وطن اور باکردار بھی ہوں۔ دراصل جاپانی قوم پر یہ راز کھل چکا ہے کہ کسی قوم کی اصل ترقی کا راز اس کے نظام تعلیم میں مضمر ہے۔ جس قدر کسی قوم کا معیار تعلیم بلند ہو گا اسی قدر اس قوم کے مقدر کا ستارہ بلند ہو گا یہی وجہ ہے کہ جاپانی قوم اپنے آپ کو تعلیمی نظام کے انتہائی اعلیٰ معیار قائم رکھنے کی پابند سمجھتی ہے چنانچہ آج کی دنیا یہ تسلیم کر چکی ہے کہ جاپانی قوم کا نظام تعلیم نہایت اعلیٰ بنیادوں پر استوار ہے۔ اسی لیے اس ملک میں نقل جیسی کسی خرابی کا رواج دیکھنے میں نہیں آتا۔ جاپان کا تعلیمی نظام ایسے افراد پیدا کر رہا ہے جو عملی زندگی میں انتہائی اعلیٰ معیار زندگی ہر سطح پر قائم رکھنے کیلیے کوشاں ہیں۔ اپنے بچوں پر اپنی پوری توجہ مرکوز کر کے اس قوم نے اپنے آپ کو ایک عظیم قوم ثابت کر دیا ہے۔ جاپانی قوم ایک محب وطن قوم ہے۔ دوسری جنگ عظیم میں شکست کھانے کے بعد جاپانی قوم نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ کبھی ایسی اشیا درآمد نہیں کرے گی جو وہ خود تیار کر سکتی ہے چنانچہ باہر سے ضرورت کے مطابق صرف خام مال درآمد کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس لیے کوئی جاپانی غیر ممالک کی اشیا کو جاپانی اشیاء پر ترجیح نہیں دیتا۔

جاپان اعلیٰ معیار کی اشیاء خود تیار کر رہا ہے۔ کتنی خوبصورت بات ہے کہ جاپانی حکومت ہمیشہ جاپانی قوم کو اہمیت دیتی ہے اور وہ چاہتی ہے کہ بہترین اشیا جاپانی قوم ہی کے زیر استعمال آئیں اور قوم آسودگی اور خوشحالی سے محروم نہ رہے۔ یہ بات درست ہے کہ بیرون ملک سے سکریپ لوہا اور فولاد درآمد کر کے جو کاریں جاپان میں بنائی جاتی ہیں۔ ان میں سے بہترین کاریں صرف جاپانی قوم کے استعمال میں لائی جاتی ہیں۔ باقی دنیا کو کمتر درجے کی کاریں برآمد کی جاتی ہیں۔

ایک جاپانی جب گھر سے تربیت اور تعلیمی اداروں سے تعلیم حاصل کر کے عملی زندگی میں داخل ہوتا ہے تو وہ کام کام اور صرف کام کرنے کا عادی ہو چکا ہوتا ہے۔

جاپانیوں کے کام کرنے کی دھن کو دیکھ کر دوسری اقوام اکثر یہ کہنے پر مجبور ہو جاتی ہیں کہ اس قوم کو کام کرنے کا نشہ ہے چنانچہ جاپانی قوم آج صنعتی دور سے نکل کر خالص ٹیکنالوجی کے دور میں داخل ہو چکی ہے۔ اس نے بہت پہلے سے اکیسویں صدی کی دستک کو بھانپ لیا ہے۔ جاپانی ہارس پاور کی بجائے برین پاور پر یقین رکھتے ہیں شاید اسی لیے جاپانی ریت کے ذروں کو جواہرات میں تبدیل کرنے پر قادر ہو چکے ہیں۔

Marfat.com

جاپانی ایک باخبر قوم ہے۔ ہر گھر میں دو تین اخبارات روزانہ آتے ہیں۔ اندازہ ہے کہ جاپانی عوام میں چھ کروڑ اخبارات روزانہ تقسیم ہوتے ہیں۔ آج جاپانی قوم بلاشبہ انجینئرز کی قوم بن چکی ہے۔ یہ سچ ہے کہ آج جاپانی انجینئروں کی تعداد امریکی انجینئروں سے پچاس فیصد زیادہ ہے۔ جاپان ہر معاملے میں تحقیق اور ریسرچ پر اپنی توجہ مرتکز کر رہا ہے۔ سات لاکھ جاپانی مختلف سطح پر دن رات تحقیق میں مصروف ہیں جبکہ یہ تعداد برطانیہ، جرمنی اور فرانس کے ریسرچ سکالرز سے بھی زیادہ ہے۔

بچت کرنا جاپانی قومی رویئے کا ایک اور خوبصورت وصف ہے۔ ہر جاپانی اپنی آمدنی میں سے بیس فیصد سے زیادہ بچت کرتا ہے۔ یوں مالی اداروں کو کروڑوں کی مالیت کا سرمایہ ترقی پذیر کاموں میں لگانے کی سہولت حاصل ہو جاتی ہے۔ جاپانی قوم کی ایک اور خوبصورت بات یہ ہے کہ وہ بڑے بڑے مکانات تعمیر کرنا پسند نہیں کرتی۔ جاپانی اپنے لیے مختصر رہائش گاہیں پسند کرتے ہیں مگر بڑے بڑے تعلیمی ادارے اور شاندار کارخانے بنانے کو ترجیح دیتے ہیں۔

کیا یہ سب کچھ ہمیں کچھ سوچنے پر مجبور نہیں کر دیتا؟

ادبی مجلہ ندا گورنمنٹ کالج برائے خواتین کروڑ لعل عیسن ضلع لیہ 1994ء

Marfat.com

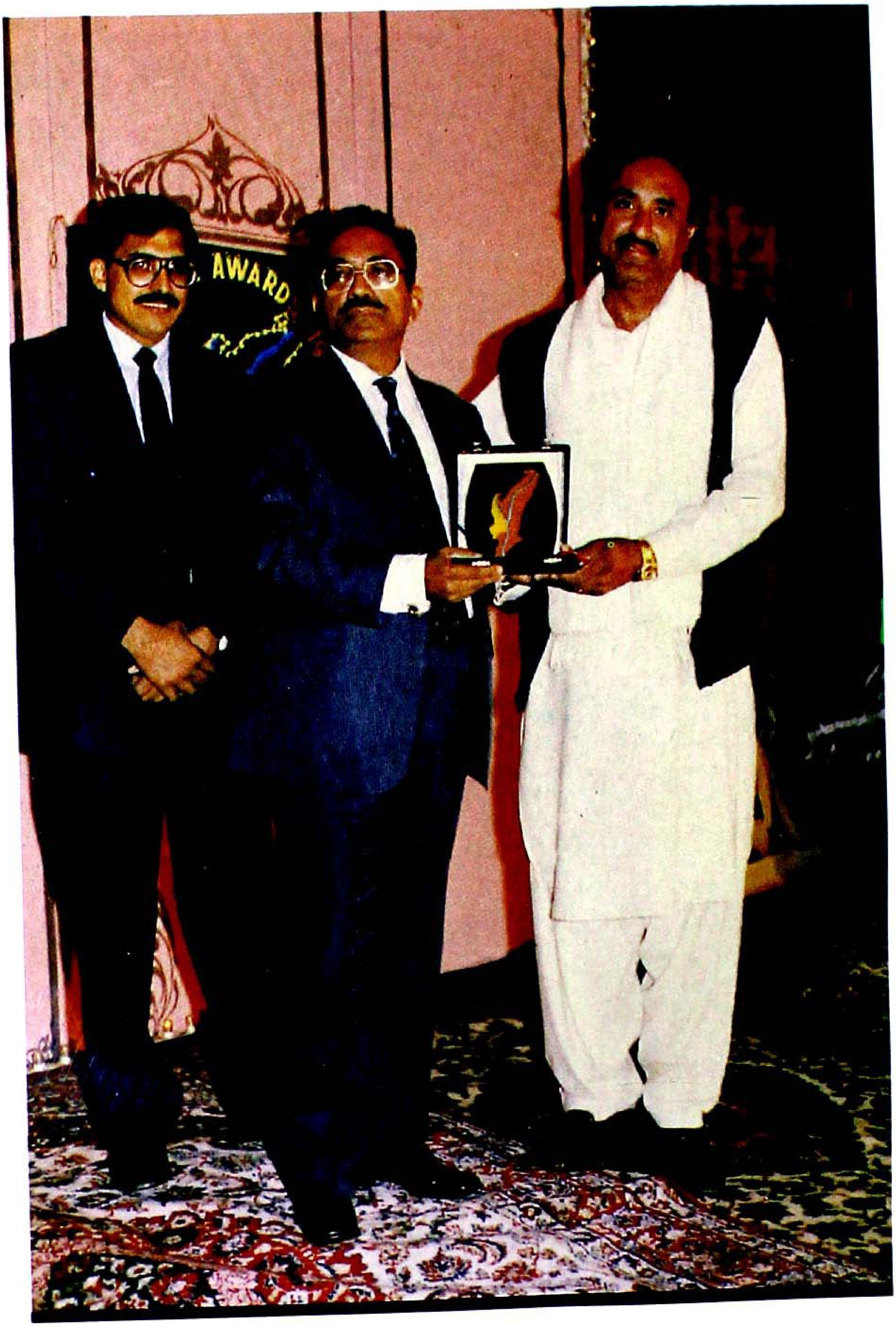

وزیر حکومتِ پنجاب ظفر عباس بھروانہ سے ساندل ایوارڈ وصول کرتے ہوئے

Marfat.com

پروفیسر جیلانی کامران اور رفقاء شعبۂ انگریزی کے ساتھ

Marfat.com

لیفٹیننٹ جنرل (ر) محمد صفدر گورنر پنجاب سے اپنی کتاب پر ایوارڈ وصول کرتے ہوئے

Marfat.com

حبیبیہ ہال اسلامیہ کالج لاہور میں طلباء سے ایک خطاب

Marfat.com

معاشرتی بگاڑ کے ذمہ دار ماہرین تعلیم ہیں

تعلیم معزز پیشے کی بجائے صنعت کا درجہ اختیار کر گئی ہے اب استاد کو پیسے سے غرض ہے
ایک استاد کے انتخاب کے لیے بہتر طریقہ کار نہیں ان کی سالانہ رپورٹ مختلف ہونی چاہیے
نوجوان جو پیشہ اختیار کریں اسے مشن کی طرح مکمل کریں: پروفیسر سمیع اللہ قریشی

(روزنامہ جنگ، لاہور 2 اکتوبر 2002ء)

جھنگ (نمائندہ جنگ) سرکاری افسروں کو اپنے اختیارات عوام کی بھلائی اور انہیں سہولت فراہم کرنے کے لیے اعلیٰ سطح کے امتحانات کے بعد انہیں منتخب کیا جاتا ہے جبکہ ایک استاد اور پروفیسر جس نے قوم کو سنوارنے میں اہم کردار ادا کرنا ہوتا ہے اس کے انتخاب کے لیے کوئی بہتر طریقہ کار نہیں رکھا گیا۔ معاشرے میں بگاڑ کی سب سے زیادہ ذمہ داری ماہرین تعلیم پر ہے۔ تعلیم ایک معزز پیشے کی بجائے صنعت کا درجہ اختیار کر گئی ہے۔ اب استاد کو پیسے سے غرض ہے۔ یہ باتیں سابق ڈائریکٹر کالجز سابق پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور اور ایوارڈ یافتہ شاعر پروفیسر سمیع اللہ قریشی نے جنگ ایک کو انٹرویو دیتے ہوئے بتائیں۔ انہوں نے کہا کہ اصل ثقافت یہ ہے کہ آپ نے قوم اور نسل کو کیا سکھایا ہے اور کتنا علم اپنی نسل میں منتقل کیا ہے۔ انہوں نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ پنجاب پاکستان کی ثقافت کا مرکز ہے ملک بھر میں اہم ادبی سرگرمیوں کے حوالے سے دیگر صوبوں کے شاعروں کے ناموں سے ایوارڈز حکومت پنجاب ہی جاری کرتی ہے۔ حکومت پنجاب نے جھنگ کی ثقافت کے حوالہ سے لکھی ان کی کتاب پر انہیں حکومت پنجاب ''جام درک'' ایوارڈ دیا ہے جو کہ ایک بلوچی شاعر کے نام سے منسوب ہے۔ انہوں نے بتایا کہ اب پروفیسر صاحبان اپنے اصل کام سے ہٹ کر ٹیوشن اور کرپشن کے دیگر راستوں پر چل پڑے ہیں۔ جس کی وجہ سے ہمارا نظام تعلیم بری طرح متاثر ہو رہا ہے۔ انہوں نے موجودہ تعلیمی اداروں کے سربراہوں اور پرنسپل

Marfat.com

صاحبان پر زور دیا کہ لائبریریاں آباد رکھیں یہاں پر ادبی اور ہر قسم کے رسالے اور جراید فراہم کریں اور اس مد میں فراہم کردہ وسائل کو استعمال میں لائیں۔ انہوں نے بتایا کہ میں نے گورنمنٹ کالج جھنگ میں 30 سال تک کام کیا ہے اور 6 سال تک بطور پرنسپل رہا ہوں۔ اس دور میں ملک بھر میں جتنے بھی اہم اور مفید جراید چھپا کرتے تھے لائبریری میں فراہم ہوتے تھے۔ ہزاروں طلبا کو فیس معافی کے علاوہ دیگر وسائل سے کتابیں، یونیفارم مہیا کی تھیں کیونکہ میں خود کم وسائل مین پڑھ پایا تھا اور مجھے اس بات کی ہمیشہ خواہش رہی ہے کہ میرے ہاتھ اور قلم سے دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا ہوں۔ انہوں نے پروفیسرز اور تعلیمی افسروں کی کارکردگی بہتر بنانے کے حوالے سے سوال کے جواب میں کہا کہ ایسے افسران کی ACR رپورٹ دیگر سول افسروں سے مختلف ہونی چاہیے۔ ان کی اے سی آر رپورٹس میں لکھا جائے کہ انہوں نے اپنے مضامین کے حوالہ سے کتنے سیمینار میں شرکت کی اور اپنے مضامین میں مزید کتنا ورک کیا۔ اس کے جائزہ کے بعد انہیں ترقی دی جائے تا کہ انہیں اپنے پیشہ اور شعبہ سے لگاؤ پیدا ہو جو کہ معیار تعلیم کو بلند کرنے کی طرف ایک قدم ہے۔ محکمہ تعلیم کی موجودہ پالیسیوں کے حوالے سے انہوں نے کہا کہ کالجوں میں طلباء و طالبات کی تعداد اور سٹاف کے حوالہ سے اگر رپورٹس کو ہی چیک کر لیا تو بہت سارے حقائق سامنے آ سکتے ہیں اگر ان میں صداقت نہ ہوگی اور یہ فرضی ہوں گی تو اس سے کسی قسم کی کوئی بہتری کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ انہوں نے ذاتی زندگی کے حوالہ سے بتایا کہ انہیں درس و تدریس سے ہمیشہ سے لگاؤ رہا ہے مگر وہ کسی بھی ادبی، سماجی، سیاسی یا مذہبی تنظیم کے باقاعدہ رکن نہیں بنے۔ انہوں نے بتایا کہ ان کی 9 کتابیں مارکیٹ میں آ چکی ہیں اور تین زیر طبع ہیں۔ انہوں نے جوانوں پر زور دیا کہ وہ سوچ سمجھ کر اور اپنے رجحان کے مطابق پیشہ اپنائیں اور اس کو بعد میں ایک مشن کی طرح مکمل کریں اور اس میں مہارت حاصل کریں اور یہی ملک وقوم کی ترقی کی چابی ہے۔

Marfat.com

اساتذہ اور احباب کے نام
غیر رسمی مراسلت

Marfat.com

Marfat.com

نظامت تعلیمات کالجز ڈیرہ غازیخان ڈویژن، ڈیرہ غازیخان

غیر رسمی مراسلہ :1

یکم جنوری 1994ء

محترم پرنسپل خواتین وحضرات السلام علیکم

مجھے تب سے ایک عادت ہے جب سے میں نے پڑھنا سیکھ لیا اور مطالعہ کی عادت گہری ہوئی تب سے میں کسی کتاب کو پڑھے بغیر سو نہیں سکتا۔ ان دنوں جبکہ میں اپنی عمر کی چھٹی دہائی کی انتہا کو پہنچ رہا ہوں گذشتہ شب میں امریکی انگریزی ادب کا ایک شاہکار جو دوسری جنگ عظیم کے دوران لکھا گیا۔ مطالعہ کر رہا تھا تو استاد کے رویئے کے حوالے سے ایک بے حد خوبصورت گفتگو میرے سامنے آئی۔ یہ ٹھیک پچاس برس قبل کا شائع شدہ ایک ناول The human comedy ہے اور ناول نگار کا نام WILLAM SAROYAN ہے۔ جس کردار کے مکالمے نے مجھے دیر تک اپنے اندر جذب رکھا وہ ایک امریکی گاؤں میں دو نسلوں کی تربیت کرنے والی عمر رسیدہ استانی ہے جو کلاس روم میں چودہ پندرہ برس کی عمر کے دو لڑکوں کو ان کی کسی باہمی ایسی شرارت پر چھٹی کے وقت کمرے میں روک لیتی ہے جب وہ ایک دوسرے پر طبقاتی اونچ نیچ کے حوالے سے طنز کرتے ہیں۔ محبت کے شدید گداز کے ساتھ استانی نے بے ساختہ جو کچھ کہا میں اب تک اس کی گرفت میں ہوں اور شاید دیر تک اس کی گرفت میں رہوں گا۔ میں صدق دل سے چاہتا ہوں کہ یہ الفاظ ہم سب تک پہنچیں۔ ناول کے کردار سے مجھ تک مجھ سے آپ تک آپ سے آپ کے رفقاء تک پھر کاش ایسا ممکن ہو سکے کہ ہمارے اساتذہ سے ان کے طلباء و طالبات تک۔

؎ ''شاید کہ اتر جائے کسی دل میں کوئی بات''

Marfat.com

مس ہکس کہتی ہے۔

''مجھے سکول میں پڑھاتے ہوئے 35 سال گذر گئے۔ قصبے کے بیشتر باشندوں کو میں نے پڑھایا ہے۔ تمہارے ماں باپ بہن بھائی سب میرے شاگرد رہ چکے ہیں۔ میں تمہیں سزا دینا نہیں چاہتی۔ تمہیں اس لیے روک لیا کہ تم مجھے عزیز ہو۔ ویسے میں تم دونوں کو ذرا دیر کے بعد چھٹی دے دیتی۔ میرا ارادہ تمہیں تنگ کرنے کا نہیں تھا تمہیں مفید باتیں بتانا چاہتی تھی۔ میں بچوں کی ذہنی نشوونما کا مطالعہ کرتی رہتی ہوں۔ انہیں پنپتے دیکھ کر مجھے بڑی مسرت ہوتی ہے۔ جہاں تم نے ہیوبرٹ سے معافی مانگ کر اسے زیربار کیا وہاں اس نے فراخدلی سے معاف کر دیا۔ میں تم دونوں سے گفتگو کرنا چاہتی تھی۔ تم میں سے ایک شریف کھاتے پیتے گھرانے کا لڑکا ہے، دوسرا شریف غریب گھرانے کا۔ زندگی کی جدوجہد تمہارے لیے زیادہ کٹھن ثابت ہوگی۔ میں یہ چاہتی ہوں کہ تم ایک دوسرے کو جاننے لگو''۔

''جو تم سوچ رہے ہو میں اسے سمجھتی ہوں۔ دنیا میں ہر انسان کسی نہ کسی سے بہتر ہوتا ہے۔ اسی طرح کوئی اور اس سے بھی بہتر ہوتا ہے۔ جوزف، ہیوبرٹ سے زیادہ چست ہے لیکن ہیوبرٹ میں دوسری خوبیاں ہیں۔ جمہوری نظام میں سب انسان برابر ہوتے ہیں لیکن اس مساوات کی ایک حد مقرر ہے۔ اس سے آگے اپنا اپنا ظرف ہے اور اپنی کوشش کوئی چاہے تو شریف النفس بن جائے یا احمق بن کر دن پورے کر دے۔ جن بچوں کو میں پڑھاتی ہوں ان کے ظاہری رکھ رکھاؤ سے مجھے کوئی سروکار نہیں۔ اچھے یا برے آداب مجھے متاثر نہیں کرتے۔ میں تو ان کا باطن پرکھتی ہوں۔ کوئی بچہ امیر ہو یا غریب، کیتھولک ہو یا پروٹسٹنٹ، گورا ہو یا کالا، ہوشیار ہو یا غبی، چالاک ہو یا سادہ لوح...... اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس کے دل میں شرافت اور صداقت ہے یا نہیں...... چھوٹوں کی عزت، بڑوں کا احترام...... اگر یہ موجود ہیں تو پھر میں نہیں چاہتی کہ وہ ایک دوسرے کی نقل کریں اور سب ایک جیسے بن جائیں۔ میں انفرادیت کی قائل ہوں۔ یہ نہیں چاہتی کہ محض مجھے خوش کرنے کے لیے ایک بچہ دوسرے جیسا بن جائے۔ اگر ساری

Marfat.com

کلاس مودب بیٹھی رہے تو پڑھانا دوبھر ہو جائے۔ تنوع نہایت خوشگوار ہوتا ہے۔ میں چاہتی تھی کہ ہیوبرٹ بھی یہ سن لیتا کہ تمہاری باہمی نفرت بالکل معمولی سی چیز ہے۔ اس کے باوجود بھی اگر تم ایک دوسرے کی عزت کرتے ہو تو تم دونوں بہت اچھے ہو۔ مہذب ہونا اسی کو کہتے ہیں"۔

صاحبو! میں اپنی نظامت کی طرف سے آپ کے لیے آج ایک مختلف قسم کے گویا ایک غیر رسمی مراسلہ کے اجراء کے لیے معافی چاہتا ہوں مگر میں کیا کروں کہ میں بہر حال ایک استاد بھی ہوں اور مجھے مطالعہ کی عادت بھی ہے۔ ایک عمر رسیدہ استانی کے خوبصورت خیالات سے ہم اپنے نئے سال کا آغاز کرتے ہیں۔

آپ کا مخلص

پروفیسر سمیع اللہ قریشی

ناظم تعلیمات کالجز

ڈیرہ غازیخان ڈویژن ڈیرہ غازیخان

Marfat.com

نظامت تعلیمات (کالجز) ڈیرہ غازیخان ڈویژن
غیر رسمی مراسلہ :2
یکم جنوری 1995ء
محترم پرنسپل خواتین وحضرات السلام علیکم!

لیجئے مجھے آپ کے ساتھ کام کرتے ہوئے ڈیڑھ برس بیت رہا ہے اور الحمد للہ حکومت پنجاب کے تحت سرکاری کالجوں میں جگہ جگہ پڑھانے اور ان کا انتظام و انصرام کرتے ہوئے میرے پینتیس سال تمام ہوئے۔ایک غیر رسمی مراسلہ میں نے آپ کی خدمت میں پچھلے برس بھی سال نو کے آغاز کے ساتھ روانہ کیا تھا۔آج بھی نئے سال کا آغاز ہے اور مجھے آپ سے گفتگو کرنے کی توفیق ملی ہے دراصل استاد بھی اپنی جگہ گویا پیغمبرانہ ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی دھن میں لگا رہنے کا ایک استعارہ ہے۔والدین اس کی ذات میں بہت کچھ دیکھتے ہیں اور اسی کے حوالے سے ان ساری صفات کا عکس اپنی اولاد میں دیکھنے کے متمنی ہوتے ہیں۔انہی دنوں ڈیڑھ سو برس قبل ایک والد کا ایک استاد کے نام لکھا ہوا خط میری نظر سے گذرا۔اسے پڑھ کر میں نے اپنے دل میں جھانکا تو کچھ شرمندہ سا ہوا۔استاد کے کردار کے متوقع خواص میرے اندر ہوتے تو میں بھی اپنے شاگردوں کے وجود میں انہیں اتار سکتا بہرحال یہ خط میں آپ کے مطالعہ کے لیے پیش کر رہا ہوں۔ملاحظہ کیجئے۔

استادگرامی۔

"علم اور تجربے کے بہت سے مراحل طے کرنے کے بعد ہی میرا بیٹا یہ سمجھ پائے گا کہ سارے لوگ حق وصداقت پر نہیں ہوا کرتے تاہم اپنی تربیت وتعلیم سے آپ اسے باور کرائیے کہ ہر بدنہاد سے نپٹنے کے لیے کوئی نہ کوئی کھرا انسان ضرور موجود ہوتا ہے۔یہ بالکل یونہی ہے جیسے ایک خودغرض سیاستدان کے مقابلے میں ایک بے لوث قائد بھی ناگزیر ہوتا ہے۔اس حقیقت سے آپ ہی اسے آگاہ کرائیں گے کہ جہاں دشمن ہوتے ہیں وہاں دوست بھی مل جاتے ہیں۔ایک

Marfat.com

اور بات جو اسے شاید دیر میں سمجھ آئے تاہم آپ اپنی کوشش سے اسے باور کرانے میں ضرور کامیاب ہو سکتے ہیں کہ اپنی محنت سے کمایا ہوا ایک روپیہ بھی مفت ہاتھ آنے والے پانچ روپوں سے کہیں قیمتی ہوتا ہے۔ اس کی ذہنی تربیت کچھ اس انداز میں ہونی چاہیے کہ جہاں وہ اپنی ناکامی کو ایک حقیقت کے طور پر تسلیم کرنا سیکھے وہاں اسے اپنی کامیابی پر خوش ہونے کا سلیقہ بھی آتا ہو۔ آپ ممکن حد تک اسے حسد سے دور رکھیں اور سمجھائیں کہ خاموش قہقہوں کی بھی ایک دنیا ہوتی ہے۔ آپ کی مناسب رہنمائی میں یہ تو اسے ابتدا ہی میں جان لینا چاہیے کہ تربیت مناسب ہو گی تو بگڑے ہوئے بھی آسانی سے سنور جایا کرتے ہیں۔ بے شک کتابوں کے مطالعہ کی بے پناہ افادیت اسے ذہن نشین کرا دیجئے مگر اسے یہ بھی بتائیے کہ وہ قدرت کے طلسم کدہ کی پراسرار گہرائیوں میں ڈوب کر آسمان کی وسعتوں میں اڑتے پرندوں، چمکیلی دھوپ میں اڑتی شہد کی مکھیوں اور دامن کوہ میں کھلنے والے پھولوں کا راز بھی پانے کی کوشش کرے۔ مدرسہ میں دوران تعلیم یہ بات اس کا جزو ایمان بنا دیجئے کہ ناجائز ذرائع کے استعمال اور فریب کاری سے یہ کہیں بہتر ہے کہ آدمی بے شک امتحان میں ناکام ہو جائے بچے کی رائے کی صحت سے اختلاف کے باوجود اس کا ذاتی اعتماد بحال رہنا چاہیے۔ اسے سکھائیے کہ وہ شرفا اور اچھے لوگوں سے شائستگی اور نرمی سے پیش آئے لیکن تندخو اور غلط افتاد لوگوں کے ساتھ اس کا رویہ بہرحال سخت ہونا چاہیے۔

میرے بیٹے میں ایسا توانا اعتماد پیدا کرنے کی کوشش کیجئے کہ وہ کسی پرکشش بھیڑ میں کھو کر نہ رہ جائے۔ اسے ایسا باصلاحیت بنا دیجئے کہ وہ سب کی سنے مگر جانچ پرکھ ایسی کرے کہ صرف سچی بات ہی اس کے لیے قابل قبول ہو۔ ہو سکے تو اسے ایسی تربیت بھی دیجئے کہ وہ اداسیوں میں بھی مسکرانا جان جائے اسے بتائیے کہ کبھی کبھار آنسو بہا لینا بھی کچھ بری بات نہ ہو گی۔ اسے تحریک کیجئے کہ یاسیت زدہ شکی مزاج لوگوں پر خندہ زن ہونے میں بھی کچھ ہرج نہیں ہوتا ہاں مگر اس احتیاط کے ساتھ کہ غیر متوازن خوش طبعی بھی کوئی اچھی چیز نہیں ہوا کرتی۔ اسے سمجھائیے کہ اگر کبھی زندگی میں اسے اپنی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کو داؤ پر لگانے کی نوبت آ جائے تو وہ سب سے اونچی بولی کا انتظار کرے۔ یہ محض ایک ستم ظریفی ہو گی۔ جو وہ ہمیشہ اپنے دل و دماغ پر "برائے فروخت" کا اشتہار لگائے رکھے۔ ایسے ہجوم سے اسے باز رہنے کی تلقین کرتے رہیے گا جو حوصلے پست کرنے والا اور محض نعرہ باز ہو۔ اسے یہ چلن بھی سکھا دیجئے کہ اپنے موقف کی صداقت پر ڈٹ

Marfat.com

کررائے دینا بھی ایک چیز ہوتی ہے۔ مجھے یقین ہے آپ میرے بیٹے کے ساتھ عموماً نرمی اور شفقت کا برتاؤ روا رکھیں گے لیکن ایسا بھی نہ ہو کہ وہ خوشامد خورہ اور سہل پسند ہی بن کر رہ جائے کیونکہ کندن بننے کے لیے تو اسے بہرحال آگ کی آزمائش سے گزرنا ہی ہوگا۔ طبیعت کا اضطراب اگر حوصلہ مندی بہادری اور ہمت کو بھی راہ دے سکے اور انسان اور انسانیت پہ بھرپور اعتماد آپ اس کے مزاج میں راسخ کردیں تو کیا ہی خوب ہو۔

مجھے احساس ہے کہ میں نے احکامات اور ہدایات کا شاید ایک پلندہ آپ کے سامنے رکھ دیا ہے تاہم اب یہ آپ پر موقوف ہے کہ آپ کس حد تک انہیں عمل میں لاسکتے ہیں۔ میرا پیارا پیارا لخت جگر بہرحال ابھی کم عمر ہی تو ہے"۔

یہ خط صدر جماہیر امریکہ ابراہیم لنکن نے اپنے بیٹے کے استاد کے نام لکھا تھا۔ تحفہ کے طور پر اسے میری طرف سے قبول کیجئے۔ سال نو مبارک ہو۔

آپ کا مخلص

پروفیسر سمیع اللہ قریشی

ڈائریکٹر ایجوکیشن (کالجز)

ڈیرہ غازیخان ڈویژن

Marfat.com

گورنمنٹ اسلامیہ کالج لاہور

غیر رسمی مراسلہ :3

یکم جون 1996ء

رفقائے محترم پروفیسر صاحبان!

عزیز طلبہ وطالبات السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ تعلیم وتدریس کے میدان میں میرا 36 سالہ سفر اپنے اختتام کو پہنچ رہا ہے۔ انشاء اللہ ہو العزیز 5 جون 1996ء کو میں وطن عزیز کے تاریخ ساز ادارے گورنمنٹ اسلامیہ کالج لاہور سے ریٹائر ہو رہا ہوں۔ 21 جون 1995ء کو باقاعدہ گریڈ بیس (20) کی عطائیگی کے بعد میں نے اس ادارے میں پرنسپل کا منصب سنبھالا تھا۔ جس پر صدی بھر کے عرصہ میں کئی ایسی نامور ہستیاں فائز رہ چکی ہیں جن کی حیثیت علوم کی تدریس اور انتظامی فضیلت کے اعتبار سے ملی تاریخ کے اوراق میں تسلیم شدہ ہے۔ میں محض ان کی گرد پا ہوں تاہم یہ محض اللہ تعالیٰ کا مجھ ناتواں بندے پر فضل عظیم ہے کہ اس نے مجھے بھی عظیم اسلامیہ کالج لاہور کے نامور قبیلے کا ایک فرد بنا دیا۔ یہ برس بھر جو میں نے آپ کے ساتھ گزارا ہے۔ اس دوران میں اگر میں اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں کچھ کامیاب رہا تو یہ محض اللہ کا فضل اور اس کی دی ہوئی توفیق یا پھر آپ سب کے محبت آمیز تعاون کے ساتھ ہی ممکن ہو سکا۔ بنیادی طور پر میں نے یہاں ہم نصابی فعالیتوں کے فروغ کو اپنی اولین ترجیح رکھا اور اپنے طلباء کی ذہنی اور فکری تربیت کے لیے مباحثات، سیمینار، مشاعروں، طلبائے قدیم کے ساتھ علمی نشستوں بھرپور کھیلوں اور معلوماتی سفروں کا اہتمام کیا۔ شہر کی مشہور علمی اور ادبی شخصیات کو کالج کے مختلف مضامین کی مجالس علمی میں مدعو کیا اور ان کے قیمتی خیالات سنے گئے۔ کالج کے قدیم کتب خانے کو سنوارا، نئی جلد بندی کرائی، مطالعہ کے لیے الگ کمرہ مخصوص کیا۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کے متعلقات پر ایک نمائش کتب منعقد کرائی گئی۔ کھیل کے میدان کی سنوار پرداخت، شجر کاری اور روزمرہ صفائی کو ایک معمول بنایا، چار سال کے وقفے کے

Marfat.com

بعد کریسنٹ شائع کیا۔ کالج گزٹ کا اجراء کیا، دو سو طلباء کی رہائش، ایک نئے ہوسٹل کی تعمیر کا منصوبہ تیار کر کے حکومت کے حوالے کیا، کالج امتحانات کو ایک منظم بنیاد پر استوار کیا۔ کمپیوٹر لیبارٹری میں ایک نئے اور جدید کمپیوٹر کو لایا گیا۔ کھلاڑیوں کو تیار کیا کہ وہ بورڈ اور یونیورسٹی کے تمام مقابلہ جات میں بھرپور حصہ لیں چنانچہ کئی ایک کھیلوں میں شاندار اعزازات حاصل ہوئے۔ تدریسی عمل کو بہت حد تک باقاعدہ فعال بنانے کی مکمل کوشش کی۔ میں سمجھتا ہوں کہ باہمی محبت تپاک اور احترام کی ایک فضا قائم کر کے ادارے کی علمی حیثیت کی صحت مند روایت کو بحال کرنے میں میں بہت حد تک کامیاب رہا۔

اور اب میں رخصت ہوتا ہوں۔ میرے عقب میں 36 برس کا طویل تجربہ ہے۔ بحیثیت لیکچرر، اسسٹنٹ پروفیسر اور پروفیسر پنجاب کے مختلف کالجوں میں درس دینے کا اور پنجاب کے دو بڑے پوسٹ گریجویٹ کالجوں کی سربراہی کا اور پنجاب کی ایک ڈویژن کے مردانہ اور زنانہ کالجوں کی بحیثیت ڈائریکٹر تعلیم کمان کی۔ تجربات اور مشاہدات کا ایک سلسلہ میرے ہمراہ ہے کہ جو ایک مستقل کتاب کا موضوع ہے۔ آپ سے رخصت ہوتے ہوئے، کئی اہم باتیں ذہن میں آتی ہیں کہ آپ سے کہہ دوں کہ شاید زندگی میں کسی موڑ پر کام آ جائیں مگر پھر سوچتا ہوں، میں کیوں نہ وہ تحریر سب کے سامنے رکھ دوں جو سترھویں صدی کے ایک گمنام شخص نے انگلستان کے کسی گرجا گھر میں ایک کتاب میں رکھ دی تھی۔ جو پچھلے برسوں میں اچانک دریافت ہوئی۔ خدا جانے اس گمنام خیر خواہ نے یہ خوبصورت تحریر سے کس کو مخاطب کیا تھا مگر اس تحریر کے حوالے سے آج میں آپ کو مخاطب کرتا ہوں۔ ان باتوں پر مقدور بھر عمل کر کے بھی آدمی کو بہت حد تک سکھی رہ سکتا ہے۔

''شور او ہنگامے میں سے پرسکون گزرو، یاد رکھو کہ امن خامشی میں ہے۔ خود کو جھکائے بغیر سب سے نبھاؤ اپنی سچائی کو دھیرج مگر صراحت کے ساتھ پیش کرو اور دوسروں کی سنو خواہ وہ لوگ غیر دلچسپ اور کم علم ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ ان کے پاس بھی ان کی کہانی موجود ہے۔

چھچھورے لوگوں سے احتراز کرو کیونکہ وہ روح کے لیے ناگوار ہوتے ہیں۔ تم اپنا موازنہ دوسروں سے کرتے رہو گے تو تمہارے اندر نخوت اور تلخی پیدا ہو جائے گی۔ اپنے کارناموں اور منصوبوں سے لطف اندوز ہوتے رہو۔ اپنے کام اور فرض منصبی میں دل لگاؤ۔ خواہ وہ کتنا ہی حقیر کیوں نہ ہو کیونکہ تمہارا ہنر ہی وہ شے ہے جسے گردش ایام کوئی گزند نہیں پہنچا سکتی۔ اپنے معاملات

Marfat.com

میں سوجھ بوجھ سے کام لو کہ دنیا مکر و فریب سے پر ہے لیکن اہل دنیا کے چھل کپٹ سے دلبرداشتہ ہو کر اچھے انسانوں کی خوبیوں کو نظر انداز نہ کرو۔ بہت سے لوگ ہیں کہ اعلیٰ سے اعلیٰ نصب العین کے حصول کے لیے کوشاں رہتے ہیں اور ہر جگہ زندگی دلاوری سے معمور ہے۔ تم جو کچھ بھی خود ہو وہی رہو۔ مصنوعی جذبات کا اظہار نہ کرو نہ محبت کے بارے میں کلیت کا رویہ اپناؤ کیونکہ ساری خشک سالی اور مایوسیوں کے درمیان محبت سدا بہار گھاس کی مانند اگتی رہتی ہے۔

گزرتے برسوں کے مشوروں کو نرم مزاجی سے قبول کرو اور نوعمری کے مشاغل سے وقار کے ساتھ دستبردار ہونا سیکھو۔ اپنی اندرونی قوت کو پروان چڑھاؤ جو کسی اچانک مصیبت کے وقت تمہارے کام آ سکے لیکن توہمات سے خود کو پریشان نہ کرو کہ بہت سے خوف اور خدشے درماندگی اور تنہائی کے باعث دل میں راہ پاتے ہیں۔ ایک معقول حد تک ضبط اور توازن قائم کرنے کے بعد اپنی ذات سے نرمی برتو اپنے اوپر بلاوجہ ظلم نہ کرو اور یاد رکھو کہ زمین کی گھاس اور آسمان کے درخشاں ستاروں کی طرح تم بھی کائنات کے بچے ہو اور چاہے تمہاری سمجھ میں یہ بات نہ آئے مگر کائنات متواتر اور پیہم اپنے اسرار منکشف کر رہی ہے چنانچہ جو بھی تمہارا تصور خدا کے متعلق ہے، راضی برضائے پروردگار ہو جاؤ اور زندگی کی پرشور الجھنوں کے درمیان اپنی روح کے ساتھ امن سے رہو، کیونکہ اپنی تمام تر بے ہودگیوں اور کلفتوں کے باوجود دنیا بڑی خوبصورت جگہ ہے۔''

میرے عزیزو! آپ سے رخصت ہوتے ہوئے آپ کے لیے اگر میرا کوئی پیغام ہونا چاہیے تو یہی گمشدہ قدیم تحریر میرا پیغام ہے۔ میں اپنے وطن اور اس عظیم درسگاہ اور آپ سب کے شاندار مستقبل کے لیے دعا کرتا ہوں اور رخصت ہوتا ہوں۔

مخلص

پروفیسر سمیع اللہ قریشی

پرنسپل گورنمنٹ اسلامیہ کالج لاہور

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غیر رسمی مراسلہ :4

6 جون 2002ء

النصرت

چودھری کالونی گوجرہ روڈ جھنگ صدر

صاحبو، دوستو، محترم اساتذہ السلام علیکم ورحمتہ اللہ برکاتہ

آج شاید میں اپنی عمر کے چھیاسٹھ برس پورے کر رہا ہوں۔ زندگی اور صحت اب اس ڈھب کی تو نہیں رہی جیسے پہلے کبھی ہوا کرتی تھی تاہم لفظ سے بحوالہ علم میرا جیسا کچھ بھی ایک رشتہ پہلے ہوا کرتا تھا اللہ کا شکر ہے کہ وہ اب بھی ہے اور اس سے گریز میری دانست میں گویا زندگی ہی سے گریز کے مترادف ہے۔ اقرا باسم ربک الذی خلق کی روشنی میں مطالعہ زندگی کے ہر عہد میں میرا معمول رہا ہے اور اسے میں نے ہمیشہ اللہ کی طرف سے دی گئی ایک عظیم نعمت ہی جانا ہے۔ اپنی 37 برس پر محیط تدریس کی فعالیت جس میں آخر کے دس برس پنجاب یک دو بڑے کالجوں کی سربراہی اور ایک ڈویژن کے کالجوں کی انتظامی کمان سنبھالنے میں گزرے۔ میری عادت رہی کہ میں کسی نہ کسی موضوع پر اپنے رفقاء کے نام ایک مطبوعہ خط ارسال کیا کرتا تھا۔ جس میں اپنے مطالعہ کا حاصل کوئی نہ کوئی بات ہمراہ ہوتی تھی تاہم ملازمت سے باقاعدہ فراغت کے بعد گذشتہ چھ برس کے دورانیے میں میں صرف اپنی نثری اور شعری تخلیقات ہی کو مجتمع کر کے اپنے احباب تک پہنچا سکا کوئی اجتماعی خط انہیں نہ لکھ سکا۔

اپنے پیارے وطن میں تعلیم کی عمومی صورتحال بھلا کس سے چھپی ہوئی ہے۔ میں نے اس عرصہ میں اس باب میں بہت کچھ غور کیا لیکن آخر کو نتیجہ وہی برآمد ہوتا ہے کہ اس سارے زوال کا ذمہ دار دراصل میں خود بھی رہا ہوں یعنی استاد۔ بس ایک یہی بات اگر کھلے دل سے آج کا استاد قبول کر لے تو تعلیم کا قافلہ سخت جاں اب بھی منزل مراد پر پہنچ سکتا ہے۔ بس اک ذرا ایثار کی

Marfat.com

ضرورت ہے۔

ولیم ول ڈیوراں بیسویں صدی کے نامور عالمی تہذیبی تاریخ،فنون اور فلسفہ کے ماہر ہو گزرے ہیں۔ بے شبہ چند ایسی کتابیں انہیں تصنیف کرنے کی توفیق ملی جو ابھی صدیوں تک اپنے اثرات بلا امتیاز دنیا بھر کے انسانوں پر مرتب کرتی رہیں گی۔ Story of Philosophy, Story of World Civilizations اور Pleasures of philosophy انہی کی گرانقدر تصنیفات ہیں۔ 1885ء سے 1981ء تک کی زندگی انہوں نے ایک بھرپور آزاد خیال دانشور کی حیثیت سے بسر کی اور دنیا بھر سے داد پائی اور آخر عمر میں انہوں نے اپنی بیگم کے ساتھ مل کر اپنی سوانح حیات کو ترتیب دیا۔

بیسویں صدی کے آغاز میں انہیں ایک مدرسہ میں بحیثیت معلم کام کرنے کا موقع ملا تھا۔ انہی ایام میں انہوں نے ایک سکول میگزین میں ایک مضمون لکھا۔ یہ تحریر معلمانہ جذب کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ آج میرے جی میں ہے کہ ول ڈیوراں کی یہ تحریر آپ سب تک پہنچاؤں۔ انہوں نے لکھا......

''کیا کبھی آپ کا کسی صبح اس سکول سے گزر ہوا اور آپ نے مجھے اور بچوں کو خوش دیکھا؟ بچے جن میں سے اکثر مجھ سے پہلے سکول آ جایا کرتے ہیں پھر جب میں پہنچتا ہوں تو وہ میرے قدموں کی چاپ بھی پہچان لیتے ہیں کچھ تو بیقرار ہو کر سیڑھیوں میں ہی مجھ سے ملنے آ جاتے ہیں شاید ہی کسی صبح ایسا نہ ہوا ہو ورنہ میں ہمیشہ ان چند ننھے فرشتوں کے ہمراہ سیڑھیاں چڑھتا ہوں جو ہمیشہ میری گردن، بازوؤں، کوٹ یہاں تک کہ میری ٹانگوں سے بھی لپٹ جاتے ہیں۔ میں انہیں کیا پڑھاتا ہوں؟ دھوپ میں ہر چیز ماسوائے بہت چھوٹے بچوں کے باقی بچوں کے ساتھ مل کر ہم سب تاریخ کا سبق پڑھتے ہیں۔ وہ پرندوں کو پتھروں کا نشانہ بناتے ہیں جب کبھی میں یا کوئی بچہ غلطی کرتا ہے تو ہم اپنے سبق کی انگریزی خود ہی درست کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد ہم ان چند بچوں کے لیے فرانسیسی زبان پڑھتے ہیں جنہوں نے اس زبان کے پڑھنے کے لیے اپنے شوق کا اظہار کیا تھا۔ ہمارے ہاں خوش نویسی اور موسیقی کے تلفظ کی مشق کے سبق بھی ہوتے ہیں۔ میں ان کو محنت کے سبق کہتا ہوں۔ ایک جماعت ہماری فنون لطیفہ کی بھی ہوتی ہے۔ مسٹر وولف ہر جمعرات کو آتے ہیں۔ وہ کمزور بچوں کو سبق دے کر ان کی تخلیقی صلاحیتوں کو جلا بخشتے ہیں۔

اس طرح سے دن گزر جاتا ہے اور جب جدا ہونے کا وقت آتا ہے تو آپ ہم سب کو ایک

Marfat.com

دوسرے کو فرطِ محبت سے چھوتے ہوئے دیکھیں گے۔ ایک چھوٹا بچہ جانے سے قبل میرے پاس آتا ہے اور میرے رخساروں کو اپنے ہاتھ سے چھوتا ہے۔ دوسرے بچے مجھ سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ میں ضرور انہیں گلے لگاؤں گا اور باپ کی سی شفقت سے انہیں پیار کر کے رخصت کروں گا۔ کچھ دوسرے یہ چاہتے ہیں کہ میں ان کو ایک پاکیزہ بوسہ دوں۔ اگر خدا موجود ہے تو میں اس کا شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے یہ سارے بچے عطا کیے۔ صاف ستھرے، روشن، ذمہ دار، شریف النفس جذبات سے لبریز بچے۔ مجھ پر ان بچوں کا قرض ہے۔ انہوں نے بغیر بوجھ بنے مجھے باپ ہونے کا جذبہ عطا کیا ہے۔ انہوں نے مجھے ایک ہزار ایسے حیرت انگیز اسباق پڑھائے ہیں جو صرف بچے ہی پڑھا سکتے ہیں اور انہوں نے مجھے وہ چیز دی ہے جس کی میں اشتہار رکھتا تھا یعنی ان کی اطاعت گزاری نہیں بلکہ میرے لیے ان کا فرطِ محبت"۔

ایک سچے اور مخلص استاد کے لیے کتنا خوبصورت بچھاوا ہے اس سادہ مگر بے مثل تحریر میں۔ کاش یہ تحریر مجھے اپنے معلمانہ دورانیے میں نصیب ہو جاتی تو شاید میں اپنے شاگردوں کا وہ قرض اتار سکتا جو ان کی طرف سے آج بھی میرے ذمہ ہے۔ کاش پھر مجھے ان کا فرطِ محبت بھی مل سکتا مگر استاد کے لیے یہ مواقع ابھی تم تو نہیں ہوئے میں نہیں جانتا آپ سے پھر کب مل سکوں اور کہاں مگر آپ مجھے ہمیشہ یاد رہتے ہیں۔ اللہ آپ کو خوش رکھے۔

خیر اندیش

پروفیسر سمیع اللہ قریشی

Marfat.com

غیر رسمی مراسلہ :5

6 جون 2001ء

ایبٹ آباد چھاؤنی

میرے پرانے رفقائے کار، کالج اساتذہ اور محبان گرامی السلام علیکم

ایک عرصہ سے میرا کوئی عملی واسطہ نظام وانتظام تعلیم یا تعلیمی اداروں اور ان کے قابل احترام کار پردازان سے رہ تو نہیں گیا تاہم اپنے سامنے اس میدان کی مختلف سطحوں پر جو کچھ آئے دن میرے دیکھنے میں آ رہا ہے اس پر دل کو کچھ بھی مسرت اور خوشی محسوس نہیں ہوتی بلکہ ایک عجب طرح کی جلن اور کڑھن کا احساس روز بروز فزوں تر ہوتا چلا رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے زوال علم کا زہر اس قومی ادارے کے ہر گوشے اور ہر زاویے میں اتر کر سرایت کر رہا ہو۔ مالیاتی منصوبہ بندی کی طرح قومی زندگی میں تعلیم بطور خود ایک بجٹ کا درجہ رکھتی ہے جس کا نصابی، ہم نصابی، تدریسی، تعلیمی، ادارہ جاتی یہاں تک کہ اساتذہ اور طلباء ہر سطح پر کچھ اس طرح خرچ اور صرف ہونا چاہیے کہ سب کچھ، یہ ساری مجموعی فعالیت ایک نفع کاری کا عمل پوری قومی سطح پر پیش کرے نہ کہ خسارے کا سودا ٹھہرے شاید ہمارے ہاں یہ سب کچھ افراتفری اور سیاسی خوش گمانیوں کی نذر ہو کر رہ گیا ہے۔ میں دیانتداری اور اخلاص سے اس نتیجے پر پہنچتا ہوں کہ جیسے بھی ہو سکے ہمیں اپنے رویے پر نہ صرف بڑی احتیاط کے ساتھ نظر ثانی کرنا چاہیے بلکہ اپنے اب تک کے اس میدان میں کیے دھرے کا احتساب بھی کرنا چاہیے۔

ایبٹ آباد میں اپنے بیٹے کے پاس مجھے گرمیوں کے کچھ دن گزارنے کا موقع ملا ہے۔ اتفاق ہے میری فرودگاہ کے قریب ہی ایک اچھی لائبریری موجود ہے جس میں پرانی اور قیمتی کتب کا ایک عمدہ ذخیرہ بھی موجود ہے۔ یہیں مجھے برصغیر ہندو پاک کے ایک مسلمان بطل جلیل اور تسلیم شدہ ماہر تعلیم جنہیں ان کی گوناگوں اور بے پناہ صلاحیتوں کے بل پر آگے چل کر صدر جمہوری ہند کے منصب جلیلہ پر متمکن ہونے کا شرف بھی حاصل ہوا اور میری مراد ڈاکٹر ذاکر

Marfat.com

حسین ہیں کے خطبات پر مشتمل ایک کتاب دیکھنے کا اتفاق ہوا اور مجھے تعلیم کے حوالے سے ان کی بیش قیمت اور آزمودہ تعلیمی آراء تک رسائی ہوئی۔ اس مراسلہ کے ذریعہ میرا جی چاہا ہے کہ میں ان کی کہی ہوئی بعض نہایت اہم تعلیمی سفارشات آپ تک بھی پہنچاؤں۔ اس لیے کہ میں سمجھتا ہوں کہ ان کے پڑھنے سے یقیناً میرے احباب کو فائدہ ہوگا۔

ڈاکٹر ذاکر حسین کہتے ہیں......

''ابتدائی تعلیم میں دست کاری اور حرفے کو علم حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا جائے۔ کتابی علم کی حیثیت اس منزل میں ضمنی رہے۔ دست کاری اور حرفے کے ساتھ مل جل کر کام کرنے کے مواقع فراہم کیے جائیں تاکہ بچپن ہی سے دوسروں کے ساتھ تعاون عمل کی عادت راسخ ہو جائے۔ یہ انفرادیت پسندی اور مقابلے کے جذبے کا توڑ تو ہوگا جو موجودہ ابتدائی تعلیم کا سب سے بڑا روگ ہے۔ ثانوی منزل میں ہاتھ کے کام اور ذہن کے کام کی مساوی حیثیت ہونی چاہیے۔ معلم کا یہ فرض ہے کہ دونوں کو ایک دوسرے میں سمو کر تعلیم کی وحدت اور ہم آہنگی پیدا کرے۔ اعلیٰ تعلیم میں زیادہ جھکاؤ ذہنی مشقوں کی طرف ہو اور عام طالب علموں کے لیے فنی کام کی حیثیت ضمنی ہو، سوائے خالص فنی کالجوں میں جیسے میڈیکل کالج یا انجینئرنگ کالج ہیں لیکن ان فنی کالجوں میں بھی تخصیص کے ساتھ عام تعلیم کا انتظام ہونا چاہیے تاکہ نوجوانوں کا ذہنی توازن قائم رہے اور وہ آئندہ زندگی کو یک طرفہ انداز میں نہ دیکھیں۔ اگر انجینئر مشین بنانا سیکھتا ہے تو اس کا یہ تو مطلب نہیں کہ وہ اپنے ذہن کو بھی مشین کے مثل کر لے اور اس میں اتنی صلاحیت باقی نہ رہے کہ وہ اچھی شاعری اور ادب کی قدر کر سکے، یا دلنواز موسیقی سے لطف اندوز ہو سکے۔ اگر تخصیص کے ساتھ عام تعلیم کا لحاظ نہ رکھا گیا تو لازمی طور پر فنون کے طلباء کا نقطہ نظر یک طرفہ ہو جائے گا۔ ان فنی کالجوں میں داخل ہونے سے پہلے نوجوانوں کے ذہنوں میں اپنی قومی تہذیب کا پس منظر رہنا ضروری ہے اور ان عالمگیر تحریکوں سے بھی تھوڑی بہت واقفیت ہونی چاہیے جنہوں نے جدید تمدن کی شکل بدل دی ہے۔

بدقسمتی سے ہماری یونیورسٹیوں میں آج بھی اس نہج پر تعلیم دی جا رہی ہے۔ جس کے سبب سے ان کی تخلیقی صلاحیت جھلس کر رہ جاتی ہے۔ ان کے بوجھ تلے دب کر صلاحیتوں کو ابھرنے کا موقع نہیں ملتا اور اپج مرجھا جاتی ہے۔ ہماری یونیورسٹیاں مجہول طور پر تجریدی علم حاصل کرنے کی مرکز بن گئی ہیں۔ انہیں تخلیقی علم و عمل کا بامعنی اور موثر سرچشمہ اور ماخذ ہونا چاہیے۔ ان کا ڈھانچہ اور

Marfat.com

ان کی تنظیم آج بھی کم وبیش وہی ہے جو انگریزی سامراج کے زمانے میں تھی یہی سبب ہے کہ ان سے ہماری جمہوری زندگی کی ذہنی اور اخلاقی قیادت کا کوئی ثبوت نہیں ملتا جس سے ہمارے بدلتے ہوئے معاشرے کی رہنمائی ہوسکے۔

تعلیمی اعتبار سے ہماری یونیورسٹیوں کو زیادہ تخلیقی ہونا چاہیے جہاں نوجوانوں کو جودت طبع اور ذوق جستجو کے مواقع فراہم کیے جائیں کہ بغیر اس کے کوئی یونیورسٹی، یونیورسٹی کہلانے کی مستحق نہیں ہوسکتی۔ طالب علموں کی قوت ایجاد کے معطل ہونے سے تمام علوم وفنون کی تعلیم بے کار ہو جاتی ہے بلکہ اس میں لازمی طور پر فتور پیدا ہو جاتا ہے۔ علم اور عمل کی ہم آہنگی صرف ابتدائی تعلیم ہی میں ضروری نہیں بلکہ اعلیٰ تعلیم میں بھی ہمارے سامنے یہی نصب العین رہنا چاہیے۔ مشرقی یورپ اور امریکہ کی بعض یونیورسٹیوں میں اس اصول پر عمل ہو رہا ہے۔ ہمارے یہاں بھی ذہن اور ہاتھ کے کام میں اگر ربط وتعلق پیدا ہو جائے تو یقینی طور پر اس کے نتائج ہماری قومی زندگی کے لیے مفید ثابت ہوں گے۔ اس وقت ہماری یونیورسٹیوں کی تعلیم میں اکتا دینے والا سپاٹ پن اور بے رنگ یکسانیت پیدا ہوگئی ہے۔ یہ تب ہی دور ہوسکتی ہیں جب کہ ذہنی کام اور ہاتھ کے کام میں ہم آہنگی اور ربط قائم ہو۔ اس طرح ہماری تعلیم تجریدی نہیں رہے گی بلکہ اس میں اخلاقی تجربے اور صحیح تربیت کے عناصر کارفرما ہوں گے اور طالب علم یہ محسوس کرے گا کہ وہ جو پیشہ اختیار کر رہا ہے وہ محض روٹی کمانے کا وسیلہ ہی نہیں ہے بلکہ خدمت خلق کا ایک منصب ہے۔ ایک ایسے سماج میں جس میں باہمی تعاون وتعامل سب کچھ ہے نہ کہ انفرادی عمل، انفرادی ذہن اسی وقت پوری طرح نشوونما پاتا ہے جب کہ اس کی پشت پر صالح جماعت موجود ہو۔ فرد میں فضل وکمال پیدا کرنے کے لیے جماعتی زندگی میں بھی یہ صفات آنی ضروری ہیں۔

آج ہم سب کو یہ شکایت ہے کہ ہماری یونیورسٹیوں سے ہر سال تعلیم یافتہ جاہلوں کی فوج کی فوج ڈگریاں لے کر دنیا میں داخل ہوتی ہے، ان میں بہت کم ایسے ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو معاشرے کے لیے واقعی مفید بنا سکیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہماری یونیورسٹیوں میں اب تک کتابی علم کی طرف توجہ دی گئی ہے۔ عملی تربیت کا دور دور نام ونشان نہیں۔ طالبعلموں کے دماغ میں لیکچروں کے ذریعے سے معلومات کا ڈھیر ٹھونس دیا جاتا ہے"۔

ڈاکٹر ذاکر حسین کا تجزیہ بہت درست ہے۔ میں سمجھتا ہوں تعلیم کا اصل مقصد طالب علم کے

Marfat.com

ذہن میں اثر پذیری ہے۔ صحیح استاد وہ ہے جو اپنے طالب علموں میں ذوق جمال کو اجاگر کر کے ان کی ذہنی نشو و نما میں معاونت کرے۔ اگر کالجوں اور جامعات میں استاد ایسا کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو فی الواقعہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ شاگردوں کو یوں راستے پر ڈال دینے کا مطلب یہ ہے کہ اب وہ خود آگے بڑھ سکتے ہیں اور اعلیٰ تعلیم کا در حقیقت یہی مقصد ہے محض میکانکی انداز میں حاصل کیا گیا علم کبھی جزو ذہن نہیں بنتا۔ جو استاد اپنے شاگردوں کے ذہنوں کے اندرونی قویٰ کو متحرک کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ وہ صحیح استاد ہے جب شاگرد کے ذہن کے سوتے کھل جاتے ہیں تو وہ زندگی کو شگفتہ اور شاداب بنا کر زندگی بسر کرنا سیکھ جاتا ہے پھر کسی کی مدد کے بغیر اسے آگے اور آگے بڑھانا آ جائے گا اور وہ بیساکھیوں کا محتاج نہیں رہے گا۔

کسی شخص کے سیاسی رویوں اور نظریات سے تو ہمیں اختلاف ہو سکتا ہے مگر کسی کے علمی اور تعلیمی تجزیوں، سفارشات اور نظریات کی ہمیں قدر کرنا چاہیے ڈاکٹر ذاکر حسین کی یہ باتیں مثبت اور دائمی تعلیمی اقدار کی حیثیت رکھتی ہیں جو ہر چند کہ پون صدی پہلے کہی گئی تھیں مگر جو اہمیت ان کی ماضی میں تھی وہی آج بھی ہے اور وہی دیر تک مستقبل میں بھی رہے گی۔ میرا خیال ہے ان بیش قیمت آراء پر غور و فکر کرنا میرا اور آپ کا جو کبھی تعلیم کے پیشے سے وابستہ رہے یا آج وابستہ ہیں فرض ٹھہرتا ہے کہ یہ تیسرا ہزاریہ جس کا آغاز ہو چکا یہ اسی طرح ہماری تاریخی اور تہذیبی اور علمی اور ثقافتی نمو کا ہزاریہ ثابت ہو جیسے پہلے دو ہزاریوں کے بعض عہد صرف مسلمانوں کی خرد افروزی کا ثبوت تھے۔

•

خاکسار

سمیع اللہ قریشی

Marfat.com

غیر رسمی مراسلہ :6

12 جنوری 2002ء

محترم اساتذہ احباب گرامی اور دانش ور عالم حضرات السلام علیکم!

ہماری سابقہ کئی صدیوں کی تہذیبی، ثقافتی اور علمی زندگی اس بات کی شاہد ہے کہ اسلامی دنیا کے گوشے گوشے میں شہروں شہروں ہر جگہ تین ادارے ایک دوسرے کے ساتھ بہت ہی عمدگی اور خوبصورتی کے ساتھ پیوست ہوا کرتے تھے ایک درس گاہ، ایک کتاب خانہ اور ایک مسجد اور بعض جگہوں پر ساتھ میں ذرا فاصلے پر کسی پرانے مسلمہ دانش ور عالم اور استاد کا مقبرہ بھی۔ یہ سب کچھ سمرقند، بخارا، فسطاط، رباط، خرطوم، دمشق، بغداد، نجف، اصفہان، شیراز، دہلی، لاہور، ملتان، قرطبہ، کاشغر، انقرہ، مکہ اور مدینہ میں دیکھنے کے لیے عام تھا اور اس کے آثار پوری اسلامی دنیا میں کہیں کہیں اب بھی موجود ہیں۔ انہی مراکز سے مختلف علوم کے دھارے پوری قوت سے پھوٹتے رہے اور معلوم دنیا تک اپنا ترشح کرتے رہے۔ جب میں سوچتا ہوں کہ علم کی برکات کی یہ فراوانی کیسے ممکن ہوتی رہی اور اب ایسا کیوں نہیں ہو پا رہا تو مجھے ایک ہی بات سوجھتی ہے کہ اس سارے علمی تہذیبی عمل اور فعالیت کے عقب میں ایک مخلص، دیانتدار، بے نفس، وضع دار ایسے استاد کا وجود تھا جو علم کا حریص تو تھا مگر دولت کا حریص نہ تھا وہ بے زری اور سادگی اور قربانی اور ایثار کے اوصاف اپنے اندر جذب کر کے تو زندگی گزار سکتا تھا مگر لالچ، لالچ اور حرص اور طمع سے ہمیشہ گریزاں رہتا تھا۔ سو در حقیقت اس کی بے نفسی اور ایثار ہی جہاں علوم کی نمو کا باعث بنتے تھے وہاں شاگرد کی شخصیت کی بہتر سنوار کا باعث بھی ٹھہرتے تھے اور اسی باعث دانش ور اور عالم استاد کے علمی وقار کے سامنے بادشاہ بھی اپنا سر جھکا دینے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ انہی دنوں ولی الٰہی خاندان کے تذکرے میں ایک چشم کشا واقعہ میرے مطالعے میں آیا ہے۔ آپ بھی سن لیجئے......

اورنگزیب عالمگیرؒ نے سوچا کہ عالمی مسائل کی کوئی کتاب ہونی چاہیے۔ جس سے مسلمان ہمیشہ فائدہ اٹھاتے رہیں اس کام کے لیے اس نے علماء کی ایک کمیٹی تشکیل دی اس کمیٹی کے نگران

Marfat.com

شاہ عبدالرحیم تھے۔ شاہ صاحب کی نگرانی میں علماء کرام نے فتاویٰ ترتیب دیئے۔ جب یہ مجموعہ تیار ہو گیا تو شاہ صاحب نے تمام علماء کے مشورے سے اس مجموعہ کا نام ''فتاویٰ عالمگیری'' رکھا اور بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ عالمگیر بہت خوش ہوا اور اسی وقت اس نے انعام میں جاگیر عطا فرمائی اور انعام واکرام کا فرمان آپ کو دے دیا۔ آپ نے پڑھا، قلم اٹھایا اور اس کے پیچھے لکھ دیا ''کم ہے'' اور عالمگیر کے سامنے پیش کر دیا۔ اس نے دیکھا انعام اور جاگیر دوگنی کر دی اس طرح کئی بار ہوا تو عالمگیر شاہ صاحب سے بدظن ہو گیا کہ جس بڑے عالم کو متقی سمجھا جا رہا تھا وہ اتنا بڑا حریص نکلا اس نے جھنجھلا کر شاہ صاحب سے پوچھا ''آخر تم کیا چاہتے ہو؟'' شاہ صاحب نے فرمایا ''میں اس کی بہت بڑی قیمت چاہتا ہوں۔ وہ آپ نہ دے سکیں گے''۔ عالمگیر نے پوچھا وہ کیا؟ شاہ صاحب نے فرمایا ''جنت'' یہ سن کر عالمگیر کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ فرمان تہہ کر کے اپنی جیب میں رکھا۔ عالمگیر کبھی کبھی یہ فرمان نکال کر پڑھا کرتا تھا اور رویا کرتا تھا اور شاہ صاحب کے لیے دعائے خیر کیا کرتا تھا۔

شاہ صاحب کی یہی نیک نیتی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے خاندان میں نہایت متقی اور پرہیزگار علماء پیدا کیے۔ نبی آخرالزماں، فخرِ موجودات وکائنات، تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جس شخص کی نیت آخرت کی تیاری کی ہو، اللہ تعالیٰ اس کے دل کو غنی کر دیتا ہے۔ اس کی پریشانیاں سمیٹ دیتا ہے اور دنیا ذلیل وخوار ہو کر اس کے پاس آ جاتی ہے۔

اوپر جس عظیم ہستی کی مثال دی گئی ہے راقم کا اشارہ حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کی طرف ہے۔ وہ سید احمد شہید کے مرشد شاہ ولی اللہ کے والد تھے۔''

ہمارے اساتذہ، علماء اور دانش ور اللہ کا خوف رکھنے والوں کی یہی روایت رہی ہے کہ بے شک دوسرے ادارات سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے مزاج، وطیرے اور رویوں میں فرق آ سکتا ہے۔ آتا ہے اور عہدِ حاضر میں تو جرم کی حد تک آ چکا ہے لیکن المیہ یہ ہے کہ علماء، اساتذہ اور سکالرز کے رویئے بھی بہت کچھ وہ نہیں رہ گئے جو کبھی ان کا طرۂ امتیاز تھے۔ وہ کسی کے سامنے جھکے بغیر اور دولت کا لالچ کیے بغیر اپنے فرض کی ادائیگی میں ایک دھن اور لگن کے ساتھ مصروفِ عمل رہتے تھے۔ انہوں نے دنیا سے کچھ بھی صلہ کی خواہش اپنے دلوں میں نہ رکھی بلکہ اپنا بہتر صلہ اللہ کی ذات پر چھوڑ کر اپنے عمل کے وقار کو قائم رکھا۔ ان کے پیشِ نظر ہمیشہ اللہ کا یہ فرمان رہا۔

Marfat.com

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء

ہم اپنے آج کے رویوں پر اک ذرا سی نظر ثانی کر سکیں اور اللہ کا خوف جو دانش ور کی پہچان ہے۔ اسے پھر اپنانے کی سعی کر دیکھیں۔ علم اور دانش اور استاد کا وقار دوبارہ ہمیں نصیب ہو سکتا ہے۔

والسلام

خاکسار

سمیع اللہ قریشی

Marfat.com

غیر رسمی مراسلہ: 7

4 نومبر 2003ء جھنگ صدر

محترم اساتذہ اور احباب گرامی السلام علیکم

اپنی تدریسی زندگی میں مجھے اکثر یہ سوچنے کا موقع ملتا رہا کہ آخر ہمارے ہاں بالعموم سماجی سطح پر اور بالخصوص تعلیمی اداراتی سطح پر زوال علم کے ساتھ ساتھ زوال اخلاق و عمل کی صورت روز بروز آخر کیوں زوال آ کادگی کا شکار ہوتی جارہی ہے۔ مجھے یوں سمجھ آتی ہے کہ ہمارے ہاں مفاد پرستی اور دولت پرستی ہی اس کی اصل وجوہات ہیں۔ یہ دونوں انسانی کردار کی ایسی منفی صفات ہیں جو شخص کو زندگی کے دورانیے میں بہت سارے مراحل طے کر کے شخصیت کے مقام تک پہنچنے نہیں دیتیں چنانچہ بے محابا بڑھتی ہوئی آبادی میں زبان سے اللہ ہو کہنے والے تو سب مل جائیں گے مگر عمل کے پختہ کار انسان عنقا ہوتے چلے جارہے ہیں جس کا لازمی نتیجہ بالآخر ہمارا تہذیبی زوال ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر اعلیٰ انسانوں میں کونسی ایسی خصوصیات ہوتی ہیں جن کے باعث ہم ان کی عظمت کے آگے جھکنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ سو ایک تو یہ کہ ان کے دل انسانی ہمدردی سے معمور ہوتے ہیں۔ انسانیت دنیا کے کسی کونے میں دکھی ہو ان کے دل میں ٹیس اٹھتی ہے۔ وہ یہ نہیں دیکھتے کہ دکھی کا مذہب، یا اس کی قومیت کیا ہے اور اس کا کس نسل سے تعلق ہے۔ یہ دل سوزی کی صفت قدر مشترک ہے جو دنیا کے اعلیٰ پائے کے انسانوں میں ملتی ہے۔ یہ دلسوزی محض زبانی جمع خرچ تک محدود نہیں ہوتی بلکہ انہیں خدمت خلق کے لیے ابھارتی ہے۔ یہ بے غرضی اپنوں اور پرایوں میں فرق و امتیاز نہیں کرتی۔

اعلیٰ سیرت کی تعمیر میں جہاں اقدار عالیہ سے گہرا لگاؤ ضروری ہے وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ فکر کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہو، تا کہ تمام معاملات کی نسبت جن کا تعلق اپنی ذات سے یا جماعتی زندگی کے مسائل سے ہو، آدمی صحیح نتائج اخذ کر سکے۔

پختہ کار انسان وہ ہے جس میں مردانہ اوصاف پائے جائیں۔ جو حقیقت واقعہ کا اعتراف

Marfat.com

کرے جو رد عمل سے اوپر اٹھ کر معاملہ کرے جو اپنے جذبات کو قابو میں رکھ سکے جس کے اندر ناخوش گواری کو تحمل کے ساتھ عبور کرنے کی صلاحیت ہو جو لوہے کی طرح قابل اعتماد کردار کا حامل ہو۔

یہی پختگی انسانیت کا کمال ہے۔ جس انسان کے اندر یہ خصوصیات ہوں، وہی کامل انسان ہے۔ وہی انسانیت کے اعلیٰ درجہ تک پہنچا ہے ایسے ہی افراد زندگی میں کوئی حقیقی کارنامہ انجام دیتے ہیں اور یہی افراد ہیں جو کسی قوم کو ترقی اور کامیابی کی طرف لے جاتے ہیں۔

اگر آج کا استاد اپنی قومی اور ملی روایات کو زندہ کرتے ہوئے ایک دفعہ پھر اپنے شاگردوں میں اور بزرگ اپنے گھرانوں کی نئی نسل میں پختہ کردار کی ایسی ہی صفات خلوص اور محبت سے اجاگر کرنے کی طرف توجہ دیں تو کچھ عجب نہیں کہ وہ جو کردار کی پختگی معاشرے میں عنقا ہوتی چلی جا رہی ہے اس کا احیاء ہو سکے۔ مجھے ایک مشہور یورپی دانشور Ann Landers کا ایک مضمون پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ اس نے کردار کی پختگی کے حوالے کیا خوب خیالات کا اظہار کیا ہے وہ کہتا ہے......

"آدمی غصہ پر قابو پالے اور اختلافات کو تشدد اور تخریب کے بغیر حل کر سکے۔ پختگی برداشت کا نام ہے، یہ آمادگی کہ دیر طلب فائدہ کے لیے وقتی خوشی کو ترک کر دیا جائے۔ پختگی بے غرضی ہے، دوسروں کی ضرورتوں میں ان کے کام آنا۔ پختگی اس استعداد کا نام ہے کہ ناخوش گواری اور مایوسی کا سامنا کسی تلخی کے بغیر کیا جائے۔ پختگی انکساری ہے۔ ایک پختہ انسان یہ کہنے کے قابل ہوتا ہے کہ "میں غلطی پر تھا" اور جب وہ صحیح ثابت ہوتا ہے تو وہ یہ نہیں کہتا کہ یہ بات میں نے تمہیں بتا دی تھی۔ پختگی کا مطلب ہے قابل اعتماد اور ایمان دار ہونا، اپنے وعدہ کو ہر حال میں پورا کرنا۔ پختگی اس صلاحیت کا نام ہے کہ ہم ان چیزوں کے ساتھ پرامن طور پر رہ سکیں جن کو ہم بدل نہیں سکتے"۔

اچھی زندگی بسر کرنے کے لیے یہ مشاورت کتنی عمدہ ہے۔ اپنے کردار میں پختگی پیدا کر کے انہی اوصاف کو اپنے شاگردوں میں اتار دینا یا کم از کم ایسا کرنے کی پرخلوص سعی و کوشش بھی ایک سچے استاد کے اپنے فرض منصبی کو نبھانے کی ایک ایسی صورت ہوگی کہ نسلیں اس کا نام یاد رکھیں گی۔ یہ رویہ تعلیم بھی ہوگا اور تربیت بھی۔ میری دانست میں یہ مشاورت ایک طرح کا بلاوا ہے کیوں نہ اس پر لبیک کہا جائے۔

خاکسار

سمیع اللہ قریشی

Marfat.com

غیر رسمی مراسلہ :8

12 جنوری 2004ء جھنگ صدر

محترم اساتذہ السلام علیکم

اسے حسن اتفاق ہی کہا جا سکتا ہے کہ مجھے اپنی 36 برس کی تدریس اور انتظامی زندگی میں صوبہ پنجاب کے وسطی شمالی اور جنوبی ہر حصے میں کام کرنے کا موقع میسر آتا رہا ہے اور یوں مجھے مختلف علاقوں کے زنانہ اور مردانہ کالجوں کے تعلیمی اور انتظامی حالات، پرنسپل صاحبان اور خواتین اساتذہ اور طلباء و طالبات کے ساتھ ہی ساتھ شہریوں اور عمائدین علاقہ کے رویوں کو بھی دیکھنے اور جانچنے پرکھنے کا خوب خوب موقع ملتا رہا ہے جب بھی یہ سوال میرے سامنے آیا کہ طالبعلم، استاد اور والدین کی مثلث میں سے آخر تعلیمی حالات کو تعلیمی اداروں میں بگاڑنے اور تعلیمی امور کو روبہ زوال کرنے میں آخر سب سے زیادہ کس کا ہاتھ ہے تو استاد ہونے کے باوجود میں اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ دیانتداری کا تقاضا یہی ہے کہ میں یہ اعتراف کروں کہ اس کی سب سے زیادہ ذمہ داری دراصل مجھ پر یعنی استاد پر ہی عائد ہوتی ہے۔ اس کی بہت سی ایسی وجوہات ہیں جنہیں جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ میری اس رائے کو اپنے قبیلے سے غداری کے مترادف بھی قرار دیا جاتا رہا اگرچہ بے لاگ سوچ رکھنے والے اساتذہ نے اس سے اتفاق بھی کیا۔ تاہم انہی دنوں مجھے برصغیر کے ایک نامور اور پرانے استاد ڈاکٹر یوسف حسین خان کی خودنوشت سوانح حیات کے مطالعہ کی سعادت حاصل ہوئی جو اساتذہ کے تسلیم شدہ گھرانے سے تعلق رکھتے تھے یعنی صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین خان ان کے بڑے بھائی اور ڈاکٹر محمود حسین خان سابق مرکزی وزیر تعلیم پاکستان ان کے چھوٹے بھائی تھے اور ان تینوں میں سے ہر ایک نے برصغیر کے اعلیٰ ترین تعلیمی اداروں کی سربراہی بھی کی۔ برسوں استاد بھی رہے اور یہ سب اعلیٰ پایہ کی کتب کے مصنف بھی تھے۔ ڈاکٹر یوسف حسین خان کی کتاب کا نام یادوں کی دنیا ہے، یہ ایک نہایت دلچسپ یادداشتی مجموعہ ہے جو ایک ایسے منجھے ہوئے استاد کے قلم سے نکلا جس نے علی گڑھ جامعہ ملیہ اور فرانس کی یونیورسٹیوں سے تعلیمی اسناد حاصل

Marfat.com

گیں اور پھر جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن میں 28 برس بحیثیت پروفیسر اور سات برس پرو وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ گزارے۔ آج کے اساتذہ کے دکھ دہ اور غیر ذمہ دارانہ رویوں کے بارے میں ان کا تجزیہ حرف آخر ہے۔ یہ ہے کڑوا گھونٹ مگر کیا حرج ہے پی لیجیے شاید یوں ہمیں اپنا احتساب کرنے کا موقع بھی مل جائے وہ کہتے ہیں۔

''آج ہماری درسگاہوں میں جو عام طور پر نظم وضبط کا فقدان ہے۔ اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ گزشتہ پندرہ سولہ سال میں استادوں کی پرانی پیڑھی کی جگہ نئی پیڑھی نے لے لی ہے جسے اپنے کام سے جیسی دلچسپی ہونی چاہیے ویسی نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ مذہب اور اخلاق کی بندھنیں ڈھیلی پڑ گئی ہیں۔ جس کے باعث نوجوانوں میں سر پھرا پن بڑھ گیا ہے۔ ان کی نظر میں نہ کسی کا ادب ہے نہ کسی کا لحاظ، نہ اپنی علمی اور اخلاقی کوتاہیوں کو دور کرنے کی خواہش۔ جب اچھائی اور برائی کی تمیز ہی اٹھ جائے تو پھر سدھار کی کون سی شکل باقی رہتی ہے۔ ان استادوں میں سے اکثر و بیشتر نے غلط پیشے کا انتخاب کیا ہے۔ ان کا دل اس میں نہیں، کہیں اور رہتا ہے اس لیے وہ بیگار ٹالتے ہیں۔ اپنی کوتاہیوں کو چھپانے کے لیے پارٹی بازی میں پڑ جاتے ہیں اور طالب علموں کو غلط امیدیں دلا کر انہیں اپنی سیاست میں مبتلا کرتے ہیں۔ انہیں طالب علموں سے سچی ہمدردی نہیں اور نہ ہی ان کی اخلاقی اور ذہنی نشوونما کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ توجہ کریں کیوں؟ اوپر کے چند عہدہ داروں کو ملا لیا بس پھر اطمینان ہے۔ اب کون پوچھنے والا ہے کہ تمہارے منہ میں کتنے دانت ہیں۔ ہندوستان کی کسی یونیورسٹی کے اسٹاف کلب میں چلے جائیے۔ ٹینس کے بعد یا تو شطرنج اور تاش کھیلے جاتے ہیں یا گپ ہوتی ہے۔ گفتگو کا موضوع بیشتر یہ ہوتا ہے کہ تنخواہ کس طرح بڑھوائی جائے۔ فلاں یونیورسٹی میں گریڈ بڑھ گئے۔ ہمارے یہاں اب تک نہیں بڑھے۔ گریڈ میں اضافے کی خواہش بالکل جائز خواہش ہے لیکن یہی تو سب کچھ نہیں۔ اس کے علاوہ کبھی یہ بھی تو گفتگو کا موضوع ہونا چاہیے کہ طالبعلموں کی ذہنی اور اخلاقی نشوونما کے لیے کیا تدابیر اختیار کی جائیں۔ آج ہماری یونیورسٹیوں کی گراوٹ اور ان کی فضا کی خرابی کی اصل وجہ یہی ہے کہ استادوں کی دلچسپی کا مرکز طالب علم نہیں رہے بلکہ ذاتی مادی یا گروہ بندی کی سیاست ان کی تمام تر توجہ کو جذب کر لیتی ہے۔ سیاست بازی کا جب آسان نسخہ موجود ہے تو مشقت کر کے اپنی قابلیت بڑھانے اور اس طرح اپنی علمی حیثیت منوانے کی کیا ضرورت ہے۔ بغیر اس کے بھی گریڈ مل جاتا ہے جو

Marfat.com

مقصود و منشا ہے۔"

میں نے ڈاکٹر یوسف حسین خان کے اس تجزیے پر بہت غور کیا ہے کہ میں کہیں انہیں جھٹلا سکوں حرف گیری کر سکوں یا اختلاف کر پاؤں مگر میں واقعتاً ایسا کرنے میں ناکام رہا ہوں۔ ظاہر ہے کہ سچ تو پھر سچ ہی ہوتا ہے۔ ہم اساتذہ اپنے دفاع میں بہت ساری لنگڑی لولی باتیں کر لیں گے بہت سارے دلائل دے لیں گے مگر اس حقیقت پسندانہ تجزیہ کے مقابلے میں جو خود ایک پرانے مسلمہ اور تجربہ کار استاد نے کیا ہے سب بے معنی ہوں گے۔

کیا ہم میں یہ ہمت ہے کہ ہم ٹھنڈے دل سے اور خود اپنے پیشہ اپنی ذات اپنے طلباء اور اپنے معاشرے کے ساتھ انصاف اور اخلاص اور ایثار کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے رویوں پر نظر ثانی کرنے کے لیے تیار ہو سکتے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ ہمارے پیغمبرانہ پیشے میں سبھی لوگ ایسے نہ ہوں گے مگر تعلیم ایک ایسا پانی ہے جس میں ایک گندی مچھلی بھی سارے جل کو گندہ کرنے کے لیے کافی ہے۔ کاش ہم وہ مچھلی نہ بنیں۔ کاش ہم اپنا احتساب آپ کرنے کی جرأت اپنے اندر پیدا کر سکیں۔

رکھیو غالب مجھے اس تلخ کدائی سے معاف
آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

خیر اندیش
سمیع اللہ قریشی

Marfat.com

کالج نامہ، گورنمنٹ کالج، جھنگ

(1987ء تا 1993ء اداریئے)

Marfat.com

Marfat.com

Tele 303516

لفٹیننٹ جنرل (ریٹائرڈ) محمد اقبال بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چیئرمین.

PUNJAB

PUBLIC SERVICE COMMISSION

2- آغا خان روڈ، لاہور- 54000

بتاریخ ۱۶ دسمبر ۹۲

پروفیسر سمیع اللہ قریشی

پرنسپل، گورنمنٹ کالج جھنگ

محترمی

آپکے کالج کا کالج نامہ اشاعت دوازدہم وصول ہوا۔

میری آپکے کالج سے کوئی خاص واقفیت نہ ہے مگر کبھی اس طرف سے گزر ہوا تو حاضر ہونگا۔

آجکل کے زمانہ میں اس سلیقہ سے کالج میں معروضیات کا پڑھکر دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔

باری تعالیٰ آپکو کامیاب فرمائے۔

اقبال

لفٹیننٹ جنرل ریٹائرڈ

چیئرمین

(محمد اقبال)

Marfat.com

پیغام

سب سے زیادہ بہادر، عقلمند اور ذہین وہ ہوتا ہے جو اپنی محبت کو اپنی پہچان بناتا ہے اور محبت اور پیار کے حوالے سے دوسروں کے ساتھ اپنے تعلقات استوار کرتا ہے اور محبت ہی کو اپنی حفاظت کا ذریعہ بناتا ہے۔ اس سے کم بہادر، عقلمند اور ذہین وہ ہوتا ہے جو مال و دولت میں اپنی پناہ تلاش کرتا ہے۔ اس سے بھی کم بہادر، عقلمند اور ذہین وہ ہوتا ہے جو اپنے اختیارات کو اپنی حفاظت خیال کرتا ہے اور سب سے بزدل، کم عقل اور بیوقوف وہ ہوتا ہے جو اپنی جیب میں اسلحہ رکھتا ہے اور بات بات پر غنڈہ گردی پر اتر آتا ہے اپنی حفاظت کے لیے اپنے گھر کے اردگرد آگ جلا لیتا ہے مگر نہیں جانتا کہ اس اپنی ہی لگائی ہوئی آگ میں جل کر وہ خود بھی راکھ ہو سکتا ہے۔ اس صورتحال کا علاج آگ بجھانے والوں اور اسلحہ چھین لینے والوں کے پاس نہیں۔ اس کا علاج تو صورتحال کو تبدیل کرنے کی مثبت کوششوں کے پاس ہے۔ وہ مثبت کوششیں جو قومی سطح پر سوچنے والوں کی مدد کریں۔ لوگوں میں محبت اور رواداری کے جذبے پیدا کریں اور انہیں انسان کے اندر اور باہر کے دیرپا امن اور انصاف سے روشناس کرائیں۔

اداریہ...... کالج نامہ گورنمنٹ کالج جھنگ پہلی اشاعت

Marfat.com

سنو میرے بچو......!

ہماری یونیورسٹیوں اور کالجوں کو امن وسکون کا گہوارہ ہونا چاہیے تا کہ اساتذہ درس وتدریس کا فریضہ دلجمعی سے ادا کر سکیں اور طلباء اور طالبات اپنی تمام تر توجہ تحصیل علم پر مرکوز رکھ سکیں جہاں ہنگامہ وفساد ہوگا، انتشار اور کشیدگی ہوگی، وہاں تعلیم و تعلم کا سلسلہ کیسے جاری رہ سکے گا۔اس ضمن میں طلباء کو مثبت رویہ اپنانا ہوگا، وہ معاشرے کا سب سے حساس اور پر جوش حصہ ہیں۔وہ خرابی اور برائی سے کم ہی مصالحت کرتے ہیں اور زندگی کے تمام شعبوں میں فکر وعمل کا اجلا اور پاکیزہ معیار قائم کرنے کی تمنار کھتے ہیں۔ان کے انہی خصائص کی بناء پر دنیا بھر کی اقوام انہیں اپنی متاع بے بہا گردانتی اور اپنے مستقبل کا امین مانتی ہیں،نوجوان طلباء علم و ہنر سے آراستہ ہوں تو جبھی میدان عمل میں اتر کر اپنی تعمیری اور تخلیقی صلاحیتوں کے اظہار پر قادر رہتے ہیں اور اپنے ملک کے لیے سرفرازی کا سبب بنتے ہیں۔ پاکستان کو جن اقتصادی اور معاشرتی مسائل کا سامنا ہے، اس کے گردو پیش میں جس طرح کے حالات ہیں، ملک میں تعلیم کا جو تناسب اور معیار ہے، اس سے کون واقف نہیں۔ یہ مسائل اسی صورت میں حل ہو سکتے ہیں اور پاکستان درپیش سنگین حالات سے جبھی عہدہ براء ہوسکتا ہے کہ اسے داخلی طور پر امن وسکون میسر ہو اور اس کے افرادی اور مادی وسائل، تعمیری مقاصد کی تکمیل کے لیے وقف رہیں۔ طلباء کی صفوں میں سے ہی سائنس دان، ٹیکنالوجسٹ، محقق، مؤرخ، معلم، فلسفی اور رہنما نکلتے آئے ہیں، یہ سلسلہ قائم رکھنے کے لیے ضبط، تحمل، صبر اور ریاضت چاہیے، کوئی سی الجھن ہو اسے حکمت اور تدبر سے سلجھانے کی روایت پر سختی سے کاربند رہنا چاہیے۔ اگر لوگ جوش انتقام میں خود قانون کو ہاتھ میں لینے لگیں تو پھر افراتفری پھیل جائے گی۔ جس میں اصلاح کی گنجائش کم اور بگاڑ کا امکان زیادہ رہتا ہے، طلباء پر لازم ہے کہ وہ اپنے جذبات اور احساسات کے اظہار کا کوئی ایسا پیرایہ اختیار نہ کریں جس کے سبب سے املاک کو نقصان پہنچتا ہو اور نفرت اور انتقام کی آگ کو ہوا ملتی ہو۔ ہم ایک مہذب اور شائستہ

Marfat.com

معاشرے کی تعمیر کے داعی ہیں تو پھر ہمیں رسول اکرمؐ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کرنی چاہیے اور آپؐ کی حدیث مبارکہ کو ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ غصہ اور عقل یکجا نہیں ہو سکتے، جب غصہ آتا ہے تو عقل ساتھ چھوڑ جاتی ہے، یہ بات طلباء، اساتذہ، والدین، معاشرے، انتظامیہ اور پولیس غرض سب کے ملحوظ رکھنے کی ہے، معاملہ فہمی کا عنصر بہر طور نمایاں رکھنا چاہیے تاکہ تلخی اور ناگواری پیدا نہ ہو اور کشیدگی اور تصادم کی نوبت نہ آئے۔ آئندہ مہینے ایف اے، ایف ایس سی کے امتحان شروع ہو رہے ہیں، بی اے اور ایم اے کے امتحان بھی سر پر ہیں، ایسے میں یونیورسٹیوں اور کالجوں ہی کو نہیں پورے ماحول کو پُرامن رکھنے کی شعوری کوشش کی جانی چاہیے، تاکہ طلباء اور طالبات سکون کے ساتھ امتحان کی تیاری کر سکیں اور امتحان دے سکیں، ہمارا معیار تعلیم اتنا گرا ہوا کیوں ہے؟ اس پر غور و بحث کا سلسلہ جاری ہے، طلباء کو اپنی قابلیت میں اضافہ کر کے اور اپنے ذاتی جوہر کو چمکا کر تخصص اور امتیاز حاصل کرنا چاہیے، دوسرا ہر طریقہ منفی اور اجتماعی خرابی کا موجب ہوگا۔

● اداریہ اشاعت دوم کالج نامہ گورنمنٹ کالج جھنگ

Marfat.com

میرے عزیز طالب علمو!

کالج میں انجمن طلباء کے انتخابات بحمد اللہ تکمیل کو پہنچے۔ آپ سب نے اپنی رائے کا آزادانہ اظہار کرتے ہوئے اپنی انجمن کی تشکیل کر دی۔ آپ کو مبارک ہو دراصل یہ ایک جمہوری تجربہ ہے جس سے آپ کو گزرنے کا موقع دیا گیا۔ کیونکہ اپنی قوم اور ملک کے مستقبل کے معمار دراصل آپ ہیں۔ اب یہ ثابت کرنا آپ کے ذمہ ہے کہ آپ واقعی اگر کالج کیمپس کے اندر اخلاقی اقدار، امن وامان، مطالعہ اور تدریس کا ماحول قائم رکھ سکتے ہیں تو کل پورے ملک کی زمام کار بھی سنبھالنے کی قوت رکھتے ہیں اور اگر خدانخواستہ ایسا نہیں ہے تو پھر آپ اپنے ملک کی باگ ڈور سنبھالنے کے اہل نہ سمجھے جانے چاہیں۔

انجمن طلباء کا بنیادی مقصد یہ ہوتا ہے کہ انجمن آئین کی حدود میں رہتے ہوئے، اپنے پرنسپل اور اساتذہ کی مشاورت سے مباحثات، علمی تقاریر، سیمینار، ثقافتی اجتماعات اور مشاعروں کے انعقاد کا بندوبست کرے۔ نہ کہ کالج یونین، بیرونی سیاسی جماعتوں کے انداز میں کالج کیمپس کو بھی سیاسی نعرہ بازیوں کی خاطر اکھاڑہ بنا لیا جائے یا مختلف فرقہ وارانہ مذہبی جماعتوں کی پشت پناہی پر دنگا اور فساد کیا جاتا رہے۔ اس معاملے میں اساتذہ کو بھی ایک محتاط رویہ اختیار کرنا لازمی ہے۔ وہ ذاتی حیثیت میں جو کچھ بھی سیاسی یا مذہبی رائے رکھیں مگر اپنے طلباء کو اس کی ترویج کے لیے ہرگز آلۂ کار نہ بنائیں۔ کیمپس کے اندر طلباء کی آمد کا بنیادی مقصد صرف یہ ہے کہ انہیں اپنی خواہش کے علوم کے زیور سے اپنے کردار اور شعور کو آراستہ کرنا ہے اور اعلیٰ سند کے حصول کے لائق اپنے آپ کو ثابت کرنا ہے۔ ایک والد جب اپنے نوجوان بیٹے کو کالج میں داخلہ کے لیے لے کر آتا ہے تو یقیناً اسی بنیادی خواہش کے ساتھ آتا ہے کہ بیٹا علم کی قوت کے بل پر اپنے خاندان کا دست و بازو بن سکے بطور طالبعلم اولاد میں اس قدر صلاحیت پیدا ہو جائے کہ وہ اپنے ملکی گرد و پیش کی الٹ پھیر کو سمجھ سکے۔ دلائل سے دوسروں کو قائل کر سکے مگر کیمپس کے اندر جماعتی محاذ آرائی کی صورت

Marfat.com

پیدا نہ ہونے دے اگر ایسا ہوتا ہے تو والدین اور استاد کی مشترکہ دولت یعنی طالبعلم مادر علمی سے کچھ بھی فیض اٹھائے بغیر ہی گویا ناکام گھر لوٹ جائے گا ایسی ہی صورتحال والدین کی کمر توڑ کر رکھ دیتی ہے۔ سیاست کا مزا، کالج کے اندر کی نہیں کالج کے باہر کی چیز ہوتی ہے۔ سو طلباء یونین بنی ہے، بنے لیکن بیرونی عناصر کی خاطر نہیں، اپنی خاطر، اپنی تربیت کی خاطر اور اپنے اور مادر علمی کے وقار کی خاطر جو طالبعلم اپنی تعلیم اور اپنے اچھے مستقبل پر باہر کی آواز اور باہر کی سیاست کو ترجیح دیتا ہے وہ علم کے راستے کا مسافر نہیں جس کے قدموں تلے ارشاد نبویؐ کے مطابق فرشتے پر بچھاتے ہیں بلکہ سیاسی لوگوں کا آلۂ کار ہے گویا اپنا دشمن آپ ہے۔

انتخاب ہوا کرتا ہے تو ہار جیت دونوں کے امکان برابر ہوتے ہیں۔ اپنی سطح پر ہارنے والے کو تحمل اور بزدباری کا ثبوت دینا ہے اور یہ سیکھنا ہے کہ شکست برداشت کرنا بھی مردانگی کا حصہ ہے۔ جیتنے والے کو فراخ حوصلہ اور روادار بننا ہے اور ہارنے والے ساتھی کو اپنے سینے سے لگانا ہے۔ اس لیے کہ بالآخر ہر دو کو علم کا پرچم تھام کر ہی اپنی مادر علمی کا وقار بلند کرنا ہے۔ ایک طالبعلم کا رہنما استاد ہے۔ سیاستدان کے رویے کو تو اسے دور سے دیکھنا ہے تا کہ اس کے ملک اور قوم کا مستقبل اس کے پیش نظر رہے۔ طالبعلم کو سیاست زدہ نہیں ہونا بلکہ سیاسی شعور حاصل کرنا ہے۔ وہ جو کیمپس کے اندر یا باہر طالبعلم کو سیاسی یا مذہبی تعصب کے مرض میں مبتلا کر دیتا ہے، پوری قومی ترقی کو فنا کر دیتا ہے۔ کسی قوم کا مستقبل خراب کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ اس کی نئی نسل کو غلط راستوں پر ڈال دیا جائے۔ یہ بات واضح ہو جانی چاہیے کہ جہاں سیاست چلے گی وہاں کبھی تعلیم کا ماحول پیدا نہیں ہو گا ہاں شاید آگ برسانے والا اسلحہ ضرور آ جائے اور طالبعلم کو بارودی اسلحہ کی نہیں، علمی اسلحہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ قوم طلباء سے نظم و ضبط، محنت، احساس فرض اور کردار کے ساتھ جسم کی صحت کی بھی توقع رکھتی ہے، نت نئے ہنگاموں، توڑ پھوڑ، نعرے بازی اور بدامنی کی خواہش نہیں رکھتی۔ علم سے بڑھ کر دوسرا کوئی اسلحہ طاقتور نہیں ہو سکتا۔

تعلیمی اداروں میں آئے دن کی ہنگامہ آرائی کے نتیجے میں لامحالہ تعلیم کا معیار بھی بڑی شدت سے متاثر ہوتا ہے۔ معیار تعلیم کی گراوٹ ہمارا قومی نقصان ہے۔ معیار تعلیم سائنس اور آرٹس ہر شعبے میں زوال پذیر ہے جبکہ دور حاضر میں کوئی قوم ترقی کے چیلنج سے اس وقت تک عہدہ برآ ہو ہی نہیں سکتی جب تک کہ ان تمام علوم وفنون پر حاوی نہ ہو۔ ہمارے طلبا کو ہمارے ملک میں

Marfat.com

ہونے والی جمہوری تبدیلیوں سے بے شک اپنے آپ کو ہم آہنگ کرنا چاہیے مگر مثبت انداز میں، منفی رنگ میں نہیں۔ طلبہ انجمنوں کی تشکیل کے بعد اب کالج میں اس بات کی آزادی ہے کہ وہ اپنی تعلیمی، نصابی اور صحتمند ہم نصابی سرگرمیوں کو ایک پلیٹ فارم سے پیش کر سکتے ہیں۔ یہ انجمن ملک کی آئندہ جمہوری قیادت کی نرسری ہے یہاں کام کر کے طلبہ عملی زندگی میں سیاسی مشاغل سے واقفیت حاصل کر سکتے ہیں۔ ملک میں جمہوریت اور تعلیمی اداروں میں طلباء انجمنوں کے احیاء کے بعد تو اس بات کا مطلقاً اور کوئی جواز باقی نہیں رہ گیا کہ طلباء توڑ پھوڑ اور اسلحے کا سہارا لیں۔ انہیں اپنی توجہ تعمیری اور تدریسی سرگرمیوں پر مرکوز کر دینی چاہیے۔ محض ایک ڈگری ہی کامیابی کی ضمانت نہیں ہوا کرتی۔ کامیابی کے لیے ڈسپلن، بھرپور محنتی رویہ، اعلیٰ پیشہ وارانہ مہارت اور امن و احتیاط کے رویے کی بھی ضرورت ہے۔ یہ خوبیاں تبھی حاصل ہوتی ہیں جب پرامن حالات میں پڑھائی ہوتی رہے اور طلباء اور استاد یکسوئی سے علم پر اپنی توجہ دے سکیں۔ ہمارا ایک ترقی پذیر ملک ہے اسے بہترین افرادی قوت چاہیے جس کے لیے امن و عافیت کا قیام شرط اول ہے۔ جبر، تشدد، غنڈہ گردی اور نقل کے رجحانات سے الگ رہ کر ہی شاندار نتائج حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ آج طالبعلم کو اپنے آپ کو ان فکری صلاحیتوں سے آراستہ کرنے کی ضرورت ہے جو عملی زندگی میں کام آتی ہیں۔ ہمارا طالبعلم، اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک ہے۔ اسے بس اپنے سفر کی سمت درست کرنے کی ضرورت ہے مجھے امید ہے کہ میرے طالبعلم مجھے، اپنے اساتذہ اور اپنے والدین کو کبھی مایوس نہیں کریں گے۔

اداریہ......کالج نامہ گورنمنٹ کالج جھنگ پانچویں اشاعت

Marfat.com

میرے عزیز طلباء کے محترم والدین

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

مرزا غالب کا ایک بہت مشہور شعر ہے۔

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی سے معاف
آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

پچھلے دنوں ہمارے ہاں ایک ایسی فضا پیدا ہوئی کہ کالج کا خوشگوار ماحول مکدر ہو کر رہ گیا۔ انجمن طلبا کے قیام کے بعد مطالبات کا پیش ہونا بھی لازمی تھا اور مطالبات تمام تر پورے نہ ہو سکیں تو نوجوان خون کا گرم ہو جانا بھی لازمی ہو جاتا ہے۔ بہر حال طلباء اپنے گھر کی بات کو لے کر جب کالج کے صحن سے باہر نکل پڑے تو کالج انتظامیہ کے ہاتھ سے بھی سارے اختیار نکل گئے۔ بزرگ درست کہا کرتے ہیں کہ گھر کی بات گھر تک ہی رہے تو اچھا ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چند روز کے لیے مجبوراً کالج بند ہو گیا۔ بچوں کو بامر مجبوری ہوسٹل چھوڑ کر گھروں کو رخصت ہونا پڑا۔ مجھے اس پر بہت دکھ اور رنج ہے اور میں آپ سے اس سلسلے میں معذرت کرتا ہوں مگر بعض اوقات جب باگ ہاتھ سے نکل جاتی ہے تو پیچھے صرف چوٹیں اور پچھتاوے ہی رہ جاتے ہیں۔ یکم جون سے موسم گرما کی تعطیلات کا آغاز ہو رہا ہے بچے گھروں کو پہنچ رہے ہیں۔ پڑھائی کا جو کام ان آخری پانچ سات دنوں میں ہم سے نہ ہو سکا اب ذرا سی توجہ سے آپ اپنے ذمہ لیجیے تا کہ جو کمی پیدا ہوئی ہے وہ پوری ہو جائے، اپنے بیٹے کے مطالعہ کے اوقات پر نظر رکھیے اور اسے بے کار کاموں میں اپنا وقت جو بہت ہی قیمتی ہے ضائع کرنے سے بچائیے۔

حکومت کے وسائل محدود ہوتے ہیں اور پرنسپل کے وسائل تو بہت ہی محدود ہوتے ہیں۔

Marfat.com

اس کے باوجود جو انتظامیہ نے انجمن طلباء کے دفتر کو ایک باوقار شکل دینے کی کوشش کی ہے۔ ہوسٹل میں چند خوبصورت تبدیلیاں لائی گئی ہیں۔ دفتری نظام میں کسی قدر اختصار اور سہولت کو رواج دینے کی کوشش کی ہے البتہ برقی واٹر کولر مہیا کرنا، کالج کے لیے اپنی بس فراہم کرنا اور جن مضامین میں اساتذہ کی کمی ہے ان میں اساتذہ کو دوسری جگہوں سے ان کی مرضی کے خلاف جھنگ لانا یہ ایسے مسائل ہیں جو وقت چاہتے ہیں پھر بھی کالج انتظامیہ ان تعطیلات میں ان تینوں اہم کاموں پر اپنی بھرپور توجہ دے گی۔ اس سلسلے میں حکام بالا سے برابر رابطہ قائم ہے انشاء اللہ مثبت نتائج برآمد ہوں گے۔

میرا خیال ہے آپ بھی میری رائے سے اتفاق کریں گے کہ یہ بات آپ کی اولاد اور میرے طلباء کو ہرگز نہیں بجتی کہ وہ آئے دن ہڑتال، احتجاج اور جلسے جلوس یا ہنگامہ آرائی کا سلسلہ جاری رکھیں اپنے استادوں کے وقار اور عزت کو بھلا دیں اور نت نئے مطالبات تو کریں مگر اپنی تعلیمی ذمہ داریوں کو سرے سے نظر انداز کر دیں اگر توڑ پھوڑ ہوتی رہے اور دنگا فساد کا رجحان پھیلتا جائے تو آخر نقصان کون اٹھائے گا، گیا وقت تو پھر کبھی ہاتھ نہیں آتا۔ پیچھے صرف اور صرف ہاتھ ملنا اور پچھتاوے رہ جاتے ہیں چند ناعاقبت اندیش لوگوں کے بہکاوے میں آ کر اپنی مادر علمی کے پرامن ماحول کو تباہ کر دینا کوئی خوبی کی بات تو نہیں ہے۔

ان حالات میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ میری خاطر، اپنی خاطر، تعلیم کی خاطر، مستقبل کی خاطر اور اس ملک کی خاطر اپنے بچے کو سمجھائیے کہ اسے صرف تعمیر کا ساتھ دینا ہے تخریب کا نہیں۔

استاد کبھی اپنے شاگرد کا دشمن نہیں ہوتا۔ وہ اپنے افکار، اپنے خیالات، اپنا علم، اپنی صلاحیت ہر چیز اپنے شاگردوں کو دے دینا چاہتا ہے اور اس کے صلہ میں کچھ بھی نہیں مانگتا۔ اول تو گالی دینا شرافت کی زبان نہیں ہے۔ اس پر یہ کہ استاد کو گالی دی جائے۔ جائے شرم ہے۔ بچوں کو یہ بات سمجھانی چاہیے کہ اخلاق کی زبان ہی سب سے اچھی زبان ہے آپ اپنے بچے کو مشورہ دے سکتے ہیں کہ کالج کھلنے پر اسے کسی شرانگیزی، توڑ پھوڑ میں حصہ نہیں لینا ہے۔ اسے کسی سیاسی سرگرمی سے واسطہ نہیں رکھنا ہے، اسے کسی استاد کی پگڑی نہیں اچھالنا ہے۔ اسے صرف اور صرف تعلیم حاصل کرنا ہے اور سرخرو ہو کر گھر لوٹنا ہے کہ سربلندی کے سامان اسی میں ہیں۔

Marfat.com

تعطیلات کے دوران یا معاً بعد میں ایک روز آپکو کالج آنے اور اپنی باتیں سننے کی دعوت دوں گا۔ ہم اساتذہ آپ کے گلے گزاریاں بھی سنیں گے۔ اپنی رام کہانی بھی کہیں گے اور مقصد صرف ایک ہوگا ہمارے بچوں کا مستقبل محفوظ ہو جائے۔ ہمارے طلباء صرف تعلیم حاصل کریں۔ عزت کرنا سیکھیں، با اخلاق بنیں کیونکہ میرا اور آپ کا سرمایہ تو صرف وہی ہیں۔ اللہ آپ کے ساتھ ہو۔

کالج نامہ...... اشاعت ششم گورنمنٹ کالج جھنگ

Marfat.com

تاریخ کی دستک

نصف صدی قبل برصغیر کے مسلمانوں کے ملی سفر میں ایک تاریخ ساز لمحے کی نمود ہوئی تھی۔ ایک تابناک لمحہ جس کا طلوع لاہور میں عظیم عالمگیری مسجد کے دامن میں ہوا۔ یہیں قائداعظم محمد علی جناحؒ اور دیگر زعمائے قوم نے ایک بہت بڑے اجتماع کے سامنے اقبالؒ کے خطبہ آلہ آباد کی روشنی میں قرارداد لاہور پیش کی تھی جو قیام پاکستان کی ضمانت ہونے کے باعث آج قرارداد پاکستان کے نام سے موسوم ہے۔ اس کے بعد گویا ملی سفر آزادی کو قوت نصیب ہوئی اور اس کا رخ کردار متعین ہو گیا۔ وطن عزیز پاکستان اسی کا صلہ ہے۔

میں نے اپنے رفقاء کے ساتھ مل کر اس سفر آزادی کی روداد، ریزہ ریزہ انتخاب کر کے اپنے ادارے کے طلباء کے لیے مرتب کی ہے۔ خواہش یہ ہے کہ اسی عنوان......

شاید کہ ترے دل میں اتر جائے میری بات

واقعہ یہ ہے کہ ہماری تاریخ کا یہ جاندار سفر ابھی ختم نہیں ہوا ہم نے تصور پاکستان سے قیام پاکستان اور پھر اب استحکام پاکستان کی منزل کی جانب سفر کیا ہے۔ یہ سفر نسل در نسل ہے۔ ہمارا یہی سفر، وسیلہ ظفر ہے اور ہو گا۔ انشاء اللہ امن، سلامتی، خوشحالی، حصول علم، یہی اس سفر کے پڑاؤ ہیں۔

میرے عزیز طلبا ہم سب کو مل جل کر باہوں میں باہیں ڈال کر ان منزلوں پر پہنچنا ہے۔ تاریخ تمہارے دلوں کے دروازوں پر دستک دے رہی ہے۔ آؤ اس دستک کو سنیں۔

تمہارا پرنسپل

23 مارچ 1990ء کالج نامہ قرارداد پاکستان نمبر

Marfat.com

گورنمنٹ کالج جھنگ کی چھیاسٹھویں سالانہ کھیلوں کے لیے ایک پیغام

کھیل کود اور تفریح انسان کا بنیادی حق ہے۔ کھیل تعلیم کا اہم جز و اور جسم اور روح کا اہم فعل ہے۔ نوع انسانی کے ہر بچے کو اس کی زندگی کے ہر عہد میں کھیل کود کے لیے جگہ ملنی چاہیے۔ ایسا بچہ جسے کھیل کود کے لیے کوئی میدان میسر نہ ہو ایسے شخص کی مانند ہے جس کے پاس کرنے کے لیے کوئی کام کاج ہی نہ ہو اور وہ بچہ جسے کھیل کے لیے خراب میدان ملے وہ ایسے شخص کی طرح ہے جس کو مصروف رکھنے کے لیے کام تو ہے لیکن ایسا کام جو نہ ہوتا تو بہتر تھا در حقیقت بچوں کی کھیل کود تو ایک طرح سے ان کا کام کاج ہے۔ دیکھا جائے تو کھیل اور نشو ونما کا عمل ایک چیز ہیں۔ بچہ ہو یا نوجوان اپنے حوصلے اور قوت برداشت کی انتہا تک اپنے آپ کو کھیل میں گم کر دیتا ہے۔ وہ جب گیند کے پیچھے لپکتا یا بھاگتا ہے تو دراصل اپنے کردار کے گمنام گوشوں تک پہنچنے کی پوری پوری کوشش میں مصروف ہوتا ہے۔ جو اس کی شخصیت کی تہوں میں مضمر ہوتے ہیں چنانچہ وہ ہر صبح یا ہر شام پہلے سے زیادہ اخلاقی پختگی حاصل کر کے میدان سے گھر لوٹتا ہے اور یہ بات بھی کہنے کی ہے کہ ایک شخص محض اس لیے کھیل اور تفریحات سے کنارہ کش نہیں ہو جاتا کہ وہ اب بوڑھا ہو چلا ہے بلکہ وہ بوڑھا ہوتا ہی اس وجہ سے ہے کہ کھیلنا چھوڑ دیتا ہے۔

Marfat.com

پیغام

اس حقیقت میں شبہ کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے کہ طلبہ کی اکثریت تعلیمی اداروں کے ماحول کو پاکیزہ اور پرامن رکھنا چاہتی ہے اور وہ صرف علم کا حصول چاہتے ہیں مگر مٹھی بھر شرپسند طلبہ پورے تعلیمی ماحول کو مکدر بنا کر رکھ دیتے ہیں۔ جس سے تعلیمی عمل کو دھچکا لگتا ہے۔ ان شرپسند طلبہ کے ہاتھوں اساتذہ کی عزت تک محفوظ نہیں ہے دراصل جب سے سیاسی جماعتوں نے تعلیمی اداروں میں اپنی ذیلی شاخیں قائم کی ہیں اس وقت سے تعلیمی اداروں میں توڑ پھوڑ اور گھیراؤ جلاؤ اور مار دھاڑ کا ایسا سلسلہ شروع ہوا ہے جو کسی طور رکنے کا نام نہیں لے رہا حالانکہ آج کے طلباء نے ہی مستقبل میں ملک وقوم کی عظیم ذمہ داریاں سنبھالنا ہیں اگر انہوں نے آج تعلیم کے حصول پر توجہ مرکوز نہ کی تو کل انہیں پشیمان ہونا پڑے گا۔

اس وقت حکومت تعلیم کی ترقی وترویج پر زرکثیر خرچ کر رہی ہے اور طلبہ کو ایسی سہولتیں فراہم کر رہی ہے جن کا ماضی میں تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ان سے استفادہ نہ کرنا بدقسمتی کے سوا اور کیا ہے۔ اگر ہم نے اقوام عالم میں ممتاز مقام حاصل کرنا ہے اور سائنس وٹیکنالوجی میں نمایاں کارنامے انجام دینا ہیں تو پھر نوجوان نسل کو اپنے موجودہ طرز فکر وعمل میں بنیادی تبدیلی پیدا کرنا ہو گی اور اپنی تمام توجہ کو حصول علم کے لیے مختص کرنا ہوگا اور درسگاہیں جو علم و دانش کے گہوارے ہیں انہیں نسل نو کی تعلیم وتشکیل میں اپنا کردار ادا کرنے دینا چاہیے۔ جس قوم کے طلباء درسگاہوں اور اپنے اساتذہ کا احترام نہیں کرتے وہ کبھی کامران وسرفرازی سے ہمکنار نہیں ہو سکتے جہاں تک تعلیمی اداروں میں سیاسی جماعتوں کی دخل اندازی کا تعلق ہے تو اس بارے میں دو رائیں نہیں ہو

Marfat.com

سکتیں کہ وہ قوم کے مستقبل کو تباہ کرنے کے درپے ہیں۔ انہیں دوران تعلیم نوجوانوں کو اپنے سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کرنے سے گریز کرنا چاہیے اسی میں ملک وقوم کی بھلائی کا راز مضمر ہے۔

اسی طرح طلباء کو بھی چاہیے کہ وہ جب تک تعلیم کے حصول کے مراحل سے گذر رہے ہیں انہیں سیاست کو اپنے لیے شجرِ ممنوعہ سمجھنا چاہیے اور انہیں ان کے والدین جن مقاصد کے لیے تعلیمی اداروں میں بھیجتے ہیں انہیں صرف ان کی تکمیل کرنی چاہیے اور اپنے والدین کی توقعات پر پورا اترنا چاہیے۔

اداریہ......کالج نامہ گورنمنٹ کالج جھنگ

Marfat.com

دستک

عزیز طلباء!

منشیات کا پھیلاؤ ایک اجتماعی عذاب بن کر ان گنت انسانوں کی زندگیوں پر اتر رہا ہے اس سے معاشرتی اور اقتصادی ترقی کی راہ میں مسلسل رکاوٹیں پیدا ہو رہی ہیں یہاں تک کہ اقوام عالم کے سیاسی اور سماجی استحکام کو شدید خطرہ لاحق ہو چکا ہے۔ منشیات کی دلدل میں پھنستے چلے جانا ایک ایسا مسئلہ ہے جس سے دنیا بھر کے چھوٹے بڑے سبھی ممالک دوچار ہیں یہی وجہ ہے کہ اس لعنت کے خاتمہ کے لیے سماجی اور سیاسی حدود سے بالاتر ہو کر دل دردمند رکھنے والے ہر فرد اور ہر ادارے کو اقدامات اٹھانا ضروری ہو چکا ہے۔ منشیات کے تیزی سے سرایت کرنے والے اثرات سے معاشرے کا ہر طبقہ متاثر ہوا ہے خاص طور پر نوجوان نسل کے لیے یہ ایک بہت بڑا خطرہ ہے یہ لعنت نوجوانوں کی امنگوں، تخلیقی قوت، طاقت یہاں تک کہ ان کی عزت نفس کو بھی تباہ کر کے رکھ دیتی ہے اس سے رستے بستے گھر اور بھرے پرے خاندان اجڑ کر رہ جاتے ہیں۔ یہ لعنت جمہوریت کو ہلا کر رکھ دیتی ہے۔ اس سے اقتصادی ترقی اور قانونی عمل بدعنوان ہو کر رہ جاتا ہے۔ ایسی مکروہ صورتحال میں کیا یہ میرا آپ کا ہم سب کا فرض نہیں کہ ہم منشیات کی ہولناکیوں کو ختم کرنے کے لیے ممکن حد تک ہر سطح پر جدوجہد کریں انسانیت کی تاریخ میں ایسی مثالیں کم ملتی ہیں جن سے تہذیب اور نسل انسانی کی بقا کو اس قدر زبردست خطرہ لاحق ہوا ہے کہ بے شک منشیات کا عفریت کئی سروں والا ہے اور اس کے کاروبار میں شریک لوگ انسانی روح اور ضمیر کے تاجر ہیں۔

اس بھیانک پس منظر میں ہمیں منشیات کے استعمال اور اس کی تجارت کے خلاف اپنی اپنی

Marfat.com

بساط کے مطابق اور اپنی اپنی سطح پر ضرور قدم اٹھانا ہے۔ کالج نامہ کی تازہ اشاعت کا مواد میں نے خود ترتیب دیا ہے میری خواہش ہے کہ نہ صرف آپ خود اس کا بغور مطالعہ کریں بلکہ اسے اپنے اپنے حلقہ واقفیت میں گلی محلہ اور شہر دیہات ہر جگہ پہنچائیں اس لیے کہ آج یہ بھی وطن کی خدمت میں شامل ہے۔ جہاد ہے شاید کہ اتر جائے ہر اک دل میں مری بات۔

اداریہ...... کالج نامہ اشاعت خاص انسداد منشیات 1990ء

Marfat.com

دردِ دل

عزیزو! کسی بھی ملک و قوم کی حقیقی ترقی کا انحصار وہاں کے افراد کی اچھی جسمانی اور ذہنی صحت اور قوتوں پر ہوتا ہے۔ جس معاشرے میں نشہ آور اشیا کا استعمال فروغ پانے لگتا ہے۔ وہاں مذہبی سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی انحطاط بھی ظہور پذیر ہونے لگتا ہے یعنی منشیات کے استعمال سے صرف عوام کی صحت ہی متاثر نہیں ہوتی بلکہ اس سے قومی پیداواری صلاحیت کو بھی نقصان پہنچتا ہے۔ تعلیمی عمل تکنیکی ترقی اور اخلاقی اقدار کو بھی زوال دیکھنا پڑتا ہے اور معاشرتی ناہمواری جنم لیتی ہے۔

یوں تو ہر قسم کے نشے کا استعمال انسانی صحت کے لیے مضر ہے لیکن ہیروین نامی زہر خصوصاً ہلاکت خیز ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی فرد اس کا استعمال شروع کرتا ہے تو ابتداء میں اس کو ایک لطف محسوس ہوتا ہے لیکن کچھ دنوں کے بعد اس کا اصل بھیانک روپ سامنے آنا شروع ہوتا ہے۔ اس کا استعمال کرنیوالا پہلے اپنے خاندان پر بوجھ بنتا ہے اور پھر اپنی اس بری لت کی تکمیل کے لیے جرم کا راستہ اختیار کر کے معاشرے پر بوجھ بن جاتا ہے۔ اس طرح وہ ایک طرف تو خاندان اور معاشرے سے کٹ جاتا ہے دوسری طرف وہ صحت سے محروم ہو کر تیزی سے موت کی وادی کی طرف بڑھتا ہے۔

فرد، خاندان اور معاشرے کو منشیات کے استعمال سے پیدا ہونے والے بھیانک اثرات و نقصانات سے محفوظ رکھنے اور منشیات کی پیداوار، رسد اور استعمال کو روکنے، اس کی طلب کو ختم کرنے کے لیے تعلیم اور تربیت بہم پہنچانے میں جہاں ارباب اقتدار اور قانون نافذ کرنے والے اداروں پر بھاری ذمہ داری عاید ہوتی ہے وہاں نشے کے استعمال کو روکنے کے لیے معاشرتی مداخلت کا طریقہ کار اختیار کر کے اس کی طلب کو ختم کرنے میں مدد ملتی ہے۔

منشیات کی تیاری اور رسد کو روکنا تو سماجی کارکن یا ایک رضا کار کا کام نہیں لیکن اس کی طلب

Marfat.com

کو روکنے میں وہ مدد کر سکتا ہے اور جب ظلم ختم ہو جائے تو رسد خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔ نوجوانوں کے تعاون کے بغیر منشیات کا خاتمہ ممکن نہیں میں نے کالج نامے کے لیے ایک خصوصی اشاعت انسداد منشیات کے حوالے سے ترتیب دی ہے اس کا مطالعہ کالج کے نوجوان طلباء اور طالبات پر گویا فرض ہے اس کے مشمولات کو گلی گلی کوچہ کوچہ شہر شہر گاؤں گاؤں پہنچایئے۔

اسے ایک معاشرتی جہاد خیال کیجیے کیا عجب کہ خدا آپ کی ہمت سے قوم پر ہیروئن کے عذاب کو ٹال دے اور نشہ باز اپنی عادت سے باز آ جائیں اس میں اگر ان کی دینوی نجات ہے تو اس کی آخروی نجات کا راز بھی پوشیدہ ہے آیئے ہم سب مل کر رضا کارانہ طور پر سماجی خدمت کے جذبے کے ساتھ وطن عزیز کو منشیات کی لعنت سے پاک کرنے کے جہاد عظیم میں حصہ لیں۔

اقتباس از کالج نامہ 1990ء

Marfat.com

سچی، کھری بات

انسان صرف ڈگری حاصل کر لینے ہی سے تعلیم یافتہ نہیں بن جاتا بلکہ حقیقی معنوں میں تعلیم یافتہ شخص وہ ہوتا ہے جو غور وفکر کے ذریعے معروضی حقائق کا اس طرح احاطہ کر سکے کہ ان کے مثبت اور منفی پہلو اس پر روشن ہو جائیں۔ یوں وہ حالات میں ضروری تبدیلیوں کی نشاندہی کرنے کے قابل ہو۔ اس کے دل میں اتنا حوصلہ ہو کہ وہ ان تبدیلیوں کے لیے جدوجہد کر سکے اور ان تبدیلیوں کے لیے پیش آنے والی مشکلات کا خندہ پیشانی کے ساتھ سامنا کر سکے۔ ہمارے ملک میں عام طور پر تعلیم کا مطلب ڈگری کا حصول سمجھ لیا گیا ہے اور ہمارے پالیسی سازوں کی کوتاہ اندیشی اور ارباب اختیار کے غیر ذمہ دارانہ رویہ کی وجہ سے علم و آگہی کے حقیقی مفہوم سے ناآشنا افراد کی پذیرائی نے علم کے اس غلط تصور ہی کو معیار کا درجہ دلا دیا ہے۔ نہ کوئی نصاب تعلیم پر توجہ دیتا ہے اور نہ ہی کسی کو نظام تعلیم کی دوسری خرابیوں کو دور کرنے کی فکر ہے ایک ہی ملک میں درجنوں قسم کے مختلف نظام اور نصاب ہائے تعلیم رائج ہیں۔ ایک طرف درآمد شدہ غیر ملکی نصاب پڑھایا جا رہا ہے تو دوسری جانب قومی زبان میں ٹھیک طرح سے تعلیم دینے کا بھی انتظام نہیں۔ اردو، انگریزی کا جھگڑا الگ ہے اور علاقائی زبانوں میں تعلیم دینے کی تجویز دوسری طرف نوجوانوں کو سیاست میں گھسیٹنے کی کوششیں الگ سنگین مسائل کو جنم دے رہی ہیں۔ ہر چھوٹی، بڑی سیاسی جماعت نے طلبہ کے اندر اپنا ونگ قائم کر رکھا ہے اور ستم ظریفی یہ ہے کہ بظاہر طلبہ کے مسائل کے حل کے لیے قائم کی جانے والی یہ تنظیمیں زیادہ تر خالصتاً سیاسی مسائل میں الجھی دکھائی دیتی ہیں بلکہ ان کی سرپرست سیاسی جماعتوں کی چپقلش کا اثر بھی ان تنظیموں کے توسط سے براہ راست تعلیمی اداروں پر پڑتا ہے جس کی وجہ سے طلبہ کے مابین نت نئے خونریز ہنگامہ آرائیاں ہوتی رہتی ہیں جس سے اگر ایک طرف تعلیمی اداروں کا تقدس پامال ہوتا ہے تو اسی کے ساتھ عزیز طلبہ کے لیے بھی گوناگوں مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ تعلیمی اداروں کی بندش سے ان کا قیمتی وقت بھی ضائع ہوتا ہے اور

Marfat.com

قوم کے مستقبل کے لیے بھی طرح طرح کے خدشات پیدا ہوتے ہیں۔ طلبہ تنظیموں کی سیاسی سرپرستی ہی کے نتیجہ میں طلبہ کے اندر ایک ایسا طبقہ پیدا ہو رہا ہے جو ہر جائز و ناجائز طریقہ سے اپنی مرضی دوسروں پر مسلط کرنے کی کوشش کرتا ہے غرض یہ کہ نیچے سے لے کر اوپر تک ہمارا نظام تعلیم طرح طرح کی پیچیدگیوں اور خرابیوں کا شکار ہو کر رہ گیا ہے۔ ایسے ماحول میں حصول علم کا شوق، تحقیق و جستجو کی لگن، حقائق کا صحیح ادراک و احساس اور حالات کے حقیقت پسندانہ تجزیے کی صلاحیت کیسے پیدا ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت کے بلند بانگ دعووں کے باوجود ملک میں نہ صرف خواندگی کی شرح بڑھنے کی بجائے گھٹتی جا رہی ہے بلکہ تعلیم کا معیار بھی تیزی سے کم ہوتا جا رہا ہے۔ ایسے میں اصلاح احوال کی اگر کوئی یقینی صورت ہو سکتی ہے تو وہ صرف یہی ہے کہ طبقاتی نظام تعلیم کو بیک جنبش قلم منسوخ کر کے تعلیمی اداروں کو ارباب سیاست و حکومت کی مداخلت سے یکسر پاک کیا جائے اور ابتداء سے لے کر اعلیٰ تعلیمی سطح تک صرف اور صرف معیار کو بنیاد بنا کر کام کیا جائے اگر خدانخواستہ اب بھی ایسا نہ کیا گیا تو یہ ہماری بہت بڑی کوتاہی ہوگی اور بحیثیت قوم ہمیں اپنی اس کوتاہی کا خمیازہ بھی ضرور بھگتنا پڑے گا۔

اداریہ...... کالج نامہ اشاعت دہم

Marfat.com

عزیز طلباء

اکیسویں صدی کی دستک کو سنو!

تعلیمی اداروں کے بنیادی مسئلے اس وقت بنیادی طور پر صرف دو ہیں۔

1-اداروں میں سیاسی اور مذہبی جماعتوں کی مداخلت ختم کی جائے۔

2- کلاشنکوف کلچر کو ختم کرنے کے لیے تعلیمی اداروں میں غیر طلبہ کا داخلہ بند ہونا چاہیے۔

ملک اور شہروں میں امن و امان کی صورتحال اگرچہ کچھ زیادہ قابل رشک نہیں لیکن تعلیمی اداروں میں بدامنی کی وجہ سے ہمارا تعلیمی اور امتحانی نظام تباہ ہو چکا ہے۔ اساتذہ کی عزت باقی نہیں رہی طلبہ اور اساتذہ کے درمیان اخلاص اور مہر و محبت کا رشتہ کمزور پڑ چکا ہے۔ تعلیمی ادارے سیاست اور فرقہ واریت کے اکھاڑوں میں تبدیل ہو کر رہ گئے ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو سیاسی اور مذہبی جماعتوں کی اپنی تنظیموں کے ذریعہ داخلوں سے لے کر اختتام تعلیمی سال تک تعلیمی امور اور طلباء سرگرمیوں میں مداخلت ہے اور دوسری وجہ بعض پیشہ ور طلباء اور غیر طلباء عناصر کی اداروں میں موجودگی ہے۔ جو تعلیم کے خواہاں طلباء کے لیے بھی مشکلات پیدا کرتے ہیں اور انہیں اسلحہ اور جبر کے زور پر اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں اگرچہ تعلیمی اداروں میں امن قائم کرنے کی واحد شرط یہ ہے کہ سیاسی جماعتیں اپنی مداخلت بند کریں اور حکومت تعلیمی اداروں کی حدود میں غیر ذمہ دارانہ سرگرمیوں کے خاتمے کے ضمن میں اپنا کردار موثر طریقے سے ادا کرے لیکن جب تک ایسا نہیں ہوتا۔ طلباء تنظیموں پر فرض ہے کہ وہ اپنے اپنے حلقہ اثر میں اس امر کا اہتمام کریں کہ طلباء سیاست کی بجائے تعلیم پر اپنی توجہ مبذول کر سکیں اور ان کے ہاتھ میں پھر سے کلاشنکوف کی بجائے کتاب اور قلم تھمائی جا سکے۔

ہم بیسویں صدی کے آخری عشرے میں قدم رکھ چکے ہیں۔ اکیسویں صدی ہمارے

Marfat.com

دروازے پر دستک دے رہی ہے لیکن ہمارا ملکی اور قومی المیہ بدستور ہے کہ پڑھے لکھے ہونے کی شرح میں پاکستانی قوم شاید دنیا بھر کی اقوام میں سب سے پیچھے چلی گئی ہے۔ تعلیم اور تعلیمی عمل سے ہمارا اجتماعی اغماض اور صرف نظر ایک تہذیبی حادثہ بن کر سامنے آ رہا ہے۔ خوف اس بات کا ہے کہ یہ رویہ کہیں ہمارے لیے تاریخی حادثہ نہ بن کر رہ جائے۔ ہمارا المیہ دوگونہ ہے۔ آبادی کا ایک انبوہ ہے جو الف ب سے بھی آشنا نہیں اور جو حصہ آبادی کا تعلیم حاصل کر بھی رہا ہے وہ حصول تعلیم کے مقصد کو بھول کر ایک ایسی منزل کی طرف رواں ہے جو انسانی زندگی میں دراصل کوئی منزل ہی نہیں ہے۔ مار دھاڑ، بدامنی، مخالفت برائے مخالفت، اختلاف رائے کو برداشت نہ کرنے کا رجحان، نشہ بازی، سیاست میں غلط روی، فرقہ واریت، قومی عزت وحرمت کی پامالی یہ ساری باتیں یا یہ سارے راستے تو نہیں ہوتے جو انسانی زندگی کی اصل منزل کی طرف جاتے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو کہ تعلیمی اداروں کی چاردیواری کے اندر استاد صرف استاد اور طلباء صرف طلباء کی حیثیتوں میں آتے رہیں اور تعلیم کے اصل مقاصد پایہ تکمیل کو پہنچتے رہیں۔

سنو! کہ اکیسویں صدی کے چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لیے شرح خواندگی میں اضافہ ناگزیر ہے۔ اس وقت وطن عزیز کی شرح خواندگی جو کچھ بھی ہے اگر اس میں اضافہ نہ کیا جا سکا تو اکیسویں صدی کے چیلنج کا مقابلہ اعتماد کے ساتھ کرنے کی بات بھول جانی چاہیے۔ اس حقیقت کا انکار کرنے کی جرأت کسی میں بھی نہ ہوگی کہ تعلیم کے بغیر اور شرح خواندگی میں اضافے کے بغیر دور حاضر کے چیلنج کا مقابلہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ تعلیم ہی ہے جس نے مغرب میں امریکہ اور یورپی ممالک کے ساتھ ساتھ مشرق میں جاپان کو دیگر اقوام کے مقابلے میں ممتاز کیا ہے۔ آج کی دنیا میں ترقی یافتہ درحقیقت وہی ہے جو تعلیم یافتہ ہے۔ جن ممالک نے یہ راز چند دہائیاں قبل پا لیا تھا وہ شرح خواندگی میں اضافے کے ہنگامی اور موثر اقدامات کر کے کامیابی کی منزل کی جانب بڑھ گئے ہیں اور جن ممالک نے تعلیم کی اہمیت کو جاننے کے باوجود آنکھیں بند رکھیں وہ آج پسماندگی کا لیبل لگائے اقوام عالم میں خوار وزبوں نظر آتے ہیں۔

ایشیا اور افریقہ کے بہت سے ممالک کی پسماندگی کا سبب وسائل سے محرومی نہیں بلکہ تعلیم

Marfat.com

سے محرومی ہے۔ قیام پاکستان سے آج تک تعلیم کے شعبہ کو وہ اہمیت نہیں دی گئی جو ایک ترقی پذیر ملک میں اسے ملنی چاہیے تھی، تعلیم پر خرچ کی جانے والی رقم میں آبادی کی شرح افزائش کے تناسب سے اضافہ نہیں کیا گیا۔ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ نصاب تعلیم اور معیار تعلیم میں بہتری پیدا کرنے کی کوششیں نہیں کی گئیں، اساتذہ کو وقتاً فوقتاً تعلیم کے نئے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی گئی عوام اور خواص کے لیے دو علیحدہ اور متوازی تعلیمی نظام جاری رہنے دیئے گئے اور پھر انہیں ختم کرنے کے بجائے ان کے درمیان فاصلے بڑھانے کی کوشش بھی کی جاتی رہیں۔ سرکاری سکولوں، کالجوں اور ان کے اساتذہ اور طلباء کو ہمیشہ کم تر سمجھا گیا جبکہ مغرب کی تقلید کرنے والے مہنگے اداروں کو ہمیشہ برتر گردانا گیا۔

ایمانداری سے دیکھا جائے تو احساس ہوگا کہ ہم نے تعلیم کے شعبہ میں ایسی ایسی یادگار حماقتیں کی ہیں جن پر دنیا کو ہنسنا اور ہمیں ماتم کرنا چاہیے۔ معیار تعلیم کو بہتر کرنے کے جتنے زبانی دعوے آج تک کیے جاتے رہے ہیں اگر ان میں سے آدھے دعوؤں پر عمل کر کے دکھایا جاتا تو ہم اس خطے کی سب سے ترقی یافتہ قوم ہوتے۔

شاید اب وقت آ گیا ہے کہ ہم اس شعبہ میں اپنی کوتاہیوں اور خامیوں پر نظر ڈالیں اپنی غلطیوں کا اعتراف کریں اور مستقبل کے لیے کوئی نئی مثبت اور حقیقت پسندانہ حکمت عملی اختیار کرنے کی تیاری کریں۔ وقت بہت تیزی سے گذرتا جارہا ہے اور ہم دیکھتے دیکھتے اکیسویں صدی کی دہلیز پر آ کھڑے ہوئے ہیں۔ یہ حقیقت اب ہمیں تسلیم کرلینی چاہیے کہ ہم اب تک تعلیم کے معاملات کو سدھارنے اور سنوارنے میں یکسر ناکام رہے ہیں یہی سبب ہے کہ ہماری ڈگریاں ترقی یافتہ ممالک میں اپنا اعتبار کھو چکی ہیں۔ ہماری تحقیق کے نتائج بہت زیادہ اثر پذیری رکھنے والے ثابت نہیں ہو سکے۔ ہمارے طلباء کے لیے مغربی درسگاہوں کے دروازے آج آسانی سے نہیں کھلتے اور خود ملک کے اندر ہم تعلیم کا معیار بلند کرنے میں ناکام ہونے کے نتیجہ میں ٹیکنالوجی کا سفر شروع کرنے میں بھی ناکام رہے ہیں۔ تعلیم اور تعلیمی عمل کو نظر انداز کرنے میں ہم نے نصف صدی گزار دی۔ اب تو ہمیں سنبھل جانا چاہیے اور تعلیمی انقلاب کی باتیں کرنے کے بجائے حقیقی

Marfat.com

تعلیمی ترقی کی جانب گامزن ہو جانا چاہیے۔ انگریزی اور اردو کے دو الگ الگ تعلیمی نظاموں کو ختم کر کے ایسے واحد نظام تعلیم کو اختیار کر لینا چاہیے جو ہمیں ترقی یافتہ اور ٹیکنالوجی سے فائدہ اٹھانے والی دنیا سے الگ کر دینے والا نہ ہو بلکہ اس کے ساتھ قدم ملا کر چلنے کی اہمیت ہمارے اندر پیدا کرنے والا ہو جو دیہی اور شہری طلباء کے درمیان فرق مٹا دے اور امیر اور غریب طالبعلم کے امتیازات کو ختم کر دے۔ ترقی، کامیابی اور اقوام عالم میں بہتر مقام حاصل کرنے کی بس یہی ایک صورت ہے۔

اداریہ کالج نامہ اشاعت نامہ دہم

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

Office: 649525
Res: 616444

GOVERNMENT COLLEGE FAISALBAD.

D.O. No. 2708

DATE 21-12-95

To

Prof. Sami Ullah Qureshi,
Principal,
Islamia College Railway Road,
Lahore.

Dear: Prof. Sami ullah Qureshi Sahib.

السلام علیکم :-

I have received gazzette of your re-knowned institution under your supervision. I was pleased to know that you have implemented all the instructions from the Government for the welfare of the institution and for up-grading the standared of your institution.

I am also sending the two copies of "Khabernama" of Government College, Faisalabad.

I hage shifted to Principal house, Government College, Faisalabad.

Hopping for early meeting, ~~to~~ whenever you have the chance to visit Jhang.

Yours Sincerely,

(PROF. DR. BASHIR AHMAD RANA)
Principal,
Govt. College, Faisalabad.

Marfat.com

GOVT. ISLAMIA COLLEGE OF COMMERCE

Dasy No 434
14. 4. 92

SILVER JUBILEE

CELEBRATIONS
(1966 - 1991)

My dear Professor DR. Qureshi Sb

السلام علیکم - I feel myself duty bound to express my thanks for the College Gazette you have despatched. It was really a thought provoking issue, had full coverage of your esteemed institution, academic activities and extra-mural achievements. I feel honoured to acknowledge the reprint of a valuable article written by you. I have despatched the issue of my College Gazette bearing your article to almost all the colleges in Punjab. I hope it will bring positive results. I am full of praise for this bold analysis.

With due regards.

Yours, respectfully,

Irshad Husain

(PROF. IRSHAD HUSAIN NAQVI)
Principal.

Prof. Dr.
Samiullah Qureshi,
Principal,
Govt. College Jhang.

Ravi Block, Allama Iqbal Town, Lahore - 54570 Tele: 417134

Marfat.com

کالج مجلّات کے لیے پیغامات

Marfat.com

Marfat.com

سماج کے لیے پیغام

''سماج'' کے نام سے عزیز گرامی پروفیسر ظفر مہدی نے اپنے طلباء کی معاونت سے ایک کارنامہ کر دکھایا ہے گویا اس مضمون کے طلبا میں تحقیق کے لیے ایک شوق اور عمرانی مباحث کے لیے ایک لگن پیدا کر دی ہے۔ ایک استاد کی اس سے بڑھ کر کیا کامیابی ہو سکتی ہے۔ میں مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

عمرانی علوم سے مسلمانوں کا تعلق اول روز سے ہے۔ آقا و مولا محمدؐ عربی نے جس دین کو پیش کیا۔ وہ اپنی اصل میں ایک نظام معاشرت ہی تو ہے جو زندگی کے تمام زاویوں پر حاوی ہے۔ اسی طرح قرآن نے اپنی تعلیمات کے حوالے سے ایک باقاعدہ (Social System) پیش کیا ہے جو قابل عمل ہے بہر حال ایک پاکستانی کو پاکستانی معاشرے میں رہتے ہوئے عالمی معاشرے پر نظر رکھنا ہے میرے کالج کے طلباء نے اپنے لائق اساتذہ کی نگرانی میں اسی انداز میں سوچنے کی کوشش کی ہے۔ یہ کتاب ہم سب کے لیے ایک سوغات سے کم نہیں (ماشاءاللہ)

مجلس عمرانیات گورنمنٹ کالج جھنگ کے شائع کردہ رسالہ سماج کے پہلے شمارے کے لیے

Marfat.com

سماج کے لیے پیغام

عزیز من طلبائے علم عمرانیات!

مجھے یہ اطلاع پا کر بے حد خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ مجلس عمرانیات کے تحت ایک بار پھر آپ اپنی مدد آپ کے تحت سماج کا تیسرا شمارہ ترتیب دے رہے ہیں۔ میں آپ کی اپنے استادِ محترم ظفر حیسن صاحب کی رہنمائی میں اپنی تخلیقی علمی فعالیتوں کے اظہار پر آپ کو مبارکباد عرض کرتا ہوں اور آپ کی صلاحیتوں پر فخر کرتا ہوں۔

عمرانیات سے مراد ہی انسان کی گروہی فعالیتوں کا مطالعہ ہے۔ اسی طرح یہ علم شاید تاریخ کی بہن اور نفسیات کی کزن ٹھہرے اور ان معنوں میں انسان کا من حیث المجموع بہت ہی خوبصورت مطالعہ ہے۔ انسان درحقیقت اپنے رویوں کے بھرپور اظہار سے ہی انسان قرار پاتا ہے۔ تمام تر ثقافتی رویے آدمی کو انسان کا روپ عطا کرتے ہیں۔ لباس، زبان، تفریح، رہن سہن، خوراک کے انداز اور جانے کیا کیا یہ سب آدمی کا عکس ہیں جو اسے آدمی سے انسان بنانے میں مدد دیتے ہیں اور پھر انسان اپنی تاریخ اپنے جغرافیے کی سطح پر زندگی مرتب کرتا ہے۔

یاد رکھنا تم بھی اپنی مادرِ علمی میں اپنی تاریخ مرتب کر رہے ہو۔

مخلص پروفیسر سمیع اللہ قریشی

مجلس عمرانیات گورنمنٹ کالج جھنگ کے شائع کردہ رسالہ سماج کے لیے پیغام

Marfat.com

پیغام

عزیزان کالج ہوسٹل

السلام علیکم

کیا خوبصورت بات آپ کو سوجھی ہے کہ کالج ہوسٹل سے اب ایک ادبی شمارہ بھی برس کے برس طلوع ہونا چاہیے۔ ماشاء اللہ مبارک ہو میرا جی مانتا ہے کہ اس طرح ہوسٹل کی زندگی ایک نئے ادبی اور شعری سکون اور روایت سے آشنا ہو گی۔ ایک ہی آنگن کے جوان ساتھیوں کی ذہنی کاوشوں کا اجتماع تحریری شکل میں ہو گا اس پر میں اور آپ ہم سب عمر بھر ناز کریں گے۔

معیاری درسگاہوں کی ایک یہ خوبصورت روایت بھی ہوا کرتی ہے کہ ان کی اقامت گاہیں بھی ادبی اور علمی وقار کی حامل ہوتی ہیں۔ میں ہوسٹل میں مقیم اپنے بچوں کی خوبصورت نگارشات کو دیکھ کر بہت خوش ہو رہا ہوں۔ اللھم زد فزد

آگے بڑھو اللہ کا فضل تمہارے ساتھ ہے۔

تمہارا استاد

سمیع اللہ

Marfat.com

حراء کے لیے پیغام

20 مارچ 88ء

میرے لیے کس قدر باعث عزت اور باعث فخر ہے کہ میرے ادارے کے اساتذہ اور طلبائے اسلامی علوم نے میری خواہش پر اور اپنی ہمت سے ایک خوبصورت مجموعہ مضامین حرا کے نام سے شائع کیا ہے اور اپنی علمی صلاحیتوں کا خوبصورت اظہار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی یہ محنت قبول فرمائے آمین۔

واقع یہ ہے کہ جدید دنیا کے مثبت تہذیبی رویئے پندرہ سو برس پہلے حراء سے نکلنے والی کرنوں ہی کا طفیل ہیں انسانیت کے لیے جو مکمل ضابطہ حیات رسول عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی وساطت سے اللہ تعالیٰ نے عطا کر دیا اس کی حیثیت قطعی اور آخری ہے۔ حضور سرور کائنات کے بعد نہ کوئی نیا نبی آئے گا نہ کوئی جدید پیغام برنگ وحی انسانوں کے لیے اترے گا البتہ اس آخری پیغام کی حفاظت اور اس کی ترویج اب ہم سب کی ذمہ داری ہے۔

حراء کے کاربرداز ان کو ان کی علمی کوشش پر میں تہہ دل سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

تاکید

سمیع اللہ

(گورنمنٹ کالج جھنگ کی مجلس علوم اسلامی کے مجلہ حراء کے لیے پیغام)

Marfat.com

ندا کے لیے پیغام

عزیز طالبات

مجھے یہ اطلاع پا کر بیحد خوشی محسوس ہوئی کہ آپ کی مادر علمی کی جانب سے ایک علمی اور ادبی مجلہ شائع ہو رہا ہے مبارک ہو۔

میری رائے میں اگر ہماری طالبات اپنے آپ کو مستقبل کی ذمہ داریوں کا اہل ثابت کرنا چاہتی ہیں تو یہ بات ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ تحصیل علم میں غیر معمولی شغف اور انہماک کا ثبوت دیں مفید مشاغل سے اپنے ذہنوں کو جلا بخشیں اور صحت مندانہ تفریحات اور کھیل کود سے جسمانی طور پر مضبوط اور توانا بنیں تا کہ ان کے کردار کی متوازن نشو ونما ہو سکے اور فکر و عمل ہر دو اعتبار سے ان کی شخصیت بلند اور مکمل کہلانے کی حقدار ٹھہرے۔ طالبعلم کی شخصیت اور اہمیت عمر رسیدہ لوگوں سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ اس لیے کہ وہ مستقبل کے معمار ہیں اور ان بھاری بوجھوں کو برضا و رغبت اٹھانے ہی میں ان کی صحیح عظمت پوشیدہ ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو ایک سچا طالبعلم اور ایک کھرا استاد بننے کی توفیق بخشے۔ آمین

پروفیسر سمیع اللہ قریشی

ڈائریکٹر تعلیمات (کالجز) ڈیرہ غازی خان ڈویژن 1994ء

(گورنمنٹ کالج برائے خواتین کروڑ لعل عیسن لیہ)

Marfat.com

العلم کے لیے پیغام

عزیز طلبائے گورنمنٹ کالج کوٹ ادو ضلع مظفر گڑھ

السلام علیکم

آپ کے محترم پرنسپل صاحب کی طرف سے یہ اطلاع پا کر کہ آپ کے ادارے کا مجلہ علمی و ادبی شائع ہو رہا ہے۔ مجھے بے حد خوشی ہوئی ہے۔ ملک کی تعمیر و ترقی کے باب میں لازم ہے کہ طلبہ اپنے آپ کو ملکی مسائل سے عہدہ برآ ہونے کا اہل ثابت کریں۔ ایک واضح قومی شعور، شہریت کا احساس، ملکی ضروریات کا علم، اس کی اقتصادی، معاشرتی، تہذیبی اور ثقافتی لحاظ سے مکمل آگہی اور اس کے ادراک سے قطع نظر عمل کا جذبہ اور صلاحیت کار کا ہونا لازم ہے۔ کیوں کہ ان تمام صفات کے بغیر طالب علم کی حیثیت میدان عمل میں ایک نہتے سپاہی کی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ آپ کو ایک سچا طالب علم بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

آپ کا مخلص

سمیع اللہ قریشی

ناظم تعلیمات کالجز

ڈیرہ غازیخان قسمت ڈیرہ غزیخان

Marfat.com

پنجاب ٹیچرز فورم ملتان کے صدر سے تعلیمی ایوارڈ وصول کرتے ہوئے

Marfat.com

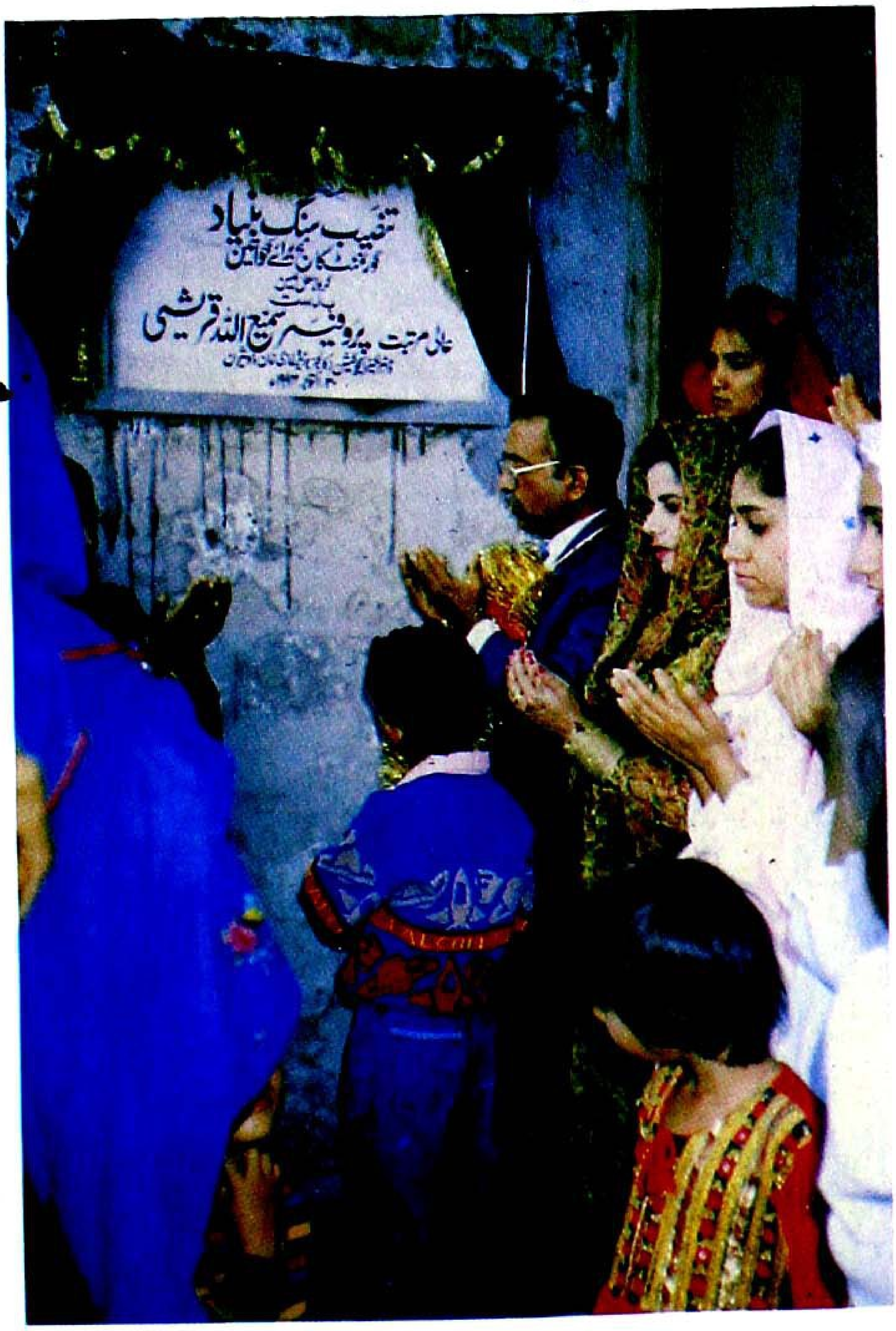

تنصیب سنگِ بنیاد گورنمنٹ کالج برائے خواتین کروڑ لعل عیسن لیہ

Marfat.com

جام پور کالج برائے خواتین میں ایک پاسنگ آؤٹ پریڈ کا معائنہ کرتے ہوئے

Marfat.com

گورنمنٹ کالج جھنگ میں کبڈی ٹیم کے ساتھ

Marfat.com

دانش کے لیے پیغام

گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن کے عزیز طلباء وطالبات

السلام علیکم

مجھے یہ اطلاع پا کر بیحد خوشی محسوس ہوئی اور آپ کی مادرِ علمی کی جانب سے ایک علمی اور ادبی مجلہ شائع ہو رہا ہے مبارک ہو۔

میری رائے میں اگر ہمارے طالبعلم اپنے آپ کو مستقبل کی ذمہ داریوں کا اہل ثابت کرنا چاہتے ہیں تو یہ بات ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ تحصیل علم میں غیر معمولی شغف اور انہماک کا ثبوت دیں۔ مفید مشاغل سے اپنے ذہنوں کو جلا بخشیں اور صحتمندانہ تفریحات اور کھیل کود سے جسمانی اور پر مضبوط اور توانا بنیں تا کہ ان کے کردار کی متوازن نشو ونما ہو سکے اور فکر و عمل، ہر دو اعتبار سے ان کی شخصیت بلند اور مکمل کہلانے کی حقدار ٹھہرے۔ طلباء کی شخصیت کی حیثیت اور اہمیت عمر رسیدہ لوگوں سے کہیں زیادہ ہوتی ہے اس لیے کہ وہ مستقبل کے معمار ہیں اور ان کو بھاری بوجھوں کو برضا و رغبت اٹھانے ہیں اسی میں ان کی فصیح عظمت پوشید ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو ایک سچا طالبعلم اوا یک کھرا استاد بننے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

آپ کا مخلص

پروفیسر سمیع اللہ قریشی

نادم تعلیمات (کالجز) ڈیرہ غازیخان ڈویژن

6 جون 1994ء

گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن ڈیرہ غازیخان کے ادبی مجلہ ''دانش'' 1993ء کے لیے

Marfat.com

التمر کے لیے پیغام

Dear Students!

In Islam, there is no room for idlers and dreamers. It abhores the life of meditation and seclustion from the hustle and bustle of the world. We have to utilize our faculties to the fullest extent, to enforce God's will on God's earth, to control the forces and resources of the universe and to prove ourselves to be worthy of being the Crown of all creatures. Otherwise, we shall be apprehended. The Prophet of Islam, lived a vigorous life, fighting the infidels, preaching his mission, crushing the evils, comforting the poor and consoling the needy. The only thing to be counted on the day of judgement shall be our actions. They will determine, whether we deserve the eternal bliss of heaven or the damnations of hell. Our ancestors lived a life full of action and thus became immortal but alas!we are passive and lethargic, desperately hoping and waiting for some heavenly help, without doing anything ourselves. We have suffered from this very instant to abandon for good, the life of parasite and to lead a life of action.

Let us all promise.

Sincerely Yours

Professor Sami-Ullah Qureshi

Director of Education (Colleges)

Dera Ghazi Khan.

College Magazine "At-Tamar"1995 Govt. College for Women, Jampur

Dist. Rajanpur.

Marfat.com

سانگھڑ کے لیے پیغام

Dear Students

It gives me a great pleasure that government College, Taunsa is going to publish its Litrary Magazine "SANGHAR" very soon. To me a College Magazine must be a reflection of the intellectual pursuits of its Teaching Staff as well as its students. Moreover it has become and essential part of the colleges traditions.

I take pride in saying that "SANGHAR" will not only be a from of expression of Litrary intellect of our students, it will also give us some other Taunswis like Fiker and Tahir in the times to come. I am sure that the issue in hands will keep up the traditions of Litrary standards already set in Taunsa.

My dear students may you go for ahead in your life with profound love for the purity of means, excellent mental and physical health and real happiness in achieving the goals of your studies. May Allah shower His choicest blessings upon your Alma Mater and you all.

Sincerely Yours,

Professor Sami-Ullah Qureshi

Director of Education (Colleges)

Dera Ghazi Khan.

College Magazine "SANGHAR" of Govt. College, Taunsa Dist. Dera Ghazi Khan

Marfat.com

رودکوہی کے لیے پیغام

Dear Students!

It gives me infinite joy to know that your college has broutht out a Magazine with a beautiful name of "RUD KOHI". I need not emphasize the fact that the publication of the Magazine from Government College, Rajanpur brings a glorious credit to the name of this Institution A Magazine provides a golden opportunity to the budding intellectuals of the college to express their ideas in any literary form, they are capable of. It furnishes them with a chance to chanalize their energies into civilized moulds. It nourishes and promotes the mental and intellectual growth of the students at large. The scholarly and literary creations of the learned professors go a long way in disseminating Knowledge among the sutdents and broadening their mental horizon.

So at this auspicious occasion I felicitate you Mr. Principal and your students whole-heartedly and hope that your Magazine will prove a bright star in the literary firmament.

Sincerely Yours,

Professor Sami-Ullah Qureshi

Director of Education (Colleges)

Dera Ghazi Khan.

College Magazine "RUD KOHI": of Govt. College, Rajanpur 1994

Marfat.com

الغازی کے لیے پیغام

My Dear Students!

In islam, there is no room for idlers and dreamers. It abhors the life of meditation and seclusion from the hustle and bustle of the world. We have to utilize our faculties to the fullest extent, to enforce God's will on God's earth, to control the forces and resources of the universe and the prove ourselves to be worthy of being the crown of all creatures. Otherwise we shall be apprehended. The Prophet of Islam, lived a vigorous life, fighting the infidels, preaching his mission, crushing the evils, comforting the poor and consoling the needy. The only thing to be counted on the day of judgement shall be our actions. They will determine. Whether we deserve the eternal bliss of heaven or the damnations of hell. Our ancastors lived a life full of actions and thus became immortal but alas! we are passive and lethargic, desperately hoping and waiting for some heavenly help, without doing anything ourselves. We have suffered bitterly for that. It is never too late to

Marfat.com

mend. Let us detemine from this very instant to abandon for good, the life of parasites and to lead a life of action. Let us all promise.

Sincerely Yours,

Professor Sami-Ullah Qureshi

Director of Education (Colleges) Dera Ghazi Khan.

August 25, 1994

College Magazine "AL-GHAZI" Govt. College Dera Ghazi Khan

Marfat.com

رفاقتیں کیا کیا

○

محترم پروفیسر سمیع اللہ قریشی کی خدمت میں
(پرنسپل گورنمنٹ اسلامیہ کالج لاہور)
محکمۂ تعلیم کالجز، پنجاب میں ان کی 36 سالہ خدمات پر
احباء کی طرف سے محبتوں کا نذرانہ
مجلّہ کریسنٹ گورنمنٹ اسلامیہ کالج، لاہور
اشاعت جون 1996ء
گوشۂ خاص

Marfat.com

Marfat.com

پاسِ ادب

جس بات کی بہت زیادہ ضرورت ہوتے ہوئے بھی ہم اس سے دور ہوتے چلے جا رہے ہیں وہ ہے روشنی جو ہمیں راستہ دکھائے۔ تاکہ ہم اپنی منزل تک پہنچنے کے عمل کو نہ تو آسان تر جانیں اور نہ ہی ایسا مشکل کہ دل ہار بیٹھیں۔ بلکہ اس راہ میں آنے والے تمام پیچ وخم اور اونچ نیچ کو سامنے دیکھتے ہوئے کاوش اور احتیاط دونوں کا دامن تھامے رکھیں۔ ہر نسل کے نوجوانوں کی طرح ہمارے آج کے نوجوان کو بھی اس کی ضرورت ہے۔ اسی مقصد کا حصول اس تالیف کی بنیاد ہے۔ زندگی کے راستے کے بے شمار موڑ ہیں۔ اور ہر ایک پر ایک دیا روشن رہنا چاہیے۔ پروفیسر سمیع اللہ قریشی ان روشن دِیوں میں سے ایک ہیں۔ جسے ہم نے زیرِ نظر کتاب کی صورت میں ایک موڑ پر رکھ دیا ہے۔ اُسے تیز ہواؤں سے بچائے رکھنا اور اکتسابِ فیض کرنا آئندہ نسل کی ذمہ داری ہے۔

زیرِ نظر تالیف کے کچھ مضامین آج سے کافی عرصہ پہلے اسلامیہ کالج لاہور ریلوے روڈ کے مجلّہ کریسنٹ میں "رفاقتیں کیا کیا" کے نام سے شائع ہونے والے یہ مضامین پروفیسر سمیع اللہ قریشی کی سرکاری ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے موقع پر سامنے آئے۔ پاکستان کے قیام کی تحریک میں اس کالج کو قائداعظم جیسی شخصیات کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا۔ اور قیام پاکستان کے نصف صدی بعد اس کالج کی سربراہی کا اعزاز ہمارے استاد پروفیسر سمیع اللہ قریشی کو اللہ تعالیٰ نے بخشا۔ یقیناً یہ ان کی پرخلوص اور مسلسل جہد کا ثمر ہے۔ جسے دیکھتے ہوئے ہم

Marfat.com

نے بھی ایک کاوش کی کہ نہ صرف مجلہ کریسنٹ میں شائع ہونے والے مضامین بلکہ خود پروفیسر صاحب کے بعض اپنے تحریر کردہ مضامین یا خطوط بھی شائع کر دیئے جائیں جو انہوں نے دوران ملازمت بطور ڈائریکٹر تعلیم کالجز مختلف سربراہان ادارہ کو لکھے اور یوں نہ صرف سرکاری روایات سے ہٹ کر اصلاح احوال کی کوشش کی بلکہ خود ایک استاد ہونے کے تشخص کو قائم رکھا۔ ان کی ذات کی یہی بات ہمیں بے حد محبوب ہے۔ پیار، شفقت اور رہنمائی کے ساتھ نصیحت بھی اس طریقہ سے کرتے ہیں کہ مخاطب اکتانے کے بجائے اپنے اندر ایک تحریک محسوس کرتا ہے۔

ملازمت کا آغاز تو بہاولپور ڈویژن سے کیا لیکن جلد ہی جھنگ آ گئے اور پھر یہیں کے ہو رہے بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ جھنگ کا حصہ بن گئے۔ اپنی جڑیں زمین میں گاڑیں تو شاگردوں کو برگ و بار کی صورت میں پھیلا دیا گورنمنٹ کالج جھنگ میں بطور لیکچرر آمد کے بعد پروفیسر کے عہدہ تک پہنچے اور پرنسپل مقرر ہوئے۔ مختلف ادبی تنظیموں کی محافل کے روح رواں رہے۔ اصلاحی اور تفریحی سرگرمیوں میں حصہ لینے والوں کی حوصلہ افزائی کی۔ سب نے ان کے کردار کو سراہا۔ کچھ نے اپنے جذبات کو قلم کی زبان دی وہ سب تحریریں اس تالیف کا حصہ بنیں اور یوں تیار ہونے والے گلدستہ کو آپ کی خدمت میں پیش کرنے کا اعزاز ہمیں مل رہا ہے۔
شاید کہ اتر جائے کسی دل میں کوئی بات۔

راؤ شرافت علی خاں

Marfat.com

میرا بیٹا......میرا فخر

محمد عبداللہ قریشی ہاشمی

عزیز از جان سمیع اللہ میرا بیٹا ہے جس کی پیدائش 1936ء میں ہوئی۔ میرے والدین کا پہلا پوتا ہونے کی بناء پر فیملی میں بہت خوشی منائی گئی۔ گھر اور محلہ کی جو بھی بڑی بوڑھیاں اسے دیکھتیں تو دعا دینے کے ساتھ یہ بھی کہتیں کہ یہ بچہ بہت قسمت والا دکھائی دیتا ہے۔ اس کی پیشانی سے بہت خوش نصیبی اور ذہانت ٹپکتی نظر آتی ہے اور اس کی دادی اماں اسے جلدی سے اپنی چادر میں لپیٹ لیتی۔

گھر کا ماحول چونکہ مذہبی تھا اس لیے یہ ابھی دو تین سال کا ہی تھا کہ میں جب بھی مسجد نماز پڑھنے کے لیے جاتا تو اس کا یہ اصرار ہوتا کہ ابا مجھے بھی اپنے ساتھ لے کر جائیں۔ گھر بھر کا نور اور لاڈلا ہونے کے باوجود اس کی طبیعت بہ نسبت کھیل کے لکھنے پڑھنے کی طرف زیادہ راغب ہوتی تھی۔ پانچ سال کی عمر ہونے پر اسے پرائمری سکول میں داخل کروادیا گیا۔ اس نے ایک دن بھی سکول جانے سے انکار نہیں کیا۔ چھٹی جماعت میں تھا تو ملکی تقسیم ہوگئی۔ چودہ اگست 1947ء کو اگرچہ پاکستان کا اعلان ہو چکا تھا مگر ابھی ضلع گورداسپور کا فیصلہ زیرِ غور تھا۔ فسادات کی آگ ہر طرف بھڑک رہی تھی اور ہمارا گھر سکھوں کی گلی میں اکیلا ہی مسلمانوں کا تھا۔ مجھے بسلسلہ ملازمت 26 اگست 1947ء کو لاہور پہنچنے کا حکم ملا۔ اس وقت یہ خیال ہی نہ تھا کہ یہ ملکی تقسیم ہندوستان کو بالکل ہی تقسیم کردے گی کہ پاسپورٹ اور ویزا سسٹم شروع ہو جائے گا۔ بہر حال میں تو اللہ توکل اپنے اہل وعیال کو چھوڑ کر خود بذریعہ ہوائی جہاز لاہور جا پہنچا اور بیگم بیچاری اپنی ہمت سے بچوں کو لے کر پہلے شہر کے کیمپ میں جانیں بچا کر جا پہنچی اور پھر وہاں چند روز نہایت ہی مشکل کے گزار کر ایک کنوائے میں لاہور پہنچی۔ لاہور میں میرا اپنا تو کوئی

Marfat.com

ٹھکانہ نہ تھا۔ دن دفتر میں گزارتا اور یا کبھی بال بچوں کے انتظار میں واہگہ بارڈر تک جا پہنچتا کہ ایک دن اسی امید و بیم کی صورت میں ایک قافلہ بصد مشکل لاہور پہنچا۔ حالت یہ تھی کہ پلے نہ پیسے تھے اور نہ پاس کوئی بستر نہ کپڑے سب کچھ تو وطن میں ہی لٹ گیا تھا یہ تو بیگم کی بڑی بہادری تھی کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کو ساتھ لیے بڑی بے سروسامانی کی حالت میں لاہور خیریت سے پہنچ گئی۔ خدا کا شکر کیا کہ گھر تو بے شک لٹ گئے مگر اہل و عیال تو خیریت سے پہنچ گئے۔ چند دنوں کے بعد ایک واقف کار نے میری فیملی کو اپنے مکان کے اوپر ایک خالی کمرہ دے کر امداد کی اور اس طرح میوہ منڈی میں عارضی رہائش کا سامان خدا نے کر دیا۔

دو بچوں میں بڑا سمیع اللہ ہی تھا اور دوسرا اس سے تین سال چھوٹا تھا مسلم ہائی سکول میں داخل کروا دیا گیا۔ مشکلات اور مصائب کی یہ کہانی تو لمبی ہے اسے چھوڑتا ہوا اپنے اصل موضوع کی طرف آتا ہوں۔

میرا بیٹا سمیع اللہ اپنے علمی شوق کو پورا کرتا رہا اور نامساعد حالات میں اس نے پہلے بی اے آنرز کیا اور ایک ہائی سکول میں ملازمت کر لی اور پھر بفضلہٖ تعالیٰ ایم۔ اے اسلامیات و عربی پاس کر لیا۔ اپنا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سہارا تو تھا نہیں بلکہ من جد وجد کے مصداق میرے بیٹے کی سیلیکشن بطور لیکچرر پہلے گورنمنٹ کالج بہاولنگر میں اور اس کے بعد اس کا تبادلہ گورنمنٹ کالج بہاولپور میں ہو گیا۔ محنت سے اپنے طلبہ کو پڑھانا اور ان سے محبت اور ہر ممکن ہمدردانہ سلوک روا رکھنا اور اپنے ہمعصروں کے ساتھ دوستانہ روابط رکھنا اس کی شروع سے ہی عادت رہی ہے۔

عزیز بیٹے کی حسن کارکردگی ہر کالج میں جہاں جہاں بھی جانا پڑا اپنا رنگ لاتی رہی چونکہ میرا یہ بیٹا شروع سے ہی ادبی اور علمی مزاج رکھتا ہے اس کا بھی اس کے بالا افسران پر اور علمی ذوق رکھنے والے سینئر پروفیسران پر بہت اثر رہا ہے۔ اسی حسن کارکردگی و نیک نامی کے باعث اللہ تعالیٰ نے اسے گورنمنٹ کالج جھنگ کی پرنسپل شپ بھی عطا کر دی۔ سمیع اللہ کے علمی ذوق نے جب جھنگ جیسے پسماندہ علاقے کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تو اس نے اپنے کالج کی اپ لفٹ کے لیے ہر ممکن کوشش شروع کر دی۔ سائنس بلاک کو وسعت دی اس کی لائبریری کو مکمل کرنے کی کوشش کی تا کہ طلبہ کی بہت سی نصابی ضروریات پوری ہو سکیں اور اس کے ساتھ

Marfat.com

وہاں کی ادبی مجالس میں بھی جان ڈالنی شروع کر دی۔ جن میں ملک کے نامور ادیبوں اور شعراء کو شمولیت کی دعوت دی جاتی جس کے نتیجہ میں کالج کا مقام پہلے سے زیادہ بلند ہونا شروع ہو گیا۔ اپنے زمانہ پرنسپل شپ گورنمنٹ کالج جھنگ کے دوران بڑی محنت شاقہ برداشت کر کے اور کثیر اوراق گردانی کر کے جھنگ کی تاریخ پر قلم اٹھایا اور اس کا لوہا اپنے علاقہ کے اہل قلم حضرات سے بھی بنوایا۔ یہ تاریخ رسالہ صحیفہ لاہور کے صفحات کی زینت بن چکی ہے۔

میں نہ تو نثر لکھنے والا ہوں اور نہ شاعر لیکن اللہ تعالیٰ نے میرے بیٹے کو اردو نثر نگاری اور شاعری کا بھی ذوق عطا کیا ہوا ہے جس کی بناء پر اس نے پاکستان، قائداعظم، اقبال، غالب اور سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں اور انعامات بھی حاصل کیے ہیں اور یوں اس نے اپنے ہم عصروں میں عزت پائی۔

جھنگ کے لوگ اس کی محنت اور اپنے طلبہ کے ساتھ محبت اور ہمدردی کی داد دیں یا نہ دیں لیکن اس کے طلبہ اور علم دوست پروفیسر صاحبان جانتے ہیں کہ عزیز نے گورنمنٹ کالج جھنگ کی اپ لفٹ کے لیے جو مساعی سرانجام دی ہیں اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔

جھنگ سے عزیز کا تبادلہ بطور ڈائریکٹر آف کالجز ڈیرہ غازی خان عمل میں آیا یہاں بھی اس نے اپنے ماتحت کالجز کے طلبہ اور پروفیسران واساتذہ پر ثابت کر دیا کہ اس پسماندہ علاقہ کی تعلیمی ترقی کے لیے اس کے دل میں کس قدر درد پایا جاتا ہے۔ یہاں بھی بفضل الٰہی اس نے اپنے آپ کو ایک پیدائشی استاد اور اپنے محکمہ تعلیم کے لیے ہمہ تن کام کرنے والا کارکن ثابت کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔

میرے اس بیٹے میں سب سے بڑی خوبی اللہ نے یہ رکھی ہے کہ اس نے ہمیشہ اپنے مفاد پر اپنے ماتحت اساتذہ اور طلبہ کے مفاد کو ترجیح دی ہے۔ اپنے ہم عصروں طلبہ اور ہر چھوٹے بڑے ماتحت کے ساتھ دلی محبت اور ہمدردی کرنی اس کا شعار رہا ہے۔ اس نے ان میں سے ہر ضرورت مند کے لیے ہمیشہ اپنے دروازوں کو کھلا رکھا ہے۔ اگر کسی غریب طالب علم یا کارکن کو کوئی مالی امداد کی ضرورت پیش آ گئی تو اس نے اسے بھی پورا کرنے سے کبھی دریغ نہیں کیا۔

سکولوں، کالجوں میں اکثر دھڑے بندیاں اور پارٹیاں بنتی رہتی ہیں جن سے ان اداروں کی فضاء مکدر ہو جاتی ہے لیکن میرے بیٹے نے ہمیشہ اور ہر ممکن طور پر ان سے صرف نظر ہی

Marfat.com

اختیار کیا اور اپنے ہر دوست بلکہ دشمن کے ساتھ بھی بہتر سے بہتر سلوک کرنے کو اپنی شرافت اور انسان دوستی قرار دیئے رکھا۔ اس نے ہر جائز کام کر کے اسے ہمیشہ اپنی محنت اور اخلاص کے ساتھ چار چاند لگانے کی کوشش کی ہے۔ کسی کی بے جا سفارش کرنا اس کا شیوہ اور ایمان نہیں اور ہر ممکن جائز امداد خواہ وہ غریب ہو یا امیر ہر ایک سے یکساں سلوک اس کا ساری سروس میں طریق عمل رہا ہے۔

اس کا اپنے غریب اور امیر رشتہ داروں سے بھی ہمیشہ یکساں ہی سلوک محبت اور ہمدردی کا رہا ہے۔ اپنے فیملی کے سب بچوں کے ساتھ وہ بچہ ہوتا ہے اور بڑوں کے ساتھ انکا خادم اور دوست۔ یہ میں نے سب کچھ اس لیے نہیں لکھا کہ وہ میرا بیٹا ہے بلکہ میرا خدا جانتا ہے کہ میں نے جو کچھ سچ اور صحیح سمجھا اس کے متعلق اپنے احساسات کا اظہار کر دیا ہے۔ ہاں اسے خود پسندی، غرور، جھوٹ اور غیبت سے دلی نفرت ہے اور انسانیت سے دلی محبت ہے یہی میں اپنے ہر بچے کو ہمیشہ سبق دیتا رہا ہوں اور بفضل اللہ وہ بھی خواہ وہ میرے بیٹے ہوں یا بیٹیاں پوتے ہوں یا تواسے اسی پر ہمیشہ عمل پیرا رہے ہیں۔

شاید میرے بیٹے کی یہی ادائیں اللہ تعالیٰ کو پسند آ گئیں کہ اپنی سروس کے آخری سال میں اللہ تعالیٰ نے اسے دیار حبیب میں جا کر حج اور عمرہ کرنے اور اپنے رسول محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ مبارک پر حاضر ہونے کی سعادت بخشی جس کے لیے میں اپنے اللہ تعالیٰ کا جس قدر بھی شکر ادا کروں وہ کم ہے کہ من دانم کے من آنم، ڈیرہ غازی خان سے عزیزم پروفیسر سمیع اللہ کا تبادلہ بحیثیت پرنسپل اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور عمل میں آ چکا ہے جو اس کے لیے ایک اور بہت بڑی سعادت ہے کیونکہ یہ ملک کا وہ مشہور تعلیمی ادارہ ہے جس کے پرنسپل بڑے بڑے نامور اہل علم وقلم حضرات رہ چکے ہیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ کریم میرے بیٹے کو اپنے اس عظیم قومی کالج کی بیش از بیش خدمات سرانجام دینے کی توفیق بخشے تا کہ اس کا نام پہلے سے بھی زیادہ مشہور اور روشن ہو۔ آمین

Marfat.com

سرِ تاجِ من سلامت

بیگم نصرت سمیع

سمیع اللہ قریشی۔ جیون ساتھی جب پہلی بار مجھ سے مخاطب ہوئے تو ان کے الفاظ تھے۔ ''اس خدا کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے ہم دونوں کو زندگی کا ہم سفر منتخب کیا۔ میں آپ سے توقع کرتا ہوں کہ میرے ساتھ زندگی قناعت اور توکل کے ساتھ گزاریں گی۔'' اللہ کا شکر ہے کہ میں نے بھی ان باتوں کو اپنی گرہ میں باندھ کر خوشی خوشی اپنی زندگی کا سفر ان کے ساتھ قدم ملا کر گزارا۔ سمیع صاحب ہمیشہ میرے لیے مشعل راہ رہے۔ میں نے زندگی گزارنے کے قرینے اور ڈھب ان سے سیکھے۔ بڑے باہمت اور اصول پرست انسان ہیں۔ زندگی ڈر کر نہیں ڈٹ کر گزارنے کے قائل ہیں۔ مشکل سے مشکل وقت میں بھی بڑے حوصلے اور ثابت قدمی کا ثبوت دیا۔ اپنے ہر دکھ اور پریشانی اور تکلیف کو اپنی ذات تک محدود رکھا۔ خوشیوں میں سب کو شریک کیا۔ انیس سو اکہتر کی بات ہے۔ اچانک آنکھ میں تکلیف ہوگئی۔ ڈاکٹروں نے علاج آپریشن تجویز کیا۔ مجھ سے اپنا سارا دکھ چھپائے رکھا۔ میرے بھائی حامد عبداللہ ایڈووکیٹ کے ساتھ لاہور میو ہسپتال میں آپریشن کی غرض سے چلے گئے۔ آپریشن کروا لیا۔ سابق چیئرمین بورڈ لاہور سعید صاحب اپنی اہلیہ محترمہ کے ساتھ بیمار پرسی کو گئے ان کی بگڑتی ہوئی حالت کو دیکھ کر انہوں نے مجھے فون پر اطلاع دی۔ میں اسی وقت جھنگ سے روانہ ہوگئی۔ رات بارہ بجے ہسپتال پہنچی۔ طبیعت کچھ بہتر تھی۔ اتفاق سے اس وقت ڈاکٹر محمد اکبر سیال رجسٹرار تھے جو مجھے

Marfat.com

ان کی طبیعت کی وجہ سے ملنے کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔ بڑی مشکل سے وہ مانے مگر اس شرط پر کہ قدموں کی چاپ بھی نہ ہو الہٰذا میں ڈاکٹر صاحب کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے کمرہ میں داخل ہوئی تو سمیع صاحب دونوں آنکھوں پر پٹی باندھے سیدھے لیٹے ہوئے تھے۔ میں خاموشی سے فرش پر دم سادھے بیٹھ گئی۔ یہ میرے بھائی سے مخاطب ہوئے کہ حامد کمرے میں کون آیا ہے۔ اس نے جواب دیا کوئی نہیں۔ چپ ہو گئے۔ دوبارہ یہی سوال دہرایا تو اس نے کہا کہ نرس آئی تھی آپ کو آرام سے لیٹا دیکھ کر واپس چلی گئی۔ اس جواب سے بھی اطمینان نہ ہوا تو پھر پوچھا کیا واقعی تم اکیلے ہو؟ میں یہ سن کر برداشت نہ کر سکی اٹھ کر خاموشی سے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ تو ایک دم سے بولے آپ مجھ سے اپنا آپ چھپا رہی تھیں آپ نے جو پہلا قدم لاہور میں رکھا وہ میرے دل پر تھا۔ ایسا قدر عزت اور پیار کرنے والا شوہر جس عورت کو ملے اس کی خوش نصیبی پر کسی شک وشبے کی گنجائش نہیں۔ سمیع صاحب نے بچوں کے ساتھ بھی والہانہ پیار کیا ہے۔ اپنے کسی بچے کو کبھی نہیں ڈانٹا۔ جس بات سے منع کرنا ہو مجھے کہہ دیتے ہیں کہ فلاں بچے کی یہ بات مجھے اچھی نہیں لگی۔ نہ صرف اپنے بچوں سے بلکہ سبھی بچوں سے بہت پیار ہے۔

زندگی کے معمولات میں میں نے دیکھا کہ انہوں نے جذباتی فیصلہ کبھی نہیں کیا۔ ہر بات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں۔ صبح سویرے جاگنے اور جلدی سونے کے عادی ہیں اور یہ بات اتنی پختہ ہے کہ جب جھنگ کالج میں پرنسپل تھے۔ بہت سے ہنگامے ادارے میں ہوتے جو آج کل کا معمول ہے مگر نیند کے وقت میں کبھی بھی خلل نہیں آیا۔ اللہ پر اتنا زیادہ یقین ہے کہ کالج میں کچھ مخالف گروپ کے لوگوں نے زبردست قسم کی انکوائری کروا دی۔ اگست کا مہینہ تھا کالج بند تھا۔ مخالف لوگ گواہی کے لیے گاڑیاں بھر بھر کر لوگوں کو لا رہے تھے۔ یہ دعا کرتے ہوئے فائل ہاتھ میں پکڑے پرنسپل ہاؤس سے باہر نکلے میں بھی خدا حافظ کہنے کے لیے گیٹ تک آئی تو گاڑیوں کی قطار دیکھ کر پریشان ہو گئی۔ ان سے پوچھا کہ آپ نے بھی کسی کو بلوایا

Marfat.com

ہے۔ جواب نفی میں تھا۔ کچھ دیر کھڑے ہوتے ہیں میں نے گھبرا کر پوچھا کہ آپ کے ساتھ کون ہوگا۔ مسکرا کر بولے۔ "میرا اللہ" اور دفتر کی طرف چل دیئے۔

صبح سویرے نماز کے بعد تلاوت ان کی عادت ہے۔ تلاوت بہت تھوڑی مگر اس کے معانی پر بہت زیادہ غور۔ جہاں کہیں کوئی نیا یا اچھوتا خیال قرآن مجید میں یا حدیث میں سجھائی دیا اسے ضرور مجھے اور بچوں کو سنایا۔

کتاب انہیں اپنی زندگی میں ہر چیز پر افضل ہے۔ کتاب سے اتنا پیار ہے کہ عدم موجودگی میں ان کی الماری سے کوئی کتاب نکال لے یا اس کی جگہ بدل دے تو انہیں گھر میں آتے ہی اس بات کا علم ہو جاتا ہے۔

چھٹی حس ضرورت سے زیادہ تیز ہے۔ کبھی لاپرواہی کی وجہ سے سالن ذرا سا بھی جل جائے تو فوراً پتہ چل جائے گا۔ چاہے اس کا ذائقہ درست کرنے کے لیے ہزار جتن کرلو کھانے کے معاملے میں مزاج نہایت سادہ مگر نفیس۔ میٹھا بہت پسند اور کچھ بھی نہ ملے تو چینی یا گڑ ضرور کھاتے ہیں۔ کم خوراک ہیں۔ زیادہ کھانا کبھی بھی اچھا نہیں لگا۔

یادداشت ماشاء اللہ بہت اچھی ہے شادی کی سالگرہ کبھی نہیں بھولے۔ اہتمام کرتے ہیں اور مجھے ہمیشہ کوئی تحفہ بھی دیتے ہیں۔ ایک سال ایسا آیا کہ میرے پاس سونے کی چوڑیاں کم تھیں۔ ان کے دل میں ان کی تعداد زیادہ کرنے کا خیال آیا۔ اس کے لیے انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ میں جہاں بھی گھر کے خرچ سے بچے کھچے پیسے رکھتی چپ کر کے اٹھا لیتے۔ بڑی پریشانی ہوتی یہ میری اس پریشانی سے محظوظ ہوتے اور کہتے کہ آپ بغیر پیسے رکھے شور ڈالتی رہتی ہیں۔ پورا سال یہ میرے ہی پیسے اٹھا کر اکٹھا کرتے رہے۔

آخر شادی کی سالگرہ کا دن آ گیا۔ انہوں نے سونے کی چوڑی بڑی معذرت کے ساتھ میرے ہاتھ میں پہنائی کہ اس کے لیے میں نے آپ کو کتنا دکھ دیا ہے مگر جو خوشی اس دکھ اور پریشانی کا بدل پا کر مجھے ملی اس کا جواب ہی نہیں۔ میرے آرام اور سکون کا اتنا خیال رکھتے ہیں

Marfat.com

کہ سوتی ہوئی کو کبھی جگایا نہیں۔ اپنے ذاتی کام کے لیے مجھے کبھی تنگ نہیں کیا۔ احترام اتنا زیادہ کہ چلتے ہوئے ہمیشہ مجھے آگے رکھتے ہیں۔ گاڑی میں ہمیشہ کوشش رہی کہ میں پہلے بیٹھوں دروازوں سے گزرتے ہوئے ہمیشہ خود کھڑے رہتے ہیں۔ جب تک میں نہ گزروں۔ یہ احترام اور عزت ہی ہے کہ اپنے گھر کا نام میرے نام پر ہے۔

درجہ چہارم کے ملازمین کی عزتِ نفس، ان کی ضروریات آرام کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ کوشش کرتے ہیں کہ ضرورت مند جو دروازے پر آئے خالی نہ جائے۔

سمیع اللہ قریشی میں اتنی صفات ہیں کہ جتنا لکھوں کم ہے یہ ان کی والدہ مرحومہ کی تربیت ہے۔ والدین، دوستوں، عزیزوں کی دعائیں ان کے ساتھ ہیں۔ کہ اللہ نے ہم دونوں کو اپنے گھر بلا لیا۔ یہ سعادت صرف اور صرف بزرگوں کی دعاؤں اور عزیزوں کے پیار کے نتیجہ میں ملی ورنہ من آنم کہ من دانم۔

میری دعا ہے کہ خدا میرا انجام اس پیارے شخص کے ہاتھوں میں کرے۔ اس کو اللہ جل شانہ صحت کے ساتھ لمبی عمر دے تا کہ ہمارے بچے ان کی شفقت کے زیر سایہ زیادہ سے زیادہ ترقی، وقار اور نام پیدا کرسکیں۔ آمین ثم آمین۔

Marfat.com

میرے بھا جی

امان اللہ قریشی

کسی گھرانے کی یہ انتہائی خوش بختی ہوتی ہے کہ اس میں کوئی دیدہ ور پیدا ہو۔ ایسی ہی صورت حال ہمارے گھرانے کی ہے جس میں میرے بڑے بھائی پیدا ہوئے۔ میرے بھا جی پروفیسر سمیع اللہ قریشی ایک ہمہ صفت شخصیت ہیں۔ والدین کے بعد میں نے جس ہستی سے ہمیشہ رہنمائی حاصل کی وہ میرے یہی بھائی ہیں۔ بچپن اور لڑکپن ان کے زیر سایہ گزرا اور پھر تو قدم قدم پر ان کی علمی بصیرت سے خوشہ چینی ہوتی رہی۔

بھا جی کی ہستی میں رشتوں کے حوالے سے جو تاثر سب سے گہرا ہے وہ آپ کی صلہ رحمی ہے۔ ابا جان کے بعد خاندان بھر میں بزرگ عزیزوں، خاندان کے پس منظر اور رشتہ داروں یعنی نانکے وداد کے، دور کے اقرباء اور ان کی اولاد کے بارے میں بھائی سب سے زیادہ معلومات رکھتے ہیں۔ آپ جس فیملی میں جاتے ہیں وہاں ہر فرد کے احوال میں دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں بزرگوں کے پاس بیٹھنے کے مشتاق ہیں نوجوان عزیزوں کی ترقی میں دلچسپی لیتے ہیں اور بچوں کی تعلیمی حالت جاننے میں مخلص ہیں۔ جس فیملی میں جاتے ہیں وہاں کے ہر فرد کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ وہ آپ کی صحبت میں زیادہ سے زیادہ وقت گزارے۔ وجہ! آپ کی خوش طبعی، شفقت ومحبت اور ملنساری کی عادت ہے۔ بیماروں کی عیادت، غریبوں کی اعانت اور طالب علموں کی سرپرستی آپ کا شیوہ ہے۔

Marfat.com

بھا جی کا سب سے گہرا تعلق تو قلم، کتاب، لفظ اور تحریر سے ہے خواہ وہ مطبوعہ ہو یا غیر مطبوعہ۔ دوران سفر مشاہدہ کا شوق اتنا کہ پلیٹ فارم سب سے زیادہ پسندیدہ مقام جہاں آپ گھنٹوں گاڑی کا انتظار کر سکتے ہیں۔ بک سٹال۔ کتابوں کی دکان، تعلیمی اداروں کے کتب خانوں میں آپ کی روح سرشار رہتی ہے۔ گھروں میں بک شیلفوں میں جھانکنا آپ کی ہابی ہے۔ قدیم وجدید ادبی تخلیقات قلمی نسخوں، اچھی طباعت کے شاہکاروں کو سونگھنا آپ کی مشام جان ہے۔ اتنی طلب کسی اور چیز کی نہیں جتنی کتاب یا اچھے مجلے کی ہے۔ جہاں ملاقات ہوئی جس سے ملاقات ہوئی یہ تذکرہ نمایاں رہا کہ کیا لکھا؟ کیا پڑھا؟ کہاں کوئی نادر نسخہ دیکھا؟ کون سی نئی کتاب دیکھی؟ بھائی ان بک شیلفوں سے بھی کوئی اچھا ادب پارہ ڈھونڈ لیتے ہیں جہاں عام قاری کی نگاہ بھی نہیں پڑتی۔

آپ کو جہاں خود اس بات کی توفیق ملی کہ پنجابی، اردو، انگریزی نثر یا نظم کی مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی وہاں ہر لکھاری کی نہ صرف حوصلہ افزائی کی بلکہ اچھے ماخذوں یا کتب حوالہ تک رسائی کا راستہ بھی دکھایا۔ کثرت مطالعہ اور مشاہدہ کا جو اثر میں نے آپ کی ذات میں دیکھا تو یہ محسوس کیا کہ آپ کہ ذات میں وسعت نظر، بے تعصبی گہرائی اور گیرائی نمایاں ہوئی۔ معروف علوم وفنون میں بہت کم ایسے موضوعات ہیں جن پر آپ صائب رائے نہ دے سکیں۔ مابعد الطبیعاتی مسائل کے حوالے سے آپ کا ذہن بہت واضح ہے آپ کا مشاہدہ بہت گہرا اور مطالعہ کی رفتار بہت تیز ہے بڑے طویل مضامین کا مطالعہ بہت مختصر نشست میں کرتے ہی فوراً موضوع کی روح تک پہنچ جاتے ہیں۔ بیان اور تقریر میں مرکزی خیال کے قریب تر رہتے ہیں۔

تنقید اور تخلیق بھائی جان کے پسندیدہ دائرے ہیں کسی مضمون، کتاب، مقالے یا شخصیت کو جانچتے ہوئے ٹھوس اور سنجیدہ استدلال سے تنقید وتوجیہہ کا حق ادا کر دیتے ہیں آپ کو جب بھی سنا یہی محسوس ہوا ہے کہ آپ سامعین کو الفاظ کے جنگل میں گم نہیں کرتے گول مول

Marfat.com

گفتگو نہیں کرتے بلکہ کم سے کم وقت میں موضوع کے ایک نئے دریچے کو کھول دیتے ہیں۔

رات کو جلد سونے والے سحر خیز بھاجی بعد فجر بہت اچھے الحان اور موثر انداز میں مسنون دعائیں بالجہر دہرانے ہوئے چہل قدمی کرتے ہیں۔ دعاؤں میں عزیزوں بزرگوں اور شاگردوں کے علاوہ امت مسلمہ اور وطن کو بھی یاد رکھتے ہیں۔ وہ لمحے بہت ایمان افروز ہوتے ہیں جب ذکر حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت آپ آبدیدہ ہو جاتے ہیں۔ ذکر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کا پسندیدہ موضوع ہے سیرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ وہ پہلو سناتے ہیں جو عام اساتذہ، مقررین یا علماء بیان ہی نہیں کرتے یا اس طرح سے بیان کرتے ہیں کہ ایک مثالی وجود ما فوق الفطرت نظر آئے۔

حج کے بعد میں نے پوچھا، کچھ واردات قلبی سنائیں۔ کہنے لگے ''حقیقت یہ ہے کہ دین کی بہت سی حقیقتیں اس وقت واضح ہوئیں جب خانہ کعبہ اور وہاں کی فضا کو قریب سے دیکھنے کی توفیق ملی یا روضہ محبوب خدا کے قرب میں باطن کی آنکھ وا ہوئی۔

بھائی جان کا توکل علی اللہ قابل رشک ہے کہ انتظامی فرائض کی ادائیگی کے دوران بحرانوں میں نہ انہوں نے اپنے معمولات تبدیل کیے نہ کسی قسم کا خوف اپنے وجود پر طاری کیا۔ شاگردوں اور ماتحتوں کے حق میں آپ کی شفقت قابل تعریف ہے کہ ان کے جن شاگردوں سے میرا واسطہ پڑا انہوں نے گواہی دی کہ آپ نے شاگردوں کی بہبود، ماتحتوں کی فلاح اور اعانت کے لیے اپنی صلاحیتوں اور توانائیوں کے صرف کرنے سے کبھی گریز نہ کیا۔ آپ بہت اچھے مشیر ہیں بے شمار نوجوان ان کی رہنمائی سے اچھے لکھاری، ادیب، شاعر، محقق اور تخلیق کار بن گئے۔ ماہر تعلیم کی حیثیت سے آپ نے اساتذہ اور بہت سے اداروں میں زندگی کی روح پھونک دی کئی مجلسوں کے اجراء کے پیچھے آپ کی حوصلہ افزائی اور سرپرستی کارفرما رہی کئی کھلاڑیوں کو میدان میں اترنے کا حوصلہ دیا اور زندگی کے کٹھن راستوں پر چلنے کی توفیق دی۔

بھائی کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے میں جانبداری سے کام نہیں لے رہا ہوں

Marfat.com

یہ حقیقت ہے کہ اس کثیر الجہات وجود کے بھائی ہونے پر مجھے واقعی فخر ہے اور ان کے حوالے سے میرا تعارف باعث اعزاز ہے۔ بھائی نے بیسیوں مقالے لکھے۔ نئے اور اچھوتے عنادین پر اس انداز سے استدلال کیا کہ بین الاقوامی اور قومی انعامات سے نوازے گئے۔ سیرت کانفرنسوں اور ادبی محافل میں تحقیق، تالیف، ترتیب اور تخلیق کا حق ادا کر دیا۔ غیر ملکی اور ملکی مندوب ہمیشہ مدح سرا تھے کہ آپ نے موضوع زیر بحث کو نئے انداز میں گرفت میں لیا۔

ایک ہسپتال میں مریض کی حیثیت سے آپ کا بیڈ جس دیوار سے لگا ہوا تھا اس دیوار پر اندھیرے میں تحریر جیسی سرسراہٹ آج بھی میرے کانوں میں گونج رہی ہے۔ میں نے اٹینڈنٹ کے طور پر پوچھا ''کیا ہو رہا ہے؟'' فرمایا۔ ''نعت کے کچھ اشعار ہو رہے تھے، صبح کاغذ پر منتقل کر لینا۔''

قیام پاکستان سے قبل ایک کانگرسی گھرانے کے لڑکے سے محض اس لیے لڑائی ہو گئی اور بے تحاشا خون سر سے جاری ہو گیا کہ اس لڑکے نے پاکستان اور حضرت قائداعظم کے خلاف ہرزہ سرائی کی تھی۔ ہماری بستی کے بارے میں اول یہ اعلان ہوا کہ یہ اس تحصیل میں شامل ہے جو پاکستان کا حصہ ہو گی تب محلے کے لڑکوں کی قیادت کرتے ہوئے مقامی ڈاک خانے پر سبز ہلالی پرچم بھی لہرایا اور پاکستان کے حق میں نعرے لگوائے لیکن اگلے دن جب یہ بستی پاکستان میں شامل نہ رہی تو ہمجولیوں کا مایوسی کا دامن جھٹکنے کی راہ دکھائی عمر اس وقت آپ کی شاید دس برس نہ ہو گی یا گیارہ برس ہو گی۔

جھنگ میں ایسے بس گئے کہ خادم جھنگ بن گئے۔ اس شہر کے لیے قدر شناسی سے بے نیاز نا قابل فراموش خدمات سرانجام دیں۔ یہاں کے آثار، افراد اور لوک ورثہ کے لیے وہ تحقیق کی اور کھوج نکالا جو فرد کی بجائے ادارے کا کام تھا۔ یہ مرد غنی صلہ اور ستائش سے ہمیشہ بے نیاز رہا اگر چاہتا تو اپنی خدمات کے اعتراف میں ارباب اختیار سے انعام حاصل کر سکتا تھا مگر اصحاب اقتدار کی خوشامد سے ہمیشہ دور رہا اور اگر کسی اعلیٰ عہدے دار یا سیاستدان کی قدر کی

Marfat.com

تو محض اس لیے کہ وہ کوئی صاحب علم ہے یا باذوق تخلیق کار ہے۔

بھاجی کی شخصیت کا یہ پہلو بھی قابل رشک ہے کہ آپ کی جمالیاتی آنکھ بہت روشن ہے۔ فنون لطیفہ کی متنوع شاخوں میں شہہ پاروں کی لطافتوں اور نفاستوں کے شناور ہیں اچھی لے، اچھی صوتی یا صوری علامت اچھی خطاطی اچھی طباعت غرض اچھا تخلیقی اظہار آپ کی ذات کے فن کار کو بیدار کر دیتا ہے تب دل کھول کر داد دینے کے لیے آپ فن کار کی روح کے قریب تر ہو جاتے ہیں۔

وقار، متانت، تحمل اور علمی تبحر کی حامل ہستی بہت سی کتب کی مصنف مولف اور مرتب ہے۔ ابھی بے شمار تخلیقی کام آپ کے کاغذات اور ذہن میں محفوظ ہیں جو وسائل اور معاونت کی کمی کے باعث زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہو سکے۔ میری رائے میں ضرورت اس امر کی ہے کہ بھائی جان سے تحقیقی کاموں کی سرپرستی اور رہنمائی کروائی جائے قابل تحقیق نئے موضوعات کی نشاندہی کروائی جائے تحقیق کے خطوط متعین کرنے میں آپ کی مشاورت حاصل کی جائے اور آپ جن موضوعات پر تحقیق کرنا چاہتے تھے ان موضوعات پر کام کرنے کے لیے سرکاری طور پر آپ کی تجاویز کو پذیرائی بخشی جائے۔ آپ کے تجویز کردہ لائحہ عمل کو عملی صورت میں ڈھالنے کی سعی کی جائے آج کے استاد اور طالب علم کو پھر سے کتاب اور کتب خانوں سے استفادہ کرنے پر مائل کرنے کے لیے آپ کے تجویز کردہ طریق کار کو کالجوں میں رائج کرنے کے سلسلہ میں سرکاری طور پر ریٹائرمنٹ کے بعد بھی آپ کی خدمات مستعار لی جائیں۔

گزرتی نسل کے ایک وضعدار استاد پروفیسر سمیع اللہ قریشی ریٹاء رہو رہے ہیں آج پہلے سے بھی زیادہ انکے اسلوب تحقیق اور انداز کار کی لگن کو عام کرنے کی ضرورت ہے۔ سیرت طیبہ، اقبالیات، نفسیات، ادبیات، لسانیات، پنجابی لوک ورثہ اور دیگر متنوع شعبوں میں صاحب ادراک یہ محقق ایسا وجود ہے کہ اس کی کاوشوں کی قدر کرتے ہوئے اس سے استفسار کیا جائے کہ آپ کو کس قسم کی سہولیات مہیا کی جائیں کہ آپ اور زیادہ دلجمعی سے علوم وفنون اور تعلیم

Marfat.com

وتدریس کے طالبان کی رہنمائی اور مشاورت کرسکتے ہیں۔

لاریب بھائی میرے لیے ایسی ہستی ہیں کہ میرا دل یہی چاہتا ہے کہ میں آپ کے پاس بیٹھا رہوں اور دنیا جہان کے موضوعات اور مسائل کی گرہیں کھلتی سنتا رہوں اور آپ دھیمے دھیمے استفسارات کا جواب دیتے ہوئے حقیقتوں کے نئے زاویوں کی شناوری کرواتے رہیں۔ کاش پاکستان میں یہ روایت عام ہو کہ قابل قدر، دردمند اور علمی تبحر کے حامل اساتذہ سے فیض یاب ہونے کے لیے کسی تحقیقی ادارے کی شاخ آپ جیسے ریٹائر ہونے والے مربی کے گھر میں کھول دی جائے جہاں تحقیق و تخلیق کا سفر مختلف لابیوں اور گروہ بندیوں سے بے نیاز محض علم و فن کی شمع کو فروزاں رکھنے کے لیے جاری رہے۔

قیام پاکستان کے بعد آپ نے جن مراحل سے گزر کر کالج میں لیکچرر بننے سے اپنی ملازمت کے سفر کا آغاز کیا وہ ایک سیلف میڈ انسان کی داستان ہے۔ جس دعا سے آپ مجھے نوازتے رہتے ہیں میں بھی وہی دعا اپنے ماں جائے بھائی جان کے لیے کرتا ہوں کہ اللھم اغفرلی ولا خی وانت ارحم الراحمین۔

Marfat.com

ابی جان کے لیے ایک نظم

سمیرا

میرے ابی جان کا سمیع اللہ ہے نام
اور ہمارے شہر میں اونچا ان کا مقام
سارا وقت کتابوں میں رہنا گم چپ چاپ
کالج سے آ جائیں تو یہی ہے ان کا کام
اپنے دکھ چھپا کر یہ رکھیں اپنے تک
لیکن خوش خوش رہتے ہیں ویسے صبح وشام
اپنے گھر سے پیار یہ کتنا کرتے ہیں
اس کی گواہی دیتے ہیں گھر کے در اور بام
حاصل کیے ہیں محنت سے اور مشقت سے
ابی جان ہمارے نے یہ سارے انعام
میرے دوست بھی ہیں یہ اور ہمراہی بھی ہیں
ان کو اچھا کہتے ہیں سارے خاص اور عام
ان کی خوشبو جیتے جی بھول نہیں سکتے
ساتھ ان کے جو گزرے ہیں اپنے سب ایام
اے میرے پیارے مولا میری دعا ہے یہ
اپنے گھر سے دے انہیں صحت اور عمر دوام

(بہت چھوٹی سمیرا نے 30 مارچ 1984ء کو بے ساختہ کہی)

Marfat.com

"بزدل"

ساجد عبداللہ

کھلی ڈُلی چادر نما دھوتی باندھے ہوئے بغیر قمیض پہنے گھر میں ننگے پاؤں چلتے پھرتے اقبال بانو کا گیت "تو لاکھ چلے ری گوری تھم تھم کے" سائیں اختر حسین کی گائی ہوئی مرزا صاحبان کے بول بلند آواز میں پڑھتے ہوئے یا خواجہ فرید کی کوئی کافی الاپتے اور یا پھر کسی بھلے موسم میں "گوری تورے نیناں کجر بن کارے" اور "مورے سجناں اتریں گے پار نندیا دھیرے بہو" کو بھرویں یا ٹھمری کے انگ میں الاپتے شخص کو دیکھ کر کون یقین کرے گا کہ یہ معروف ماہر تعلیم، دانشور، ادیب، شاعر، محقق اور اسلامیہ کالج لاہور ریلوے روڈ کے ریٹائرڈ پرنسپل پروفیسر سمیع اللہ قریشی ہیں۔ کہ ایک دنیا ان کی قابلیت، ذہانت اور علمیت کی معترف پاکستان اور پاکستان سے باہر ہزاروں کی تعداد میں ان کے شاگرد ہیں۔

میں نے بھائی جان سمیع اللہ کو پہلی دفعہ اس وقت دیکھا جب میں چھٹی جماعت کا طالب علم تھا اور یہ اپنے چند احباب، اقربا اور بزرگوں کے ساتھ ہمارے گھر آئے اور میری بڑی بہن کو بیاہ کر لے گئے۔ ان کی شخصیت کے ساتھ میرا پہلا تعارف (پہلا تعارف اس لیے کہ ان کی شخصیت ہمہ جہت ہے اور مختلف مواقع پر ان کی شخصیت کے مختلف پہلو سامنے آتے ہیں)۔

اس وقت ہوا جب میں فرسٹ ایئر میں داخلہ کے لیے کالج بورڈ کے سامنے پیش ہوا اور بورڈ کا رکن ہونے کی حیثیت میں سمیع بھائی جان نے کالج کے قواعد وضوابط کی پابندی کے ضمن میں میری ضمانت دینے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اس کا اور میرا تعلق کالج گیٹ سے باہر ہے اور کالج کے اندر یہ اسی قدر رعایت کا مستحق ہے جتنا کوئی دوسرا طالب علم اور اصول پسندی اور سختی اس وقت بھی جاری رہی جب یہ خود گورنمنٹ کالج جھنگ کے پرنسپل تھے اور ان کا چھوٹا بیٹا اسی

Marfat.com

کالج کا طالب علم تھا۔

ان کے چھوٹے بیٹے حنبل تیمور احمد اب ماشا اللہ پاک آرمی میں بطور انجینئر میجر کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں جب ایف ایس سی کے بعد انہوں نے کمیشن کے لیے درخواست دی تو میں نے کہا کہ ابھی تم پڑھو ابھی سے نوکری کی کیا ضرورت ہے تو کہا کہ ابی جان کے پرنسپل ہوتے ہوئے کالج میں پڑھنے سے بہتر ہے کہ آدمی فوج میں ملازمت کر لے۔

اپنی ملازمت کا بیشتر وقت گورنمنٹ کالج جھنگ میں بطور لیکچرار، اسسٹنٹ پروفیسر، پروفیسر اور پرنسپل کے گزارا اس لیے کالج کے سٹاف خصوصاً درجہ چہارم کے ملازمین کے ساتھ ان کا برتاؤ انتہائی مشفقانہ اور بزرگانہ رہا۔ بطور پرنسپل کالج حدود کے اندر جب رہائش ملی تو اکثر ملازمین ایک ایک کر کے دوپہر کو کھانے کے لیے آتے اور کھانا کھا کر چلے جاتے کسی کو خبر نہ ہوتی کہ کون نوکر کھانا کھا کر گیا ہے۔

ایک دفعہ گورنمنٹ کالج جھنگ کے پرنسپل کی حیثیت سے فیصل آباد بورڈ کی میٹنگ کے لیے گئے۔ بورڈ نے آمدورفت کے اخراجات کی مد میں نقد ادائیگی کی واپسی پر تمام پیسوں سے سیکنڈ ہینڈ 30/32 جرسیاں خرید کر گھر لا کر رکھ دیں اور اگلے روز ایک ایک ملازم کو بلا کر کہا کہ گھر چلے جاؤ برآمدے میں جرسیاں پڑی ہیں اپنی پسند اور ناپ کی اٹھا لاؤ۔ ایک سرد موسم میں اسی طرح کوٹ خرید کر ڈگی بھر لی اور ملازموں میں تقسیم کر دیئے۔ کچھ عرصے کے لیے ڈائریکٹر کالجز ڈیرہ غازی خان ڈویژن تعیناتی رہی بغرض کار سرکار لاہور گئے۔ واپسی پر ڈرائیور سے کہا کہ شاہ کوٹ کے بازاروں کی طرف گاڑی موڑ لو۔ بازار میں جا کر اندازے سے ایک جگہ گاڑی رکوالی اتر کر کچھ دیر ادھر ادھر دیکھتے رہے اور پھر قبلہ رخ ہو کر گاڑی کے بونٹ پر ماتھا ٹیک دیا۔ پھر گاڑی میں بیٹھ کر واپس ہوئے تو ڈرائیور کے پوچھنے پر بتایا کہ حصول آزادی کے بعد مہاجر ہو کر آنے والے ایک خاندان کا چھوٹا سا لڑکا اسی بازار میں تقریباً اسی جگہ زمین پر بیٹھ کر سنگترے بیچا کرتا تھا تا کہ اپنے تعلیمی اخراجات پورے کر سکے۔ خدا کا شکر آج وہ لڑکا اسی بازار میں سرکاری گاڑی میں آیا ہے۔

بھائی جان سمیع ملازمتی اعتبار سے تو اسلامیات کے استاد تھے لیکن اسلامیات کے ساتھ ساتھ تمام مروجہ مضامین جو اس وقت کالج میں پڑھائے جاتے تھے حتیٰ کہ نباتیات،

Marfat.com

حیاتیات، تاریخ، فلسفہ وغیرہ کے بارے بات کر رہے ہوتے ہیں تو یوں لگتا ہے جیسے یہ سائنس ٹیچر ہیں۔ لسانیات، تنقید، ادب وثقافت اور کلچر کا بھی گہرا مطالعہ ہے بطور پرنسپل وقتاً فوقتاً مختلف کلاسوں میں چلے جاتے اور جس مضمون کی بھی کلاس ہوتی اسی مضمون پر طلباء سے گفتگو شروع کر دیتے اور سیر حاصل بحث کرتے مطالعہ کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ اگر سیرت پاک ﷺ کے مختلف گوشوں کو ابھارنے کے لیے قلم اٹھایا تو قومی سیرت کانفرنسوں میں بھرپور وہ مقالہ جات پیش کیے جو کتابی صورت میں شائع بھی ہوئے۔ اگر غالب کا مطالعہ کیا تو کلام غالب سے غالب کا نفسیاتی تجزیہ کرتے ہوئے ''غالب کی نفسیات غم'' کے عنوان سے کتاب ادبی انعام کی حقدار ٹھہری، پنجابی زبان میں مضامین کا سلسلہ شروع کیا تو مسعود کھدر پوش ٹرسٹ نے ان کی خدمات کے اعتراف میں انعام دیا اور جب جھنگ دھرتی کے بارے قلم اٹھایا تو وہ کارنامہ سرانجام دیا جو فرزند زمین ہونے کے دعویدار بھی انجام نہ دے سکے اور حکومت پنجاب کی طرف سے انعام کے حقدار ٹھہرے۔

ان کا نہ صرف مطالعہ وسیع ہے بلکہ مشاہدہ اس سے بھی زیادہ گہرا ہے۔ مجھے زندگی گزارنے اور زندگی کرنے کا باریک سا فرق انہی سے سمجھ میں آیا اور مجھے یہ تسلیم کرنے میں کوئی باک نہیں بلکہ ایک طرح کی خوشی اور فخر ہے کہ میں نے زندگی کی حقیقتوں کو سمجھنے، چھوٹی چھوٹی باتوں سے خوشیاں تلاش کرنے اور زندگی کے بارے میں اپنے رویے میں مثبت تبدیلی لانے میں ان سے رہنمائی حاصل کی اور اصولی موقف اختیار کرتے ہوئے اس پر مضبوطی سے ڈٹ جانے کی عادت (جس نے اکثر اوقات مجھے نقصان پہنچایا) میں نے انہی کی تربیت سے حاصل کی۔ مجھے حرفوں کے ذائقہ سے انہی نے آشنا کیا (اگرچہ میں نے اس کا حق کبھی بھی ادا نہیں کیا) اور بہت سارے اردو، پنجابی اور انگریزی الفاظ کا صحیح تلفظ اور استعمال انہی سے سیکھا۔ دوران گفتگو اصلاح کا پہلو بھی سامنے رکھتے ہیں اور مخاطب یا مخاطب کرنے والے کی زبان دانی کے سلسلے میں غلطی برداشت نہیں کر پاتے۔

ایک بڑا دلچسپ واقعہ یاد آیا۔ جب گورنمنٹ کالج جھنگ کے پرنسپل تھے اس وقت کے ڈپٹی کمشنر نے ایک انتظامی میٹنگ طلب کی۔ بریفنگ کے دوران ڈپٹی کمشنر نے کسی لفظ کو غلط تلفظ کے ساتھ ادا کیا۔ استاد ہونے کے ناطے رہ نہ سکے فوراً ان کی تصحیح کر دی۔ جسے بیوروکریسی

Marfat.com

کی شان میں گستاخی سمجھا گیا۔اس کے بعد جھنگ تعیناتی کے دوران اس ڈپٹی کمشنر نے ان سے ملاقات کرنے میں احتراز کیا۔

بچوں سے محبت کرنے کے سلسلے میں یہ فرق کبھی بھی روا نہ رکھا کہ بچہ کس کا ہے ان کے لیے بس یہی کافی ہوتا ہے کہ یہ بچہ ہے کلاس روم میں مشکل سے مشکل موضوع پر لیکچر دینے یا کسی سیمینار میں کسی خاص موضوع پر روانی سے فی البدیہہ مفصل تقریر کرنے اور نجی اور گھریلو محفلوں میں علمی گفتگو کرنے والے سمیع بھائی جان نوزائیدہ یا شیر خوار بچے کو گود میں لیکر بے تکان توتلی زبان میں چھوٹی چھوٹی باتیں کرتے چلے جائیں گے بعض دفعہ یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ گھر میں کام کاج کے لیے آنے والی ملازمہ باورچی خانہ میں کام کر رہی ہے یا جھاڑ پونچھ کر رہی ہے اور سمیع بھائی جان اس کے بچے کو گود میں لیکر بچوں کی سی گفتگو کر رہے ہیں۔

اگرچہ ازخود انہوں نے کبھی اس کا اظہار یا اعتراف نہیں کیا لیکن میرا اندازہ ہے کہ بچوں کے ساتھ بلاتفریق محبت کرنے میں نبی اکرم ﷺ کے اسوہ کا یہ پہلو بھی ان کے شعور یا لاشعور میں گڑھا ہوا ہے کیونکہ اکثر میرے ساتھ زندگی کے مسائل، حقائق اور مشکلات پر جب گفتگو ہوئی تو اسوۂ حسنہ کا حوالہ دیتے کہ ایسی یا اس جیسی صورتحال میں رسول پاک ﷺ کا رویہ اس طرح ہوتا تھا۔ یہ چیز ان کی رسول پاک ﷺ سے گہری محبت اور سوانح پاک کے گہرے مطالعے پر دلالت کرتی ہے۔

تنخواہ کے علاوہ اضافی آمدنی کے کوئی اور وسائل نہ تھے لیکن حتی المقدور وضع داری نبھائی۔لباس کے معاملہ میں نفاست اور سلیقہ کو ہمیشہ مدنظر رکھا اور میں یہ بات دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ گورنمنٹ کالج جھنگ کے خوش لباس اور خوش پوش اساتذہ کی فہرست ان کے نام کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی۔اپنے چھوٹے بیٹے کا نکاح ساری برادری کے سامنے انہوں نے خود پڑھا کر سب کو حیران کر دیا اس وقت بھی وہ عمدہ تھری پیس سوٹ میں ملبوس تھے۔

اس طرح کے خوبصورت رویوں اور طرزِ عمل کے باوجود مجھے وہ کٹر مذہبی مسلمان کبھی بھی نظر نہیں آئے میرے خیال میں وہ ثقافتی مسلمان زیادہ ہیں اور مذہبی کم۔عقائد میں وہ سرسید پرویز نیاز اور اقبال وغیرہ کے زیادہ قریب ہیں گفتگو اپنی عادت اور مزاج کے مطابق قواعد و ضوابط کی پابندی کے ساتھ کرتے ہیں اور بعض اوقات اتنی شدت سے اصولی موقف اختیار

Marfat.com

کرتے ہیں کہ اپنے اعلیٰ افسران کی ناراضگی کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔ اسی طرح اپنے خانگی اور برادری کے مسائل میں پیش آمدہ صورتحال میں اصولوں کا دامن کبھی نہیں چھوڑا چاہے کیسی گھمبیر صورتحال کا سامنا ہوا یا جو بھی نقصان یا پریشانی ہو تو نہایت اطمینان سے بخوشی قبول کر لیتے ہیں اور یہ کہہ کر چپ ہو جاتے ہیں کہ یہ تو ہونا ہی تھا مگر کیا کروں میں کسی غلط بات کی حمایت نہیں کر سکتا۔ ان کی ذات کا تجزیہ کرتے ہوئے تمام تر حوصلہ مندی۔ اصول پسندی اور قواعد و ضوابط پر عمل پیرا رہنے کے پس پردہ ان میں ایک خوف زدہ شخص نظر آتا ہے جو صرف اس لیے قواعد و ضوابط سے ادھر ادھر نہیں ہوتا کہ میری نیک نامی پر حرف نہ آ جائے یا کوئی یہ نہ کہہ دے کہ آپ نے فلاں موقع پر فلاں فائدہ حاصل کرنے کے لیے اپنے اصولوں کی نفی کی ہے لیکن میری یہ سوچ آن واحد میں تبدیل ہو جاتی ہے جب یہ دیکھتا ہوں کہ بصارت میں کمی کے باوجود بصیرت کی کمی نہیں۔ نظر کمزور ہے مگر نگاہ بہت تیز اور گہری ہے اور چھوٹی چھوٹی باتوں اور واقعات سے بڑے نتائج اخذ کرنے کی خداداد صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہے۔ گوپال متل نے پنڈت ہری چند اختر کے بارے میں کہا تھا شرافت کو انہوں نے اپنا نصب العین بنایا تھا جس پر قربان ہو جانا ان کی زندگی کی معراج تھی میں بھی سوچتا ہوں کہ یہ واقعی خوف زدہ اور بزدل قسم کے انسان ہیں جنہیں دوست احباب، رشتہ داروں اور مختلف سرکاری و نیم سرکاری اداروں کی جانب سے جو عزت ملی ہے وہ ان کے اخلاق کا سبب ہے کہ مبادا کہیں اسے کوئی نقصان نہ پہنچ جائے اور بزدل اتنے ہیں کہ چالیس سال سے اوپر کا عرصہ گزر چکا ہے اور یہ صرف ایک ہی خاتون سے عشق کیے جا رہے ہیں۔ جو ان کی بیوی ہے۔

Marfat.com

یاروں کا یار

منیر الدین احمد

سمیع اللہ قریشی سے میری آخری ملاقات اکتوبر 1960ء کی ایک شام کو بہاولپور کے ریلوے اسٹیشن پر ہوئی تھی۔ جہاں وہ گورنمنٹ ایس ای کالج میں لیکچرر تھا میں چناب ایکسپریس سے کراچی جا رہا تھا، جہاں سے مجھے جرمنی کے لیے ہوائی جہاز لینا تھا۔ میں نے اسے لکھا تھا کہ میری گاڑی تمہارے شہر سے گزرے گی۔ اگر تم مجھے الوداع کہنا چاہتے ہو، تو ریلوے اسٹیشن پر آ جانا۔ مجھے پتہ نہیں تھا کہ وہ آئے گا یا نہیں۔ ہمارے درمیان کچھ عرصہ سے چپ کی بیج جم چکی تھی پتہ نہیں کس بات پر ہم ایک شام سیلونی کے چائے خانہ میں ایک دوسرے سے الجھ پڑے تھے۔ اس دن کے بعد سے ہم نے الگ الگ میزوں پر اپنی اپنی محفل جمالی تھی۔ نقصان سراسر میرا تھا کیونکہ میں نے دوستوں کی ٹولی کو چھوڑ کر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد بنالی تھی مگر میں بھی اپنی ضد کا پکا تھا۔ اب ایسے لوگ میرے ساتھ اٹھنے بیٹھنے لگے، جن کو میں سابقہ وقتوں میں گھاس بھی نہ ڈالتا تھا۔ انہی دنوں میں سمیع اللہ کی تعیناتی بہاولپور کے کالج میں ہوگئی اور پرویز پروازی اپنی تعلیم کے سلسلہ میں اورینٹل کالج لاہور چلا گیا۔ احمد سعید ہمدانی ان دونوں سے پہلے بلوچستان کے کسی دور دراز علاقے میں ٹیچر بن کر جا چکا تھا۔ میرے لیے جرمنی جانا طے پایا تھا، بس جانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ تھوڑے عرصہ میں میرا پاسپورٹ بن گیا، جو اس زمانے میں کسی قسمت والے کو بہت کچھ دے دلا کے لمبی دوڑ دھوپ کے بعد ملتا تھا۔ میں اس چوکڑی کا آخری

Marfat.com

آدمی تھا جس کے چلے جانے کے بعد ہماری محفل کی بساط اٹھ گئی۔

گاڑی بہاولپور پہنچی، تو سمیع اللہ قریشی میرا استقبال کرنے کے لیے ریلوے اسٹیشن پر موجود تھا۔ اس نے گرم جوشی سے میرے ساتھ معانقہ کیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو چھلک رہے تھے۔ اس نے جیب سے ایک کاغذ نکالا، جس پر اس نے میری پاکستان سے روانگی پر ایک نظم لکھ رکھی تھی۔ اس نے وہ کاغذ اس تاکید کے ساتھ میرے ہاتھ میں تھما دیا کہ راستے میں پڑھنا۔ وہ نظم کو پڑھ کر سنانے کے لیے تیار نہ تھا، کیونکہ اسے اپنے آنسوؤں پر قابو نہ تھا شاید اسے یہ احساس تھا کہ وہ ہماری آخری ملاقات تھی۔ اس کا احساس کس قدر درست تھا۔ اس واقعہ پر چالیس برس ہو رہے ہیں، جس کے دوران ہمیں ایک دوسرے سے ملنے کا موقعہ نہیں ملا۔

ہماری دوستی کی جڑیں بہت پرانی اور گہری ہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ پرائمری اسکول کی دوسری جماعت میں ہماری کلاس شیشم کے ایک درخت کی چھاؤں میں لگتی تھی۔ میرے دائیں بائیں منکر نکیر کی طرح سمیع اللہ اور ہدایت اللہ بیٹھتے تھے، جو اپنے قدوں کے تفاوت کے سبب گلی ڈنڈا لگتے تھے۔ سمیع اللہ میری طرح پدا تھا، جبکہ ہدایت اللہ پتلا اور لمبوترا تھا۔ دونوں اندرون شہر میں رہتے تھے شاید ہمسائے تھے اور ایک دوسرے کو اس وقت سے جانتے تھے، جب وہ پوتڑوں میں لپٹے ہوتے تھے۔ میری دوستی ان کے ساتھ نئی تھی، کیونکہ میں اس شہر میں نووارد تھا۔

پڑھنا میں نے اپنی خالہ بیگم جی سے سیکھا تھا، جنہوں نے نہ صرف خاندان کے بچوں کو قرآن پڑھایا تھا، بلکہ وہ جگت استاد تھیں۔ بچوں کی نفسیات کو خوب سمجھتی تھیں اور کند ذہن بچے بھی تین چار ماہ کے اندر پڑھنا سیکھ جاتے تھے۔ اس کا فائدہ مجھے یہ پہنچا کہ جب میں اسکول میں داخل ہوا، تو فرفر پڑھ سکتا تھا۔ اس طرح میں اپنے ہم مکتبوں سے آگے تھا۔ سمیع اللہ بھی میری طرح پڑھا کو تھا اور اسی پر ہماری دوستی قائم تھی۔ ہدایت اللہ کے اندر دوسری صفات پائی

Marfat.com

جاتی تھیں۔ جو ہمیں اتنی ہی قیمتی لگی تھیں۔ وہ ایک جلد ساز کا بیٹا تھا اور ہماری کتابوں اور کاپیوں کی جلدیں باندھا کرتا تھا۔ وگرنہ پڑھنے لکھنے میں وہ خاصا پھسڈی تھا۔ وہ جتنا خاموش طبع تھا، اتنا ہی سمیع اللہ شوخ اور شریر تھا، جس کے سبب اسے آئے دن استادوں کی خاص عنایتوں کو سہنا پڑتا تھا مگر وہ چونکہ ذہین تھا اور محنت سے جی نہیں چراتا تھا، اس لیے کلاس میں ہمیشہ نمایاں رہتا تھا۔ بس ایک بات میں وہ مجھ سے مات کھا جاتا تھا۔ میرا خط اس سے بہتر تھا، جس کے سبب مجھے اکثر زیادہ نمبر ملتے تھے۔ ہم دونوں کے درمیان ہر روز مقابلہ ہوتا تھا، مگر ہماری دوستی بھی مثالی تھی میں اس کے بغیر اور وہ میرے بغیر نہیں رہ سکتے تھا۔ ہمارا ساتھ پانچویں جماعت تک رہا۔

یہ 1945ء کی بات ہے۔ دوسری جنگ عظیم بند ہوگئی تھی اور اباجی کی، جو سول اینڈ ملٹری اکاؤنٹس میں کام کرتے تھے، رزمک سے راولپنڈی تبدیلی ہوگئی تھی، جہاں پر انہوں نے ایک مکان کرائے پر لیا تھا اور چاہتے تھے کہ اماں بچوں سمیت وہاں پر منتقل ہو جائیں چنانچہ ہمارا کنبہ 7 اکتوبر 1945ء کو راولپنڈی میں وارد ہوا۔ مجھے اسلامیہ ہائی اسکول میں داخلہ ملا، جہاں سے میں نے 1951ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ وہاں پر مجھے نئے ہم جماعت ملے، جن کے ساتھ میرے دوستی کے روابط قائم ہوئے مگر ان میں سے کوئی سمیع اللہ جیسا نہ تھا۔

اگست 1947ء میں ہندوستان کا بٹوارا ہوا اور دوسرے لاکھوں مسلمانوں کی طرح سمیع اللہ کے خاندان کو بھی ہجرت کرنا پڑی۔ اس دوران میں ہمارا آپس میں کوئی رابطہ نہ تھا اور مجھے پتہ نہیں تھا کہ ان لوگوں کو کہاں پر سر چھپانے کو جگہ ملی تھی۔ مگر میں نے اسے نہیں بھلایا تھا۔ میٹرک کے بعد میری تعلیمی سرگرمیاں مجھے ضلع جھنگ کے ایک دور افتادہ گاؤں احمد نگر لے گئیں، جہاں پر ان دنوں ایک دینی ادارہ پایا جاتا تھا، جس کا تعلیمی ریکارڈ بہت اچھا تھا۔ پنجاب یونیورسٹی کے عربی زبان کی اہم ترین ڈگری ''مولوی فاضل'' کے امتحان میں اول پوزیشن لینے والے اکثر اسی جامعہ کے طالب علم ہوا کرتے تھے۔ آگے چل کر مجھے یہ اعزاز ملنا

Marfat.com

تھا۔

جامعہ میں تعلیم کے دوران میری دوستی ایک سوڈانی طالب علم رضوان عبداللہ کے ساتھ ہوئی، جس کے ماں باپ حبشہ کے دارالحکومت ادیس ابابا میں رہتے تھے وہ تعلیم کے سلسلہ میں پاکستان آن آنکلا تھا۔ ہماری آپس میں گاڑھی چھنتی تھی۔ میں اسے اردو سکھاتا تھا اور وہ مجھے عربی پڑھایا کرتا تھا، جو اس کے لیے مادری زبان کا درجہ رکھتی تھی، کیونکہ وہ شروع ہی سے اپنے دادا کے پاس خرطوم میں مقیم رہا تھا مگر اصطلاحاً عربی اس کی مادری زبان نہ تھی، کیونکہ اس کی ماں عربی سے نابلد تھی اور صرف امہاری زبان جانتی تھی چنانچہ جب وہ پاکستان جاتے ہوئے اپنے ماں باپ کے پاس دو ماہ تک ادیس ابابا میں رہنا ہوتا تھا، تو اس کے باپ کو ماں بیٹا کے درمیان ترجمان بننا پڑتا تھا۔ 1954ء کی گرمیوں میں جامعہ کی طرف سے دریائے چناب کے کنارے ایک پک نک منائی گئی جس کے دوران رضوان، جسے تیرنا نہیں آتا تھا، دریا میں ڈوب کر مر گیا۔ میرے لیے یہ حادثہ بہت بڑا ذاتی المیہ بھی تھا، جس پر میں نے ایک مضمون لکھا، جو انہی دنوں میں میرے اس زمانے کے قلمی نام یحییٰ افضلی کے تحت ایک اخبار میں چھپ گیا۔

میں گرمیوں کی تعطیلات راولپنڈی میں گزارنے کے بعد احمد نگر واپس لوٹا، تو تعلیم الاسلام کالج، لاہور، کے رسالہ "المنار" میں ایک رپورتاژ نظر سے گزرا، جس میں قریشی سمیع اللہ نامی مصنف نے رضوان عبداللہ کی موت کو اس طرح پیش کیا تھا، جیسے وہ دونوں کشتی رانی کے لیے دریا پر گئے تھے، جہاں پر رضوان پانی میں ڈوب کر مر گیا تھا رپورتاژ کا ماخذ واضح طور پر میرا مضمون تھا۔ میں نے ایک احتجاجی خط ایڈیٹر کے نام لکھا، جس میں جہاں پر میں نے اپنے مضمون کا حوالہ دیا تھا، وہاں پر اس امر کا اظہار بھی تھا کہ مصنف شاید میرا پرانا کلاس فیلو اور دوست ہے۔

اس خط کا جواب سمیع اللہ نے دیا اور اس امر کی تصدیق کی کہ وہ فی الواقعہ میرا بچپن کا دوست ہے۔ البتہ اپنے رپورتاژ کا اس نے دفاع کیا۔ میرا مضمون اس نے پڑھا تھا، مگر مصنف

Marfat.com

کا نام اس کے لیے اوپرا تھا۔ اگر میں نے اپنا اصل نام بتایا ہوتا، تو وہ مجھے شاید پہچان جاتا۔ اس نے لکھا کہ وہ تھوڑے دنوں تک مجھے ملنے کے لیے آ رہا ہے۔ اس طرح نو برسوں کی جدائی کے بعد ہمارا دوبارہ ملنا ہوا۔ اسی کی زبانی مجھے ہدایت اللہ کے بارے میں پتہ چلا کہ وہ ایک قریبی قصبہ میں جلد سازی کا کام کرتا ہے۔

سمیع اللہ بی۔ اے آنرز کرنے کے بعد اسی قصبے میں آ کر ایک ادارے میں پڑھانے لگا جہاں پر میں اس دوران میں مقیم تھا۔ اس کے علاوہ وہاں پر میرے دوستوں میں ناصر احمد خان تھا، جو اس زمانے میں ابھی ڈاکٹر پرویز پروازی نہیں بنا تھا۔ وہ میرا ماموں زاد ہے اور میں اس کے والدین کے ہاں مقیم تھا۔ اسی گلی میں احمد سعید ہمدانی رہتا تھا، جس کے افسانوں کا ایک مجموعہ اس زمانے میں چھپ چکا تھا۔ وہ ہم دوستوں میں پہلا صاحب کتاب تھا۔ میری تخلیقات تواتر سے اخبارات ورسائل، بالخصوص ہفت روزہ ''قندیل'' لاہور میں شائع ہوتی تھیں۔ ہماری چوکڑی کی قدر مشترک ادب تھی۔ جس کے مالہ اور ماعلیہ پر ہماری محفلوں میں گرما گرم بحث مباحثہ ہوتا تھا۔ اس قصبے میں سیلونی کا چائے خانہ ہماری بیٹھک کا مستقل ٹھکانہ تھا۔ جہاں پر ہم لوگ چائے کی ایک پیالی پر بیٹھے ہوئے گھنٹوں تک ادبی مسائل پر ایک دوسرے سے مجادلہ کرتے تھے۔ پھر ہم نے حلقہ ارباب ذوق کی طرز کی ''بزمِ خیال'' بنائی، جس کی محفلیں ہفتہ وار ہوتی تھیں اور جہاں پر ہم باری باری اپنی تحریریں تنقید کے لیے پیش کرتے تھے۔ کچھ عرصہ تک مرزا حنیف احمد بھی ہماری محفلوں میں شرکت کرتے رہے۔ اگرچہ یہ حضرت اکثر نظم لکھ کر ساتھ لانی بھول جاتے تھے اور محفل کے شروع ہونے سے چند منٹ پہلے ایک کونے میں بیٹھ کر فی البدیہہ آزاد نظم لکھ کر پیش کر دیا کرتے تھے اور داد سے زیادہ بے داد پاتے تھے۔

ہمیں اس بستی کے دو نامور شاعر بھائیوں مصلح الدین راجیکی، جو شروع میں اختر شیرانی کی طرز پر رومانی نظمیں لکھا کرتا تھا، مگر بعد میں اس نے غزل گوئی میں نام پیدا کیا اور مبشر راجیکی کی صحبت اور راہنمائی بھی حاصل رہی۔ ان سے ہم نے بہت کچھ سیکھا مگر اس سے بڑھ کر

Marfat.com

ہم نے ایک دوسرے کی ادبی تربیت کی۔ ہر نئی کتاب باری باری چاروں یاروں میں گھومتی تھی اور اس پر بات ہوتی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ ایک بار سمیع اللہ لاہور کے سفر سے لوٹا، تو اس کے ہاتھ میں امرتا پریتم کی کتاب ''نویں رت'' تھی۔ اس نے کہا کہ اس کتاب میں ایک الہامی نظم ہے چنانچہ اس نے تو اریخ سنانی شروع کی۔ جب وہ ان شعروں پر پہنچا، تو ہماری آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے:

اج آکھاں وارث شاہ نوں، کتوں قبراں وچوں بول
تے اج کتاب عشق دا کوئی اگلا ورقہ پھول
اک روئی سی دھی پنجاب دی، توں لکھ لکھ مارے وین
اج لکھاں دیہاں روندیاں، تینوں وارث شاہ نوں کہن
اٹھ دردمنداں دیا دردیا، اٹھ تک اپنا پنجاب
اج بیلے لاشاں وچھیاں تے لہو دی بھری چناب
کسے نے پنجاں پانیاں وچ وتی زہر رلا

یہ کتاب آئندہ دنوں اور ہفتوں میں ہماری محفلوں کا مرکز بن گئی اور قریب قریب سب کو زبانی یاد ہو گئی۔ اس کے زیر اثر ہم نے پنجابی زبان میں لکھنے کا ارادہ باندھا۔ سب سے پہلا قدم یہ اٹھایا گیا کہ ہماری ٹولی ایک استاد کی تلاش میں نکلی، جو ہمیں گورمکھی لپی سکھا سکے۔ ایسا استاد اسی قصبے میں ڈھونڈ لیا گیا، مگر ہم میں سے صرف سمیع اللہ ثابت قدم نکلا، جس نے آگے چل کر پنجابی میں بہت کچھ لکھا اور اس زبان میں باقاعدہ شاعری کی۔ میں نے پنجابی میں بس دو افسانے لکھے، جو انہی دنوں ''امروز'' کے پنجابی ادب کے صفحے پر چھپ گئے اور مجھے زندگی میں پہلی بار نقد معاوضہ ملا مگر پنجابی رسم الخط سے کماحقہ واقفیت نہ ہونے کے سبب مجھ سے اپنے افسانے پڑھے نہ جاتے تھے۔ اس لیے میں نے اس زبان میں لکھنے سے ہاتھ اٹھا لیا، جس پر

Marfat.com

اب تک پچھتا تا ہوں۔ 1984ء میں مجھے ہندوستان کے سفر کے دوران حسن رضوی اور سعادت سعید کی معیت میں نئی دہلی میں امرتا پریتم کے گھر پر جانے کا اتفاق ہوا، تو میں نے اسے سنایا کہ کس طرح اس کی نظم نے ہمارے دلوں میں ایک ولولہ پیدا کر دیا تھا۔ امرتا نے کہا کہ اس کو فیض احمد فیض نے بتایا تھا کہ لاہور میں ادیب اس نظم کو پڑھ پڑھ کر روتے تھے۔ پنجابی کے مشہور ناول نگار شمشیر سنگھ نروالا کی زبانی مجھے پتہ چلا کہ اس نظم کے سبب سکھ ادیبوں نے امرتا پریتم کو برا بھلا کہا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ امرتا کو وارث شاہ کی بجائے گرو بابا نانک یا کسی اور سکھ گرو کو دہائی دینی چاہیے تھی۔

میں جلد بعد ہوسٹل میں منتقل ہو گیا، جو کچی عمارت میں تھا اور میرے وہاں پر قیام کے آخری دن تک اس میں بجلی نہیں آئی تھی۔ تیل کے لیمپ کی روشنی میں پڑھنے کی وجہ سے میری آنکھیں برباد ہوئیں۔ میرا کمرہ بہت جلد میرے دوستوں کی آماجگاہ بن گیا۔ اب ان میں سعید احمد خاں رحمانی کا اضافہ ہو گیا (جو حال میں ہی آڈیٹر جنرل کے عہدے سے ریٹائر ہوا ہے) جس کے سبب اردو اور عربی ادب کے علاوہ اب انگریزی ادب پر بھی بات چیت ہونے لگی۔ وہ مقامی کالج میں انگریزی کا لیکچرر تھا میں ان دنوں مولوی فاضل کرنے کے بعد پرائیویٹ طالب علم کی حیثیت سے بی۔ اے کا امتحان دینے کی تیاری کر رہا تھا جس کے لیے صرف انگریزی کا پرچہ دینا ہوتا تھا البتہ میں نے پولیٹیکل سائنس، عربی ادب اور اردو (ایڈیشنل) کا بھی امتحان دیا اور فرسٹ ڈویژن میں پاس ہوا تھا۔ میرے پاس کورس کی کوئی کتاب نہ تھی اور نہ ہی میری جیب اس امر کی اجازت دیتی تھی کہ متعلقہ کتابیں قیمتاً خرید سکوں۔ اس لیے مجھے کتابیں دوستوں سے مانگ تانگ کر پڑھنی پڑتی تھیں۔ مجھے یاد ہے کہ سمیع اللہ سے مجھے عربی کی کتابیں ملی تھیں۔ ایک کتاب اس کے پرنسپل کے بیٹے نے عرصہ ہوا عاریتہً لے کر اپنے پاس رکھ چھوڑی تھی اور واپس نہیں کرتا تھا۔ سمیع اللہ نے مجھے کہا کہ تم اس سے کتاب مانگو اور امتحان سے فارغ ہونے کے بعد مجھے واپس کر دینا۔ میں نے ایسا ہی کیا اور مجھے بعد میں پرنسپل کے

Marfat.com

بیٹے سے جلی کٹی سننی پڑی۔ سعید رحمانی سے میں نے انگریزی کا ایک ناول مانگا، جس کو وہ ان دنوں اپنی کلاس میں پڑھا رہا تھا میں نے کہا کہ میں ناول چار دنوں میں پڑھ کر واپس کر دوں گا۔ سمیع اللہ نے کہا یہ ناممکن ہے میں چار سو صفحوں کی کتاب کو دو دونوں میں اور بعض صورتوں میں صرف ایک دنمیں پڑھ ڈالتا ہوں۔ پولیٹکل سائنس کی آٹھ کتابیں مجھے واقف کاروں سے مل گئی تھیں، مرزا حنیف احمد ملے۔ انہوں نے کہا کہ ایک کتاب فلاں دوکان پر دستیاب ہے اور مجھے مل سکتی ہے۔ وہ خود بھی اس کتاب کو پڑھنے کا ارادہ رکھتے تھے، مگر چونکہ ان کو مجھ سے ایک سال بعد امتحان دینا تھا، اس لیے میں نے وہ کتاب ان کے حساب پر جا کر لے لوں اور امتحان کے بعد ان کے حوالے کر دوں۔

سمیع اللہ بھی ان دنوں میری طرح ہر سال یونیورسٹی کا کوئی نہ کوئی امتحان دیا کرتا ھا۔ اس نے اس عرصے میں لاہور جا کر ٹیچر ٹریننگ کالج سے بی۔ ایڈ کیا۔ اتفاق ایسا تھا کہ اس کے پروفیسروں میں وہاں پر قاضی اکرم شامل تھے، جو ایک زمانے میں گورنمنٹ مڈل اسکول قاضیاں (تحصیل گوجر خان) میں میرے استاد رہ چکے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ انہوں نے میرے اندر اردو ادب سے لگاؤ پیدا کیا تھا۔ اسکول کی لائبریری میں شفیق الرحمٰن کی ایک کتاب آئی تھی۔ انہوں نے اس میں سے کچھ صفحے ہمیں پڑھ کر سنائے، جس کا مجھ پر بہت گہرا اثر ہوا۔ میں نے اسی روز لائبریری سے یہ کتاب جاری کرائی۔

سمیع اللہ نے اسی سال عربی اور اسلامی علوم میں ایم اے کر لیا تھا اور ہم دوستوں کے ساتھ مل کر اچھے وقتوں کے خواب دیکھا کرتا تھا۔ میں نے اپنی زندگی کی پہلی فلم اس کی فرمائش پر اور شاید اس کے پیسوں سے دیکھی تھی۔ ہم دونوں سعید رحمانی کی معیت میں لاہور گئے تھے، جہاں پر ہر طرف The Hunchback of Nortedam کے اشتہار لگے ہوئے تھے۔ سمیع اللہ جینا لولو بریجیڈا کی تصویر کو دیکھ کر قابو سے باہر ہو گیا۔ اس نے کہا ہم اس فلم کو دیکھے بغیر واپس نہیں جا سکتے، خواہ ہمارا ایمان بھی کیوں نہ خراب ہو جائے۔ کیا عجب کہ وہ اب بھی جینا کی

Marfat.com

تصویر کو دیکھ کر ٹھنڈی سانسیں بھرتا ہو۔ ملک شام کا ایک سابق وزیر دفاع بھی سنا ہے جینا پر مرتا ہے۔ جب جینا نے یہ بات سنی، تو اس نے فوراً اس سے انٹرویو کے لیے وقت مانگا، جو اسے دیا گیا۔ جینا اب صحافت میں قلم رانی کرتی ہے۔

خوبصورت تصویریں سمیع اللہ کی خاص کمزوری ہیں۔ اس کا مجھے بہت تلخ تجربہ ہوا۔ جامعہ کی لائبریری میں مصر سے ہفتہ وار ''المصور'' آتا تھا، جس کی سب سے بڑی خوبی رنگین تصویریں ہوا کرتی تھیں۔ میں یہ رسالہ باقاعدگی سے پڑھتا تھا اور گاہے بگاہے اس میں چھپنے والی کہانیوں کا اردو میں ترجمہ بھی کرتا تھا، جو ''قندیل'' میں چھپتی تھیں۔ سمیع اللہ مجھ سے اس رسالے کی فائل منگوا کر دیکھا کرتا تھا اور آگے احمد سعید ہمدانی کے حوالے کر دیتا تھا، جو اکثر اس کو دبا کر بیٹھ جاتا تھا جب ایک بار لمبے چوڑے تقاضوں کے بعد مجھے فائل واپس ملی، تو اس میں بہت سی تصویریں غائب تھیں۔ سمیع اللہ یا ہمدانی نے جمال عبدالناصر اور جنرل نجیب کی تصویریں کاٹ کر رکھ لی تھیں۔ میں نے انکو لعن طعن کیا، کیونکہ رسالہ لائبریری کی ملکیت تھا اور میرا خیال ہے کہ اس پر ہمارا جھگڑا بھی ہوا تھا، جس کے بعد ایک عرصہ تک ہم ایک دوسرے سے روٹھے رہے تھے۔

صرف تصویروں پر بس نہ تھی۔ سمیع اللہ اور بعض دوسرے دوست مصری حسیناؤں کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے میرے ہوسٹل کے کمرے میں ڈیرہ ڈال کر بیٹھ جاتے تھے۔ بالخصوص ایسے وقت پر جب کالج کی لڑکیاں وہاں سے گزرتی تھیں۔ سعید رحمانی اکثر بلھے شاہ کی کافیاں میری چارپائی پر لیٹ کر گایا کرتا تھا۔ ایک بول یاد رہ گیا ہے: ''ویہڑے آوڑ ساڈے بھانویں جان نہ جان......'' ایک روز ایک چھوٹی سی بچی کٹار جیسی آنکھوں والی سیدھی میرے کمرے میں آن دھمکی۔ اس کے ہاتھ میں اپنی بڑی بہن کا رقعہ تھا، جس میں کالج کے سالانہ تقریری مقابلہ میں حصہ لینے کے لیے ایک تقریر لکھ کر دینے کی فرمائش کی گئی تھی۔ میں نے اسے اگلے روز آ کر تقریر کا مسودہ لے جانے کو کہا۔ اس کی بہن کو پہلا انعام ملا اور وہ آتے جاتے ہوئے کالے

Marfat.com

برقعے میں سے اپنے چاند جیسے چہرے کا دیدار دے کر گزرنے لگی۔ انعام اس نے کیا حاصل کیا کہ آئے دن کالج کی لڑکیوں کی طرف سے مجھ پر تقریریں لکھنے کی فرمائشوں کی بارش برسنے لگی۔ میں تو اچھا بھلا Ghost writer بن کر رہ گیا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک فرمائش منٹگمری سے خط کے ذریعہ آئی تھی۔ اس پر میری چوکڑی کے دوست خوب جلتے بھنتے تھے۔

مجھے تو خیر تقریروں کے سلسلہ میں کئی بار اول انعام مل چکا تھا۔ اس لیے میرے لیے کسی محفل میں تقریر کرانا یا مقالہ پڑھنا معمول کی بات تھی۔ البتہ سمیع اللہ کو سٹیج پر لانے کا کارنامہ مرزا حنیف احمد نے سرانجام دیا۔ وہ ان دنوں اپنے کالج کی یونین کے صدر تھے اور ایک دو روزہ ادبی مجلس منعقد کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے میرا اور سمیع اللہ کا نام پروگرام میں چھپوا دیا، بلکہ خود ہی ہمارے مقالوں کے عنوان دیئے جو مجھے یاد نہیں رہے۔ بہرصورت ہم نے کالج کے بڑے ہال میں منعقد ہونے والی اس کانفرنس میں مقالہ جات پڑھے، جو اس لیے یادگار بن گئے کہ پہلی بار کسی نے اس مذہبی قصبے میں حوروں کے حسن اور شراب کے نشے کی تعریف میں جھوم جھوم کر شعر پڑھ کر سنائے تھے۔

ہمارا صوفی منش شاعر دوست مبشر راجیکی بھی ایک خاص وضع کی ٹوپی پہنا کرتا تھا۔ سمیع اللہ اس کو انگریزی پڑھاتا تھا اور خود اس سے فارسی اور شرح دیوان غالب کا درس لیتا تھا۔ مبشر بہت موڈی آدمی تھا چنانچہ کئی بار ایسا ہوا کہ سمیع اللہ جولائی۔ اگست کی دوپہر کو پسینے میں نہایا ہوا اس کے گھر پر پہنچا اور مبشر نے یہ کہہ کر اس کو واپس کر دیا کہ اس روز اس کا موڈ پڑھنے پڑھانے کا نہیں ہے۔

پھر مبشر مانسہرہ (ہزارہ) میں جا بسا اور جاتے ہوئے سمیع اللہ کو چھٹیوں میں وہاں پر آنے کی دعوت دیتا گیا۔ مجھے راولپنڈی میں سمیع اللہ کا خط ملا کہ وہ مانسہرہ آ کر پچھتا رہا ہے۔ جب مبشر پر شاعرانہ موڈ طاری ہوتا ہے، تو اس کے ساتھ پورا پورا دن بات نہیں ہو سکتی۔ اس نے لکھا کہ اگر تم کچھ روز کے لیے آ جاؤ، تو کچھ موج میلہ لگ جائے۔ میرے وہاں پر آ جانے سے

Marfat.com

یہ ہوا کہ ہم نے اپنا پروگرام مبشر سے الگ بنانا شروع کر دیا۔ میں اس سے قبل ایک بار مانسہرہ جا چکا تھا اور جانتا تھا کہ اس علاقے میں بہت سے تاریخی آثار پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ ہم باری باری ان کی تلاش میں نکلنے لگے۔ اشوک کا کتبہ تو شہر کی آبادی کے بالکل قریب تھا۔ وہاں پر ساتھ ہی ایک چشمہ پایا جاتا ہے، جس کا ٹھنڈا اور میٹھا پانی اتنی مدت کے بعد مجھے اب تک یاد ہے۔ ہم دو روز کے لیے ایبٹ آباد بھی گئے، جہاں پر میرا ایک دوست مقیم تھا وہ ہمیں ایک چائے خانے میں لے گیا، جو بقول اس کے عجوبہ روزگار تھا۔ وہاں کی صفائی ستھرائی کو دیکھ کر ہمیں سیلونی کا چائے خانہ یاد آ گیا۔ جہاں پر ہماری ادبی بیٹھک لگتی تھی۔ وہاں پر بھی گاہک کو کرسی کو اپنی جگہ سے ہلانے کی اجازت نہ تھی۔ مالک چائے خانہ کو جب میرے دوست نے بتایا کہ میں بہت جلد جرمنی جانے والا ہوں، تو اس نے کہا کہ وہاں پر جا کر لوگوں کو بتانا کہ پاکستان میں ایک ایسا چائے خانہ پایا جاتا ہے، جو دنیا میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔

مبشر راجیکی بھی کبھی کبھی ہماری آوارہ گردی میں شریک ہونے لگا۔ ایک روز اس نے کہا کہ کیوں نہ آج عیسائی مشن والوں کو تنگ کیا جائے۔ وہ لوگ تین روحوں کو ازلی عذاب سے نجات دلانے کے خیال سے بہت خوش ہوئے مگر جب ہم لوگ بحث مباحثے پر اتر آئے، تو پادری صاحب کو اچانک ایک اپوائنٹمنٹ یاد آ گئی اور ہم سے رخصت لے کر چل دیئے۔ دوسرے روز مبشر ہمیں ایک قریبی گاؤں میں لے گیا، جہاں پر اس کا کوئی واقف کار رہتا تھا۔ وہاں پر ہم نے رات بسر کی۔ اگلی صبح ایک اہل حدیث مولوی صاحب چند چیلوں کو لے کر پہنچ گئے۔ پتہ چلا کہ وہ مبشر کے ساتھ مناظرہ کرنا چاہتے ہیں مگر مشکل یہ تھی کہ مجھے اسی روز قبل از دوپہر بالاکوٹ کے لیے روانہ ہونا تھا، جہاں پر مجھے ایک گروپ کے ساتھ وادی کاغان کی سیاحت کے لیے نکلنا تھا۔ میرا سفری بیگ مبشر کے گھر پر پڑا تھا، اس لیے ضروری تھا کہ وہ میرے ساتھ مانسہرہ شہر جائے۔ ہم نے راستے میں مبشر کے خوب لتے لیے کہ وہ کیوں ہر کسی کے ساتھ بحث مباحثہ کرتا پھرتا ہے۔

Marfat.com

میں تعطیلات سے واپس لوٹا، تو آتے ہی سر راہے احمد سعید ہمدانی سے مٹھ بھیڑ ہوگئی۔ وہ خضدار سے یونیورسٹی کا امتحان (بی۔اے یا شاید ایم اے) دینے کے لیے پنجاب آیا تھا مگر بدقسمتی سے دوسرے پرچے والے روز صبح اس کی آنکھ وقت پر نہ کھلی اور وہ پرچہ نہ دے سکا۔ اب اسے چھ ماہ کے بعد اپنی قسمت آزمائی کرنی تھی۔ اس زمانے میں ہم میں سے کسی کے پاس گھڑی نہیں تھی۔ الارم والے کلاک کا بھی کچھ ایسا رواج نہیں تھا۔ ہمدانی نے کہا کہ اس کی ملاقات سمیع اللہ کے ساتھ ہو چکی ہے اور وہ میری اور مبشر کی تعریف میں رطب اللسان ہے۔ میں حیران ہوا کہ اس کا بھلا کیا سبب ہو سکتا ہے۔ پتہ چلا کہ اس دوران میں مبشر راجیکی کی ایک غزل چھپی تھی اور میرا مقالہ، جو قرآن کی زبان کے ادبی جائزے کے بارے میں تھا۔ سمیع اللہ نے دونوں کو الہامی قرار دے دیا تھا۔

تھوڑے دنوں کے بعد سیلونی کے چائے خانہ میں میرے اور سمیع اللہ کے درمیان جھڑپ ہوئی، جس کی وجہ یا تفصیل ہم دونوں کو یاد نہیں ہے۔ اس کے بعد ہمارے تعلقات میں ایک وقفہ آ گیا، جس کو بہاولپور کے ریلوے اسٹیشن پر اس کا مجھے الوداع کہنا بھی دور نہ کر سکا۔ میں نے اسے جرمنی سے دو یا شاید تین خط لکھے اور اس نے بس ایک آدھ خط کا جواب دیا پھر سالوں کے بعد میری ملاقات سڑک پر اس کے والد صاحب سے ہوئی اور پتہ چلا کہ سمیع اللہ جھنگ کے گورنمنٹ کالج میں پڑھاتا ہے۔ کسی طرح اس کالج کے استاد شاکر ترک کو میرا پتہ ملا، تو انہوں نے مجھے ایک خط لکھا۔ ان کو اورینٹل کالج کی لائبریری سے میرا ڈاکٹریٹ کا مقالہ ملا تھا، جو قبل از مدرسہ کے زمانے کے اسلامی نظام تعلیم کے بارے میں ہے۔ وہ اس کا اردو میں ترجمہ چھاپنا چاہتے تھے۔ وہ سمیع اللہ کے کولیگ تھے۔ انہی سے مجھے اس کی خیریت کا پتہ چلا اور اس کی علمی ادبی سرگرمیوں کی اطلاع ہوئی۔

میں نے شاکر ترک صاحب کو لکھا کہ اپنے کولیگ اور میرے بچپن کے دوست سمیع اللہ قریشی کو میرا سلام پہنچا دیں۔ انہوں نے میرا سلام ان کو پہنچایا اور ان کا مجھے دیا مگر اس کے بعد ہم

Marfat.com

دونوں کے درمیان سالہا سال تک خط و کتابت کی نوبت نہ آسکی۔ یہ سلسلہ تب جا کر ٹوٹا، جب ''نقوش'' میں احمد سعید ہمدانی کے نام میرے خطوط چھپے، جو میں نے بیس پچیس برسوں کے دوران ان کو لکھے تھے۔ سمیع اللہ کو افسوس ہوا کہ وہ اس مکالمہ میں شریک نہیں ہے، جو میرے اور ہمدانی کے درمیان ہوتا رہا تھا۔ اس عرصہ میں دونوں طرف کے خطوط کتابی صورت میں ''حدیث یاراں'' کے عنوان کے تحت چھپ چکے ہیں۔ ہم نے اس کتاب کا انتساب سمیع اللہ قریشی اور ڈاکٹر پرویز پروازی کے نام کیا ہے، جن کا ذکر سرخ دھاری کی طرح اس کتاب میں موجود ہے۔'' اب جب کہ ہم دونوں ریٹائر ہو چکے ہیں، ہم گاہے گاہے ایک دوسرے کو خط بھی لکھنے لگے ہیں۔ دیکھیں یہ سلسلہ کب تک چلتا ہے۔ اور یہ بھی جی میں آتا ہے کہ اب ہم دونوں کی خط کتابت ''حدیثِ ہم نفساں'' کے نام سے چھپے شاید کبھی ایسا ہو جائے۔

Marfat.com

جادہ وفا کا رہ نورد

سید احمد سعید ہمدانی

سمیع اللہ قریشی میرے دوست ہیں۔ ہم اس وقت سے دوست ہیں جب ہم لکھنا سیکھ رہے تھے۔ ہم شاید ایک ڈیڑھ سال ہی اکٹھے رہے ہوں گے۔ اس کے بعد جو بچھڑے تو پھر ہمیں کسی ایک دار و دیار میں رہنا نصیب نہ ہوا مگر دوستی برقرار رہی۔ وقتاً فوقتاً میل ملاقات، خط و کتابت اور آنے جانے والے لوگوں کے ذریعہ پیغامات وغیرہ۔

قریشی صاحب نے جو راستہ اختیار کیا۔ وہ تعلیم و تعلم سے متعلق تھا اور ہے۔ اس پر وہ تیر کی طرح سیدھے چلتے گئے۔ لیکچرر، پروفیسر، پرنسپل، ڈائریکٹر، دوسری طرف محقق، دانشور، شاعر اور صاحب طرز مکتوب نگار (ابھی تک مکتوب نگاری کے شاہد صرف ان کے دوست ہی ہیں) یعنی الجمال والکمال کی مثال!

ادھر ہم مدرس کے مدرس رہے، انگریزی، اردو کی تدریس، ایک مفصل کالج کی سربراہی اور معاملہ ختم یعنی نوکری سے فارغ، گو لکھنے پڑھنے کا مرض بھی لاحق رہا لیکن ایسا کبھی نہ ہوا کہ ''آبگینہ تندیٔ صہبا سے پگھلا جائے ہے'' بالآخر ''واماندگی شوق تراشے ہے پناہیں'' پناہ ملی تو فقر و تصوف میں۔ اب یہ حال ہے کہ پڑھ رہے ہیں تو تصوف اور لکھ رہے ہیں تو تصوف۔ درویشی و فقیری!

قریشی صاحب کا یہ خانہ خالی ہے بلکہ ہے ہی نہیں۔ وہ خرد پسندی میں جدید دور کے

Marfat.com

معتزلہ کے پیرو ہیں۔ مجھے اور میرے ذوق کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں مگر عقلیت اور اس کے استدلالات آڑے آتے ہیں۔ لہذا ہم دونوں اپنے اپنے دائروں میں کھڑے ایک دوسرے کی معرفت ومحبت کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ اس لیے کہ ان دونوں دائروں کے اوپر ایک نقطہ ہے جہاں ہم یکجا ہو جاتے ہیں اور وہ ہے نقطہ وفا۔ ہم دونوں جادہ وفا کے رہ نورد ہیں۔

وفا کے اس راستے پر مجھے قریشی صاحب ہمت کے بہت اونچے مقام پر نظر آتے ہیں۔ تعلیمی امتحانات تو ان کے لیے کبھی سخت نہ تھے مگر زندگی کے امتحانات ان کے لیے خاصے کڑے تھے۔ ''ہر کس کہ شد صاحب نظر دین بزرگاں خوش نہ کرد'' اہل خاندان کی ناراضگی۔ پھر ہم عصر اور ہم پیشہ رفقاء کا حسد، طعن وتشنیع اور ''دریائے علامت'' عہدے کے مسائل، سب سے بڑھ کر عوارضات چشم کیونکہ ساری کی ساری دانشوری مطالعہ پر منحصر تھی اور مطالعہ بینائی پر منحصر ہے۔ قریشی صاحب کی ہمت کی داد دینا پڑتی ہے کہ وہ تھوڑی بہت بینائی سے ہی کام چلا رہے ہیں اور خوب چلا رہے ہیں۔

اس قدرتی نابغے کو اگر بکھرنے سے بچا گئی تو وہ ہے ان کی نہایت خوشگوار گھریلو زندگی۔ سلیقہ مند لیکن ان کے بقول درویش بیوی اور ذہین سمجھدار بچے۔ اگر گھر اس قدر آرام دہ اور پرسکون نہ ہوتا تو قریشی صاحب ظاہر و باطن میں وہاں تک نہ پہنچ پاتے جہاں وہ اب ہیں۔

شروع سے ہی وہ جھنگ میں آ کر آباد ہو گئے، مکان بنا لیا۔ کچھ انہوں نے جھنگ کو اپنا لیا اور جھنگ نے انہیں۔ اب وہ ماجھے کی زبان میں شاعری نہیں کرتے بلکہ جھنگ کی زبان میں روہی اور تھل پر نظمیں لکھتے ہیں۔ یہ نہایت افسوسناک بات ہے کہ ابھی تک اپنی شاعری کو وہ کتابی شکل میں نہیں چھپوا سکے (اور اس سے بھی زیادہ افسوس اس کا ہے کہ وہ پیش لفظ بھی نہیں چھپ سکا جو میں نے لکھا تھا)

پروفیسر سمیع اللہ قریشی کی ساری کتابیں تو میں نہیں پڑھ سکا مگر جو میری نظر سے گزریں ان کو نہایت درجہ بصیرت افروز پایا۔ خاص طور پر ''غالب کی نفسیات غم'' پر انہوں نے جو کچھ لکھا

Marfat.com

ہے وہ ان کے علم و فضل کی دلیل کے لیے کافی ہے۔ غالب ان کو اس قدر پسند ہے کہ کبھی کبھی وہ خطوط بھی اس اسلوب میں لکھ بھیجتے ہیں جیسے غالب مرحوم لکھا کرتے تھے۔ غالب کے خطوط کی پیروی لکھنے میں وہ خاص دلچسپی رکھتے ہیں۔

قریشی صاحب طبیعت اور رجحان کے لحاظ سے بہت خوش ذوق واقع ہوئے ہیں۔ کتابیں، ملاقاتی، مکان، فرنیچر، لباس سب اعلیٰ قریشی صاحب اپنے اسٹینڈرڈ کو کبھی پست نہیں کریں گے۔

عمر کے اس مرحلے پر اکثر دانشوروں کو دیکھا کہ انہیں ناقدری زمانہ کا گلہ رہتا ہے بلکہ وہ نفسیاتی مریض نظر آتے ہیں مگر ایک پروفیسر سمیع اللہ قریشی ہیں کہ اس سے بے نیاز ہیں۔ نہ انہیں مزید شہرت کی تمنا ہے نہ دولت کی طمع، کسی سے گلہ ہے نہ شکوہ، البتہ ان کی محبت کا تقاضا ہوتا ہے کہ دوست ان کو یاد کرتے رہیں، ان سے ملتے رہیں، ان کی طرح جادہ وفا پر چلتے رہیں۔

یہ خاکہ انتہائی نامکمل ہے اور نہایت عجلت میں لکھا گیا ہے مگر اس بات کا ثبوت ضرور ہے کہ میرے ایسے کئی لوگ قریشی صاحب کی دوستی کا دم بھرنے والے، کبھی کبھار مل لینے والے، دلوں میں یاد کرنے والے ان کے کس قدر گرویدہ ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد کو یہ شعر بہت پسند تھا لہٰذا اس شعر پر بات ختم ہوتی ہے۔

برآں گروہ کہ از ساغرِ وفا مستند
سلامِ ما برسانید ہر کجا ہستند

Marfat.com

دھند میں لپٹی کرنیں

حامد علی ہاشمی

نصف صدی کے فاصلے پر ڈوبتی عمر کی اس منزل میں یادوں کی بازگشت بڑا کھٹن کام ہے۔ وقت کا ہر آن پھیلتا دھندلکا واقعات اور تفصیلات کو اپنے ہاتھوں میں ڈھانپ چکا ہے۔ البتہ تاثرات باقی ہیں۔

سال بھر سے زیادہ عرصہ سایوں کے پیچھے بھاگنے کے بعد جب میں نے کالج کے تیسرے سال میں داخلہ لیا تو دیر ہو چکی تھی۔ میرے نئے ہم سبق وہ نوجوان تھے جو ایک سال جونیئر ہوا کرتے تھے۔ سمیع اللہ قریشی اور عبدالباسط بھی ان ہی میں شامل تھے۔

سمیع صاحب سے سال اول ہی میں کالج میگزین کی وساطت سے شاعر کی حیثیت سے تعارف ہو چکا تھا۔ اشتیاق ہوا کہ سال اول میں ایسی پختہ نظم لکھنے والا شاعر دیکھنے میں کیسا ہوگا۔ پہلی نظر میں کسی قدر مایوسی ہوئی کہ موٹے شیشے والے چشمہ پوش اس سیدھے سادے شرمیلے سے نوجوان میں بظاہر کوئی غیر معمولی بات دکھائی نہ دی۔

مجھے یہ تو معلوم نہیں کہ اتنی بڑی کلاس میں جہاں ابتداء میں سب لوگ میرے لیے اجنبی تھے، سمیع صاحب اور باسط صاحب کے ساتھ سنگت کی بنیاد کیسے رکھی تھی۔ لیکن اب احساس ہوتا ہے کہ ہم تینوں کا ایک ہی طبقاتی پس منظر اور کم وبیش ملتا جلتا جستجو کا جذبہ اس دوستی کا اصل سبب تھا۔ سمیع اللہ لاابالی پن کے اس عہد میں بھی بڑی منظم اور مربوط زندگی گزارتے تھے اور ہمہ

Marfat.com

وقت علم و آگہی کی تلاش میں رہتے تھے۔ ان کی روح کے نہاں خانوں میں احساس جمال کی مہک بسی تھی اور وہ اچھوتے خیالات اور خوبصورت لفظی پیکروں کو جمع کر کے اپنے ماحول کو سجائے رکھنے کی دھن میں مبتلا تھے۔ باسط صاحب کی فطانت، طباعی، حاضر دماغی اور بذلہ سنجی سب کے لیے وجہ کشش تھی۔ میں ابھی تک سمجھ نہیں پایا کہ میرے ایسا چھوٹے سے جسمانی فریم کا حامل اور خالص دیہاتی پس منظر رکھنے والا نوجوان ایسے روشن دماغ ساتھیوں کے ساتھ کس طرح ایڈجسٹ ہو گیا۔ ہاں، یہ درست ہے کہ ہماری مثالی دوستی رہی اور سیل وقت کی کوئی طوفانی لہر اس کے نقوش کو مٹا نہیں سکی کالج میں ہم اکٹھے گھومتے پھرتے اور اکٹھے بیٹھتے تھے۔ صرف عربی کے پیریڈ میں سمیع صاحب علیحدہ ہوتے کہ ہم دونوں فارسی پڑھتے تھے۔ ہماری یہ دوستی محض وقت گزارنے کا ذریعہ نہیں تھی۔ بلکہ ہم دل کی گہرائیوں سے باہمی احترام اور دوست داری کے جذبات سے سرشار تھے۔

ذاتی طور پر میں ترقی پسند تحریک کے تخلیق کردہ ادب سے جذباتی سطح پر کسی قدر متاثر تھا لیکن لکھنے لکھانے کا کبھی حوصلہ نہیں ہوا تھا۔ خود پر اتنا بھروسہ ہی نہیں تھا، البتہ دانش ورانہ سطح پر کچھ آگے بڑھنے کی تمنا ضرور تھی۔ سمیع صاحب اور باسط صاحب کی قربت سے اس ذوق کو کسی قدر جلا ملی اور ٹیڑھے سیدھے مصرعے جوڑنے کا شوق ہوا۔

ہم تینوں ہی سیدھے سادے بھلے مانس لوگ تھے۔ بے لگام خواہشوں کے پاگل پن میں مبتلا نہیں تھے نہ ہی کبھی چاند ستارے توڑ لانے کی آرزو پیدا ہوئی تھی روح کی جلا کے لیے جگنو کی ٹھنڈی میٹھی روشنی کے متلاشی تھے اور بس۔ معصوم سی ننھی منی خواہش موجود تھی کہ ہم لوگ ذہنی لحاظ سے بالکل تہی دامن نہ رہ جائیں۔

یاد پڑتا ہے کہ سمیع صاحب کو کہیں سے مشہور انقلابی شیر جنگ کی کتاب اوراق پارینہ ملی تھی۔ اسے پڑھنے کے بعد وہ بہت متاثر دکھائی دیئے۔ کہنے لگے، میں تو پاتال تک ہل گیا ہوں۔ ہم ورثے میں ملنے والے تعصبات اور معتقدات کے اندر مقید رہنے میں عافیت سمجھتے ہیں۔ خود

Marfat.com

سے باہر جھانکنے کا حوصلہ کرنا چاہیے۔ زندگی میں قدم قدم پر نئے سوال ہمارے سامنے سر اٹھاتے ہیں۔ ان سوالوں سے آنکھیں بچا کر گزر جانا صحت مند رویہ نہیں۔ تلاش اور پیش قدمی جاری رہنی چاہیے۔ یہ لیکچر میرے باطنی وجدان کو جلا دینے والا تھا۔ مجھے یاد ہے اس زمانے میں ہم اکثر اتوار کی شام وائی ایم سی اے کے بورڈ روم میں مال روڈ پر حلقہ ارباب ذوق کے اجلاسوں میں بھی شریک ہو کر قیوم نظر، شاد امرتسری، شیر محمد اختر، سعادت حسن منٹو، ناصر کاظمی، انتظار حسین، اے حمید، اشفاق احمد، عابد علی عابد، انجم رومانی عارف عبدالمتین اور بہت سارے شاعروں اور ادیبوں کی بحث اور گفتگو بڑے شوق سے سنا کرتے تھے۔ ہم نے ان کے ادبی رویوں سے بہت کچھ سیکھا۔ اس زمانے میں احمد راہی کی ترنجن اور امرتا پریتم کی نویں رُت شائع ہوئی تھیں ہمیں ان کی بہت ساری نظمیں زبانی یاد ہو چکی تھیں ہم ساحر، فیض اور ناصر کاظمی کی شاعری کا تذکرہ اکثر کرتے تھے۔ چند بار ہم ریگل میں انگریزی فلمیں دیکھتے اور سٹینڈرڈ میں انجلی کا رقص دیکھنے کے لیے بھی گئے تھے۔ جہاں ہال میں ایک بلی گھومتی رہتی تھی۔ اس زمانے میں سمیع صاحب کی ایک انگریزی اور دو تین اردو نظمیں بھی کالج میگزین میں چھپی تھیں۔

گریجوایشن کے بعد ہم اپنے اپنے راستوں پر ہو لیے۔ تلاش رزق پہلی ترجیح ہوتی ہے بلکہ نچلے درمیانے درجے کی مجبوری بھی۔ انتخاب اپنا نہیں ہوتا۔ وسیلہ رزق کا تعین اول اول حالات کرتے ہیں۔ ہوتے ہوتے آدمی اپنے لیے خود راستہ منتخب کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ سمیع اللہ قریشی صاحب نے درس و تدریس کا انتخاب کیا اور ریٹائرمنٹ تک مکمل کمٹمنٹ کے ساتھ اس پیشے سے منسلک رہے۔ راقم کی بے چین طبیعت نے اسے گھاٹ گھاٹ کا پانی پلوایا۔ باسط صاحب نامساعد حالات اور ناقدری کا احساس لیے پہلے مشرق وسطی منتقل ہوئے اور پھر امریکہ چلے گئے۔ ان سے رابطہ ٹوٹے عمریں بیت چکی ہیں۔

وقت کی منہ زور ہوائیں نصف صدی تک پرندوں کو اڑاتی رہی ہیں۔ پروفیسر سمیع اللہ صاحب سے کسی کسی سطح پر رابطہ ضرور رہا۔ ملاقات کم ہوئی۔ خط و کتابت میں بھی تسلسل نہیں رہا

Marfat.com

لیکن نوعمری کی گہری رفاقتوں کے سبزہ زاروں میں سدا رونق رہی آج بھی جگنو ٹھنڈی میٹھی روشنی دے رہے ہیں۔

راقم نے شیر جنگ کی اوراق پارینہ تو نہیں پڑھی لیکن شیر جنگ کا فلسفہ حیات سینے سے لگا لیا اور پھر اسی کا ہو کر رہ گیا۔ وفا کا یہ رشتہ آج بھی قائم ہے۔ پروفیسر سمیع اللہ نے روشن خیالی، وسعت قلبی اور وسیع المشربی کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ آنکھوں کی بجھتی روشنی کو چیلنج سمجھا اور اردو، پنجابی نظم و نثر کو مالا مال کرتے رہے۔ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ ان کے موضوعات کا تنوع حیران کیے دیتا ہے۔

سمیع صاحب کے بارے میں ذاتی حوالے سے کچھ عرض کرنے پر مجبور ہوں۔ ان کی شادی اگرچہ فریقین نے بڑی رسمی انداز میں کی تھی لیکن یہ صحیح ہے کہ نصرت بھابی ان کا اپنا انتخاب تھیں۔ یہ انتخاب زندگی بھر کی ایسی رفاقت ثابت ہوا جس پر رشک آتا ہے۔ میری بات کا یقین نہ آئے تو پروفیسر صاحب کی عہد حاضر کی شاعری پڑھ کر دیکھ لیں۔ اس میں ٹین ایجز کی سی والہانہ محبت کی خوشبو نہ آئے تو قارئین میں آپ کا گنہگار۔ مجھے یقین ہے کہ پروفیسر سمیع اللہ کی علمی و ادبی اخلاقی ترقی میں نصرت بھابھی کا بڑا ہاتھ ہے۔ مولا انہیں سدا آسودہ رکھے۔

آج کہ ہم زندگی کے پچھلے پہر میں سانس لے رہے ہیں۔ سمیع اللہ صاحب اور باسط صاحب کے ساتھ گزرے ہوئے ایام بیش قیمت اثاثہ ہیں اور افق پر چمکنے والے قطبی تارے کی لو ماند پڑ رہی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جب زندگی کا نیا سورج طلوع ہوگا تو ہم نہیں ہوں گے۔ بجا کہ ہم نے سورج کو حصار میں لینے کی آرزو کبھی کی ہی نہیں تھی لیکن روح کے اندر جو چھوٹا سا جگنو جگمگایا تھا وہ آج بھی تابندہ ہے اور آج جب دھیان کی چوکھٹ پر بیٹھ کر بیتے جگوں کو یاد کرتا ہوں تو ان ساتھیوں یعنی سمیع اللہ اور عبدالباسط کی یاد ہلکی سی مہربان خوشبو والی اگربتی کی طرح وجود کے گوشوں کو مہکا دیتی ہے۔

Marfat.com

صداقت کا پیکر

حکمت ادیب

جناب سمیع اللہ قریشی سے میری نیازمندی عرصہ بیس پچیس سال سے چلی آ رہی ہے۔ محبتیں نچھاور کرنے والے دردمندی کے مالک شرافت دیانت اور ذہانت ان کی فطرت کا حصہ شائستگی مروت وضعداری اور رکھ رکھاؤ ذاتی اوصاف دھیمے لہجے کے بہت ہی کم گو اپنی ذات کی گہرائیوں میں ڈوبے ہوئے خوبصورت باطن کے درویش صفت انسان بے حد حساس ہونے کے باوجود درگزر کرنے والے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محب وطن اپنی تہذیب وثقافت کے دلدادہ ماہرِ تعلیم محقق نقاد افسانہ نگار اور شاعر۔ یہ سب کچھ ان کی ہمہ گیر شخصیت کے حسین وجمیل دائرے ہیں۔

علم وفن کی وسعتوں پر گہری اور کڑی نظر رکھتے ہیں۔ پاکستانی تہذیب وثقافت اور تاریخ اسلام (خصوصاً سیرت طیبہ) ان کے خاص موضوع ہیں سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یوں تو بے شمار کتب شائع ہو چکی ہیں مگر ان کی کتاب ''سیرتِ نبوی کے منہاج'' میری نظر میں ایک منفرد مقام رکھتی ہے مختصر اور مدلل ایسی جس میں سیرت پاک اور احادیث مقدسہ کے حوالوں اور ادیان عالم سے تقابلی جائزے کے ساتھ نظام کائنات اور مسائل جن کو زیر بحث لاتے ہوئے اسلام کی عالمگیر حیثیت کو ایک عظیم تہذیبی وتمدنی تحریک کے طور پر پیش کیا گیا۔ زندگی مین قریشی صاحب روشن خیال اور رواداری کے طرف دار اور تنگ نظری کے مخالف ہیں

Marfat.com

انہوں نے اپنی پوری زندگی اسوۂ حسنہ کے تابع گزاری ہے وہ ہمیشہ کھری بات کہنے کے عادی ہیں ان کا ظاہر و باطن ایک ہے غلط ماحول سے کبھی سمجھوتہ نہیں کرتے۔

شعر و ادب سے ان کی وابستگی ساتویں یا آٹھویں جماعت سے ہی ہو گئی تھی یوں تو اردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں لیکن پنجابی زبان کو زیادہ موزوں خیال کرتے ہیں خواجہ غلام فرید کی پیروی میں معاشرتی ناہمواریوں اور طبقاتی جبر کے خلاف بڑے متوازن اندا زمیں نظمیں لکھی ہیں پنجابی نثر میں ''حضور دی حیاتی'' کے نام سے سیرت پاک پر ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ فن تنقید پر انہیں بڑا عبور حاصل ہے۔ نثر میں اردو زبان کو ترجیح دیتے ہیں۔ غالب کے پرستار ہیں۔ غالب پر ان کی کتاب ''غالب کی نفسیات غم'' فنکارانہ توازن کے ساتھ تنقید کی بہت ہی خوبصورت مثال ہے ان کی ایک اور کتاب ''افکار اقبال'' اقبالیات میں گراں قدر اضافہ ہے جسے پڑھ کر ڈاکٹر سید عبداللہ نے کچھ اس طرح خراج تحسین پیش کیا تھا کہ ''اقبال پر اتنا وسیع مطالعہ رکھنے والا شخص کیا جھنگ جیسی جگہ میں بھی ہو سکتا ہے۔'' قائد اعظم جیسے دبدبہ والے سنجیدہ شخص کی زندگی سے طنز و مزاح پر مبنی واقعات تلاش کر کے حیران کر دینے والی کتاب مرتب کر ڈالی۔ اس کے علاوہ پاکستان اور اس کے ثقافتی پس منظر میں ایک کتاب میں پاکستان سے اپنی دلی محبت اور گہری وابستگی کا اظہار کیا ہے۔ مجید امجد اور ان کی شاعری کو بہت پسند کرتے ہیں مجید امجد سے تعلق خاطر بھی رہا ہے۔ میں جب مجید امجد پر القلم کا نمبر ترتیب کرنے لگا تو اس کا بنیادی ڈھانچہ انہوں نے ترتیب دیا تھا بعد میں اسے کتابی شکل دینے کا مشورہ بھی انہی کا تھا۔ جب کتاب چھپ کر آئی تو میں اس وقت عارضہ قلب کے سبب ہسپتال میں داخل تھا۔ مجھے یہ دیکھ کر بڑی شرمندگی محسوس ہوئی کہ مجلس مشاورت میں ان کا نام شامل نہیں تھا۔ نہ جانے کتابت میں کیسے رہ گیا۔ میں سوچتا تھا نہ جانے قریشی صاحب اس بارے میں کیا خیال کریں گے مگر جب ان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کتاب کی بہت تعریف کی اور شکایت کا ایک لفظ بھی زبان پر نہ لائے میں ان کی عظمت کا اور بھی قائل ہو گیا۔ وہ بہت

Marfat.com

کھرے انسان ہیں لگی لپٹی کے قائل نہیں ہمیشہ سچی بات کہتے ہیں ان کی یہ سچائی بعض اوقات نزاع کی صورت بھی اختیار کر لیتی ہے مگر یہ صداقت کا کوہ کراں اپنی جگہ پر اٹل ہے۔ایک ادبی تقریب میں رام ریاض پر مقالہ پڑھ رہے تھے کسی ایک فقرہ پر رام ریاض ناراض ہو گئے مدتوں ناراض رہے مگر یہ ان کا ذکر ہمیشہ بڑی محبت سے کرتے رہے بلکہ جب اس پر فالج کا حملہ ہوا تو اس کی مزاج پرسی کو بھی گئے بہت ہی بڑے انسان ہیں۔

قریشی صاحب نے جن نامساعد حالات اور رتنگ دستی میں اپنی علمی وادبی زندگی کا آغاز کیا۔ان حالات میں ایک عام ادمی صرف کلرک ہی بن سکتا ہے مگر انہوں نے علم وفن کی جن بلندیوں تک رسائی حاصل کی وہ تو صرف ایک عبقری ہی کر سکتا ہے۔

Marfat.com

آنکھوں کا تارا بھی خار بھی

خیرالدین انصاری

یاد نہیں کونسے سال کا کونسا دن تھا۔ بس اتنا یاد ہے کہ ایک باوقار نوجوان میرے سامنے کھڑا تھا جس نے سیاہ رنگ کی پتلون اور دھاری دار کوٹ پہن رکھا تھا۔ اس پر سرخ رنگ کی نکٹائی اپنی پھبن دکھا رہی تھی۔

یہ نوجوان اپنے پہلے بچے کی پیدائش کا اندراج کرانے کی غرض سے بلدیہ کے دفتر میں آیا تھا۔ متعلقہ کلرک ان سے کوائف پوچھ رہا تھا اور یہ صحیح صحیح جواب دے رہے تھے۔ پھر کلرک نے ان سے پیشہ پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ میں گورنمنٹ کالج جھنگ میں لیکچرار ہوں۔ لیکچرار کا لفظ سن کر میں چونکا اور نگاہیں اٹھا کر ان کی طرف دیکھنے لگا۔ لیکچرار کتنی صاف گوئی ہے ہم نے اکثر دیکھا ہے کہ جن لوگوں کو ابھی پہلی ترقی بھی نہیں ملی وہ بھی اپنے تئیں پروفیسر کہلوانا پسند کرتے ہیں تا کہ معاشرے میں انہیں بلند مقام سمجھا جائے لیکن پروفیسر سمیع اللہ قریشی نے سچائی کے دامن میں پناہ لینے میں ہی اپنی توقیر خیال کی۔

میں اس نوجوان کی صاف گوئی اور صداقت شعاری کی صورت دیکھ کر بجا طور پر یہ جان گیا کہ یہ الفاظ کو درست طریقے سے استعمال کرنا جانتے ہیں۔ ان کے تنقیدی و تحقیقی مقالات کا مطالعہ قاری پر یہ حقیقت اچھی طرح واضح کر دیتا ہے کہ ان کا مصنف کسی فن پارے کی پرکھ، الفاظ کے صحیح مفہوم اور زیر بحث موضوع کے جملہ پہلوؤں سے مکمل واقفیت رکھتا ہے۔ یہ کسی

Marfat.com

ہمعصر یا دوست شاعر یا ادیب پر مضمون لکھتے وقت اسمائے صفات کا بے جا استعمال نہیں کرتے جس سے کچھ احباب ان سے بدظن بھی ہو جاتے ہیں لیکن یہ بھی اپنی خو بدلنے پر تیار نہیں ہوتے۔

پروفیسر سمیع اللہ قریشی اسلامیات کے استاد ہیں لیکن اردو زبان کے ساتھ ساتھ یہ پنجابی زبان کے بھی شیدائی ہیں۔ اسی لیکچررشپ کے دوران انہوں نے پنجابی ایم اے میں پہلی پوزیشن حاصل کر کے ریکارڈ قائم کیا۔

شروع شروع میں مجھے کسی ایم اے پاس شخص کا پنجابی زبان کے قصوں، رومانوں، واروں اور اس دیس کی ثقافت کے بارے میں دلچسپی لینا عجیب سا لگتا تھا کیونکہ ان دنوں پنجاب کے پڑھے لکھے لوگ اپنی ماں بولی کے حق میں کلمہ خیر کہنا گناہ کبیرہ خیال کرتے تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ اب یہ صورتحال نہیں رہی۔ اب جھنگ میں پنجابی زبان کے فروغ کی جو صورت دیکھنے کو ملتی ہے اس کو پروان چڑھانے کے سلسلہ میں حنیف باوا اور شارب انصاری کے ساتھ ساتھ ان کی کوششیں بھی شامل ہیں۔

ہم جب کبھی پروفیسر سمیع اللہ قریشی کے ہاں جاتے تو ان کے اسلوب حیات، خاطر داری، وضع داری، تہذیبی رکھ رکھاؤ اور معاشرتی آداب کا مظاہرہ دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے۔ مجھے ان کا دوٹوک انداز میں بات کرنے کا چلن بہت بھاتا تھا۔ خصوصاً یہ دیکھ کر کہ یہ طبقاتی اونچ نیچ کو غیر اسلامی فعل گردانتے ہیں، ازحد خوشی ہوتی تھی۔

پروفیسر سمیع اللہ قریشی کی جس خوبی نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ ان کی کتاب سے محبت ہے۔ یہ اچھی کتابوں پر جان دیتے ہیں۔ اگر یہ گھر سے اپنے لیے سوٹ کا کپڑا لینے نکلیں اور بازار میں کتابوں کی کسی دوکان پر انہیں پسندیدہ کتاب نظر آ جائے تو یقیناً ان کا ہاتھ کتاب کی طرف بڑھ جائے گا۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ یہ لباس کی اہمیت کے قائل نہیں ہیں۔ لباس کے بارے میں بھی ان کا رویہ قابل ستائش ہے میں نے ہمیشہ انہیں اچھا لباس پہنے

Marfat.com

ہوئے ہی پایا ہے۔

پروفیسر سمیع اللہ قریشی کی نظر اسی مضمون تک محدود ہو کر نہیں رہ گئی جس کی یہ تنخواہ پاتے ہیں بلکہ ان کی نظر ادبیات، تاریخ، عمرانیات اور ملک کی ثقافتی اور تہذیبی نشوونما پر بھی گہری ہے۔ سیاسی شخصیات میں انہیں قائداعظم کی ذات سے دلی لگاؤ ہے اور شاعروں میں علامہ اقبال ان کی نظر میں جچتے ہیں۔ ان دونوں بزرگوں پر انہوں نے تفصیلاً لکھا ہے۔ ایک اور انسان جس کا یہ ذکر احترام سے کرتے ہیں وہ مشہور دہشت پسند چوہدری شیر جنگ کی ذات گرامی ہے۔ چوہدری صاحب نے کارل مارکس اور اس کی تعلیمات لکھ کر اردو زبان کے سرمایہ میں اضافہ کیا ہے لیکن قریشی صاحب نے شیر جنگ کو ان کی کتاب "اوراق پارینہ" کی وجہ سے یاد رکھا ہے یہ جب کبھی اس کتاب کا ذکر کرتے ہیں تو ان کی آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک پیدا ہو جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ نے ان کے اندر کی آنکھ کو روشن کر دیا ہو۔

قریشی صاحب جدید اردو ادب کے بھی طالب علم ہیں ان سے قبل جب کبھی میری ملاقات گورنمنٹ کالج جھنگ کے کسی استاد سے ہوتی تو مجھے یہ شدید احساس ہوتا جیسے حکومت نے کالجوں کے اساتذہ پر نیا ادب پڑھنے پر پابندی لگا رکھی ہو۔ ان کا مطالعہ کبھی علامہ اقبال کی سرحد عبور کر لیتا ہے تو ان کے قدم جوش ملیح آبادی اور حفیظ جالندھری کے آستانوں پر آ کر رک جاتے تھے۔ موخر الذکر کا احترام اس لیے کرتے تھے کہ یہ قومی ترانے کے خالق ہیں یہ صرف سمیع اللہ قریشی ہی ہیں جن کے منہ سے میں نے عظمت اللہ خان تصدق حسین خالد، ن۔م۔ راشد، میرا جی، فیض احمد فیض، مجید امجد اور قیوم نظر ایسے شعراء کے نام سنے۔ نثر نگاروں میں راجندر سنگھ بیدی، کرشن چندر، عصمت چغتائی، سعادت حسن منٹو، بلونت سنگھ، غلام عباس اور احمد ندیم قاسمی کے افسانوں کا ذکر سنا۔ اس طرح تنقید کے ضمن میں ڈاکٹر سید عبداللہ، مجنوں گورکھپوری، فراق گورکھپوری، ممتاز حسین، ڈاکٹر محمد احسن فاروقی، محمد حسن عسکری، ڈاکٹر وزیر آغا اور سلیم احمد کی تحریروں کو سراہتے ہوئے پایا۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ اردو ادب میں پیدا

Marfat.com

ہونے والی تحریکوں سے کماحقہ آگاہ ہیں اور قدیم اور جدید ادب پر نگاہ رکھتے ہیں۔

میں یہ بات پوری ایمانداری اور مکمل صداقت سے کہتا ہوں کہ میرے دیکھتے دیکھتے گورنمنٹ کالج جھنگ میں جتنے بھی استاد آئے ہیں ان میں سب سے زیادہ پروفیسر سمیع اللہ کو مطالعہ کا رسیا پایا۔ حافظہ نے بھی ان کا ساتھ دیا ہے۔ تبھی تو ان کی تحریر جاندار ہوتی ہے۔ ان کے تنقیدی مضامین میں مناسب حوالوں اور دقیع تنقیدی تراکیب کا اہتمام اس سلیقے سے کیا گیا ہوتا ہے کہ تنقید ایسی روکھی پھیکی چیز میں بھی ادبی حسن پیدا ہو جاتا ہے۔ حضرت سلطان باھو پر ان کا مقالہ بطور ثبوت پیش کیا جا سکتا ہے۔

میں خود بھی تنقید نگار ہوں۔ میں نے اردو زبان کے تنقیدی سرمائے کے بہت بڑے حصے کی ورق گردانی کر رکھی ہے۔ جس کی وجہ سے اچھی اور بری تحریر میں امتیاز کر سکتا ہوں۔ میں اپنے زندگی بھر کے مطالعہ کے بل بوتے پر یہ بات کہنے میں حق بجانب ہوں کہ اس وقت جھنگ میں صرف یہی ایک شخص ہے جسے صحیح معنوں میں تنقید نگار کہا جا سکتا ہے۔

آج کل لوگوں کو اکثر اقتصادی پریشانیاں لاحق رہتی ہیں۔ پروفیسر سمیع اللہ قریشی بھی ان سے بری الذمہ نہیں ہیں۔ ان کے اظہار کے لے انہوں نے ایک خوبصورت ترکیب ''تیڑ دانگ'' اختیار کر رکھی ہے۔ انہوں نے اپنے نیڑ کے ننگ کو ڈھکنے کے لیے ٹیوشن بھی شروع کر رکھی ہے لیکن ایک باوقار انداز میں یعنی یہ کسی بڑے آدمی کے بچے کو گھر پر پڑھانے کے لیے نہیں جاتے۔ معاوضہ وصول کرنے کے لیے یہ طریقہ ایجاد کر رکھا ہے کہ طالب علم ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو ان کی غیر حاضری میں ایک لفافہ بند کر کے ان کی میز پر رکھ دیتا ہے جسے یہ کبھی اپنے شاگرد کی موجودگی میں نہیں کھولتے۔ اور یوں غریبی میں اپنی خودی کی نگہبانی شامل کر کے دکھاتے ہیں۔ یہ کسی موقع پر عزت نفس کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ یہ وہ دلبر ہے جو آن رکھتا ہے۔ اپنی اس عادت کی وجہ سے یہ بعضوں کی آنکھوں کا تارا بنا ہوا ہے اور کئی کی نگاہ میں کھٹکتا ہے۔

جہاں تک ان کے سبجیکٹ کا تعلق ہے اس کے واقعی ماسٹر ہیں۔ یہ اسلامی تعلیمات سے

Marfat.com

جتنا بہرہ ور ہیں اور اپنے علم کو بلیغ انداز میں دوسروں تک پہنچانے کی جتنی استطاعت رکھتے ہیں وہ خال خال لوگوں میں ہی دیکھی جاسکتی ہے۔ ان کے تبحر علمی کا اندازہ اس امر سے بخوبی ہوسکتا ہے کہ ان کے مقالات کئی بین الاقوامی سطح کی کانفرنسوں میں انعامات کے مستحق قرار دیئے جا چکے ہیں۔

غرض جھنگ میں ایک استادؔ، شاعر، ادیب اور نقاد کی حیثیت سے ان کا وجود ایک قومی اثاثہ ہے اور ہمیں دل و جان سے ان کی قدر کرنی چاہیے۔

Marfat.com

ایک دردمند انسان

خان فضل الٰہی خان

تقریباً 34 سال قبل پروفیسر سمیع اللہ قریشی سے گورنمنٹ کالج جھنگ میں اچانک ملاقات ہوئی۔ غالباً قریشی صاحب اسلامیات کے پیریڈ سے فارغ ہوکر برآمدے میں کھڑے تھے اور تین چار طلباء ان سے سوال پوچھنے میں مشغول تھے ہر طالب علم چاہتا تھا کہ پہلے اس کا نمبر آئے لیکن موصوف ایسے موثر انداز میں سوالوں کے جواب دے رہے تھے کہ اتفاقاً سننے والا بھی ان کی بات سنے بغیر نہ جا سکتا تھا میں نے خود یہ بات محسوس کی کہ قریشی صاحب جیسا فرض شناس، مشفق استاد، ماہر تعلیم، ادیب، شاعر نقاد اور محقق اور اپنے فن پر عبور رکھنے والا انسان موجودہ دور میں ایک نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں چنانچہ میں وہیں رک کر ان کی گفتگو اور علمی استعداد سے مستفید ہونے لگا وقت گزرنے کا احساس ہی نہ رہا تقریباً گھنٹی بجنے کی آواز پر ہم سب چونک پڑے اور قریشی صاحب مجھے لے کر سٹاف روم میں چلے آئے میں نے غالب کا شعر پڑھا۔

کیوں گردشِ مدام سے گھبرا نہ جائے دل
انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں

غالب کے فلسفہ غم پر بات ہوتی رہی اسی دوران چائے آ گئی قریشی صاحب نے اپنے بھی شعر سنائے جن کو سن کر ان کا ادب سے گہرے تعلق کا پتہ چلا میں اس وقت فیصل آباد میں

Marfat.com

پاپولیشن آفیسر تعینات تھا۔ والدین اور اہل و عیال جھنگ شہر میں رہائش پذیر تھے ہر ہفتے ان کو ملنے آیا کرتا تھا، ایک غریب طالب علم کے ایف اے فارم تصدیق کرانے تھے۔ قریشی صاحب نے نہ صرف فارموں کو تصدیق کیا بلکہ متعلقہ کلرک سے طالب علم کو جلدی فارغ کرنے کی سفارش بھی کر دی طالب علم دعائیں دیتا ہوا رخصت ہوا لیکن میرے دل میں ایک عجیب سی خوشی آج تک قائم ہے کہ میری ایک انسان دوست سے ہی نہیں بلکہ ایک علمی قد آور شخصیت سے ملاقات ہوئی۔ جس کو فراموش کرنا کفران نعمت ہے پھر اکثر ملاقاتیں ہوتیں رہیں اور یہ رفاقت بڑھتی گھریلو تعلقات میں تبدیل ہو گئی ایک دن ذاتی حالات کا تذکرہ ہوا تو قریشی صاحب نے اپنے سیلف میڈ ہونے کا واقعہ بڑے موثر انداز میں سنایا۔ یہ شخص سچ بولنے میں کسی بھی لیت ولعل سے ہرگز کام نہیں لیتا اور اگر میں یہ کہوں کہ اس شخص کا اوڑھنا بچھونا سچائی ہے تو بالکل بے جا نہ ہو گا اور یہی انکی عظمت کی دلیل ہے سمیع صاحب کو خود نمائی، خود پسندی، تکبر، جھوٹ اور غیبت سے نفرت ہے بلکہ اس کے برعکس وہ سچائی اور عاجزی کا دامن اپنے ہاتھ سے کبھی نہیں چھوڑتے سلیف میڈ ہونے کی حیثیت سے انہوں نے بھی میری طرح زندگی کے نشیب و فراز سے پنجہ آزمائی کی اور کامیابی نے ان کے قدم چومے اگرچہ کالج کی فضا ایک مرتبہ چند ناعاقبت اندیش عناصر نے بڑی خراب کی اور قریشی صاحب کی رہائش گاہ پر بارودی مواد پھینکا لیکن اس مرد قلندر نے عاجزی اور صبر کا دامن نہ چھوڑا اور دشمن اپنے مذموم ارادوں میں ناکام ہو گئے۔

میں 1974ء میں بوجہ یرقان ڈسٹرک ہسپتال سیٹلائٹ ٹاؤن کمرہ نمبر 3 میں داخل تھا اور ساتھ ہی کمرہ نمبر 4 میں ان کا بڑا بیٹا منصور گلے کے غدود کے آپریشن کے سلسلہ میں ٹھہرے ہوئے تھے میرے بچے کراچی گئے ہوئے تھے لیکن میرے دردمند بھائی اور بھابی نے جس اخلاق کا مظاہرہ کیا میرے دل پر اک نقش دوام چھوڑ گیا۔

1991ء میں ناعاقبت اندیش سیاست دانوں نے جھنگ میں شیعہ سنی فساد کی بنا پر لوگوں کے گھروں کو آگ لگا دی میں گھر سے باہر تھا میرا مکان اور تمام اشیاء جل کر راکھ ہو گئیں جب

Marfat.com

اس دردمند انسان کو پتہ لگا تو فوراً میاں بیوی اور بچوں کی خیریت دریافت کرنے آئے۔ بھائی اور بھابی کے خلوص نے میرے دل میں اس انسان کی عظمت اور ہمدردی کو اور زیادہ مضبوط کر دیا، میں ان کے لیے خاص طور پر دعا گو رہتا ہوں اس شخص کو پانے کے بعد مجھے اپنی تنہائی کا احساس کم ہونے لگا۔ یہ شخص جو اپنے لیے پسند کرتا ہے وہی دوسروں کے لیے کرتا ہے قریشی بھائی کا خلوص مثالی ہے۔ جو اس دور میں بہت کم ہے۔ بیٹی سمیرا بھی اپنے والد کے نقش قدم پر چل کر ایک اچھی اور فرض شناش استاد ثابت ہوئیں اور یہ ایسا ہونا یقیناً والدین کی تربیت کا نتیجہ ہے۔

قریشی صاحب اپنے علمی اور ادبی فن پر گہری دسترس رکھتے ہیں ان کی کئی کتابیں نظر سے گزریں لیکن سب سے زیادہ متاثر کرنے والی کتاب (سیرت نبویؐ کے منہاج) ہے۔ دونوں میاں بیوی کو اللہ تعالی نے حج کی سعادت نصیب فرمائی، جاتے ہوئے بھی مل کر گئے اور واپس آنے کے بعد جب میں نے پوچھا کہ کیسی گزری تو فرمانے لگے۔ بھائی دین کی بہت سی حقیقتیں مجھ پر اس وقت واضح ہوئیں جب میں خانہ کعبہ اور وہاں کی فضا کو قریب سے دیکھ رہا تھا اور روضہ اطہر کی حاضری کے وقت یہ محسوس ہوا کہ اللہ نے باطن کی آنکھ کھول دی۔

طیبہ کی فضا میں سانس لے کر خوشبو میں بدن کو تولتا ہوں

جب بھی باتوں میں رسول اکرمؐ کا ذکر آیا سمیع صاحب پر ایک رقت طاری ہو گئی جو یقیناً معرفت کی دلیل ہے۔ سمیع اللہ صاحب نے حضرت امیر معاویہؓ کے احترام کو خاص طور پر ملحوظ خاطر رکھا ہے جو ان کی صحابہ کرامؓ سے محبت اور خلوص کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ پروفیسر سمیع اللہ قریشی کے اسلوب اور انداز کار کی لگن کو عام کرنے کی اشد ضرورت ہے ان کی ادبی خدمات میں سیرت طیبہ، اقبالیات، نفسیات، ادبیات اور لسانیات خاص طور پر قابل ذکر ہیں بڑے بڑے علماء کرام کی سیرت پر کتابیں نظر سے گزریں لیکن میرے خیال میں سمیع اللہ قریشی کی کتاب سیرت نبویؐ کے منہاج کا ایک منفرد مقام ہے جو بہت کم لوگوں کو نصیب ہوا۔ مصنف نے

Marfat.com

کتاب مذکور کافی تحقیق کے بعد لکھی اس کتاب میں مصنف نے ادیان عالم کا تقابلی جائزہ پیش کر کے قارئین کے لیے ایک اچھا معلوماتی مواد پیش کیا ہے۔ اس شخص کے ظاہر و باطن میں تضاد نظر نہیں آتا وہ غلط ماحول سے کبھی سمجھوتہ نہیں کرتے۔ سمیع اللہ قریشی فطری طور پر دیانتدار انسان ہیں میری ذاتی رائے میں ایک ایسی بابغہ روزگار ہستی کے علم سے استفادہ نہ کرنا قومی بدقسمتی ہے حکومت کو چاہیے کہ ان کو کسی ادارے میں تعینات کر کے عوام الناس کی خدمت کا کام لے۔

جب سمیع اللہ قریشی سے رب کائنات سوال کرے گا کہ تو نے میرے محبوب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے متعلق کیا لکھا تو شاید ان کا یہ جواب ہی مغفرت کا ذریعہ بن جائے۔

انہی کے نور سے روشن ہے میرا کعبہ دل
انہی کے نور سے روشن رہے گا مرقد بھی

Marfat.com

استاذ مکرم

حسن محمود اقبال

بابائے اردو مولوی عبدالحق ایک خاکہ میں لکھتے ہیں۔

''انسان کا بہترین مطالعہ انسان ہے۔''

پروفیسر سمیع اللہ قریشی کی شخصیت ایک کھلی کتاب ہے اور میں نے اس کا مطالعہ اس زاویہ سے کیا ہے کہ وہ خود اپنے پیشے سے کس حد تک وفا کرتے رہے ہیں۔

کیا وہ بحیثیت استاد سر اٹھا کے چلے؟

کیا وہ استاد ہونے پر معذرت خواہ رہے؟

مجھے یاد ہے کہ آپ جب بھی کمرہ جماعت سے باہر آئے، طمانیت کے احساس سے سرشار نظر آئے۔ وہ طمانیت جو اپنے فرائض سے انصاف کرنے کا صلہ ہو مگر اس کے پردے میں اضطراب کی ایک جھلک بھی صاف نظر آئی۔ یہ اضطراب کیسا......؟

گورنمنٹ کالج جھنگ میں وہ اکثر کہا کرتے تھے: جب میں سوچتا ہوں کہ مجھے اس درسگاہ میں فرائض ادا کرنے کی سعادت ملی ہے جس کے در و دیوار کبھی ڈاکٹر نذیر احمد پروفیسر یو۔ کرامت اور ڈاکٹر عنایت اللہ جیسے اساتذہ کی آواز سے گونجتے تھے تو میرا سر فخر سے بلند ہو جاتا ہے۔ کیا میں اپنے اسلاف کا سچا جانشین ہوں؟

یہ سوال مجھے اس درسگاہ کی ایک ایک اینٹ پر کندہ دکھائی دیتا ہے۔ یہاں تک کہ پوری

Marfat.com

درسگاہ میرے سامنے ایک سوالیہ نشان بن جاتی ہے۔

یہ احتساب اور مسلسل احتساب پروفیسر سمیع اللہ قریشی کو وقف اضطراب رکھتا ہے۔ان کی تخلیقات افکار اقبال، قیام پاکستان کا تاریخی اور تہذیبی پس منظر، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دی حیاتی، ساڈی سوہنی دھرتی، غالب کی نفسیات غم، قائداعظم کی شگفتہ مزاجی اور سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہاج اس اضطراب کی پیداوار ہی تو ہیں۔

نہ برق ہیں، نہ شرر ہم نہ شعلہ نے سیماب
وہ کچھ ہیں پر کہ سدا اضطراب رکھتے ہیں

وہ فرط اضطراب میں دارالمطالعہ کا رخ کرتے ہیں یا اسی کے زیرسایہ احباب کی بزم سجا لیتے ہیں ارپھر میر وسودا اور غالب واقبال سے لے کر اسلام کی جامعیت تک تمام موضوع ان کے سامنے دست بستہ نظر آتے ہیں۔

میں نے دیکھا ہے کہ علمی مجالس میں پروفیسر سمیع اللہ قریشی کی آواز جو ابھی تھوڑی دیر پہلے اختر شیرانی، ناصر کاظمی یا فیض جیسے موضوع پر نغمۂ موج تھی۔ ''آئین نو سے انکار'' اور ''طرز کہن پہ اصرار'' جیسے موضوعات پر ہنگامۂ طوفاں بن جاتی ہے۔

سچ یہ ہے کہ ایک پروفیسر کے شایان شان یہی مجالس ہوتی ہیں کتب خانہ میں اسے وہی سکون ملتا ہے جو مچھلی کو پانی میں۔کتاب ہی اس کی مونس ہے، کتاب ہی اس کے لیے قندونبات اور کتاب ہی اس کی کل کائنات ہے۔اس سے جدا ہو کر وہ ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپتا ہے۔

استاذ گرامی قیس کی طرح لیلائے کتاب سے وفا کرتے چلے آ رہے ہیں جبکہ کتنا بے مروت نکلا ہے۔آج کا استاد جو یہ کہہ کر اس سے پلو چھڑا گیا ہے کہ:

مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ۔

Marfat.com

اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا
راحتیں اور بھی ہیں وصل کے راحت کے سوا

صد افسوس کہ غم روزگار نے اسے غم عشق بھلا دیا ہے۔ صاحب کتاب ہونا تو بہت دور کی بات ہے، وہ کتاب خواں بھی نہ رہا مگر آفرین ہے استاد محرم پروفیسر سمیع اللہ قریشی پر جو کمال ہوشیاری سے ''غمِ دوراں'' کو ٹال کر ''غم جاناں'' کی طرف نکل جاتے ہیں اور پھر اس غم میں یوں ڈوب جاتے ہیں کہ زمانے بھر کے غم بھول جاتے ہیں۔ سنتے چلے آئے ہیں کہ علم و ریاض اور خوش باشی و انکسار کبھی یکجا نہیں ہوتے مگر قریشی صاحب کی ذات میں یہ دونوں گلے ملتے نظر آتے ہیں۔

نواب صدر یار جنگ کے نام اپنے ایک مکتوب میں ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں۔
''لوگ ہمیشہ اس کھوج میں لگے رہتے ہیں کہ زندگی کو بڑے بڑے کاموں کے لیے کام میں لائیں لیکن نہیں جانتے کہ یہاں ایک سب سے بڑا کام تو خود ''زندگی'' ہوئی......''
ایک قدیم چینی مقولے میں سوال کیا گیا کہ سب سے بڑا دانشمند کون ہے؟ پھر جواب دیا گیا ہے ''جو سب سے زیادہ خوش رہتا ہے۔''

تمیز نیک و بد روزگار، کار تو نیست
چوں چشم آئینہ، در خوب وزشت حیراں باش

ابوالکلام ازاد آگے چل کر لکھتے ہیں ''قید خانے کی چاردیواری کے اندر بھی سورج ہر روز چمکتا ہے اور چاندنی راتوں نے کبھی قیدی اور غیر قیدی میں امتیاز نہیں کیا۔ فطرت جب کبھی اپنے چہرے سے نقاب الٹتی ہے تو سب کو یکساں طور پر نظارۂ جمال کی دعوت دیتی ہے۔'' ہاں! ضرورت ہے تو صرف ''زندہ دل'' کی۔

Marfat.com

ہم نے استادِ محترم کو کٹھن حالات میں بھی مسکراتے ہوئے دیکھا ہے، گنگناتے دیکھا ہے، قہقہے لگاتے دیکھا ہے۔

بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اختیارات کی مسند پر بیٹھ کر بھی اپنے آپ کو خادمِ خلق سمجھتے ہیں۔ جناب سمیع اللہ قریشی ایک بہت بڑے ادارے کے پرنسپل کے منصب پر فائزہ ہوئے تو دفتر کے دروازے ہی نہیں دل کے دروازے بھی سب کے لیے کھول دیئے۔ کالج کا استاد گیا یا کلاج کا بیلدار یا طالب علم یا والدین یہ کہتے ہوئے اسے ''خوش آمدید'' کہا۔

عروسِ لالہ مناسب نہیں ہے مجھ سے حجاب
کہ میں نسیمِ سحر کے سوا کچھ اور نہیں

قریشی صاحب کہتے ہیں: اگر کبھی گورنمنٹ کالج جھنگ سے جدا ہونے کا وقت آیا تو میری افسردگی کی وجہ سمجھی جاسکتی ہے کہ باغباں اپنے گلستاں سے جا ہو رہا ہوگا۔ انہوں نے اس گلشن کے بوٹے بوٹے کی خونِ جگر سے آبیاری کی۔

کچھ ہستیاں عظمتِ کردار سے شاہراہ حیات پر جو نقوش ثبت کرتی ہیں وہ مٹائے نہیں مٹتے۔ پروفیسر سمیع اللہ قریشی یقیناً انہی میں سے ہیں۔

زہے خلوصِ محبت کہ حادثاتِ جہاں
مجھے تو کیا مرا نقشِ قدم مٹا نہ سکے

Marfat.com

استادِ محترم

شرافت علی خاں

ہزار رشتہ عیب و ہنر سے لکھے ہیں
یہ میرے لفظ، یہ میرے گواہ سچے ہیں

استادگرامی پروفیسر سمیع اللہ قریشی کو جب پہلی بار دیکھا اس لمحے کو یاد کروں تو کل کی بات لگتی ہے لیکن اگر شمار کروں تو اکتیس برس سے زائد عرصہ ہونے کو آیا ہے۔ یہ دن کچھ کم نہیں، انسانی زندگی کا ایک بہت بڑا حصہ ہیں۔ اتنا لمبا عرصہ کہ جسے گزارتے گزارتے آدمی لڑکپن سے ادھیڑ عمر میں اور جوانی سے بڑھاپے میں قدم رکھ لیتا ہے۔ کچھ ایسا ہی اس عاجز اور محترم پروفیسر قریشی کا معاملہ ہے۔

ستمبر کا مہینہ 1964ء کا سال جب نہ تو اتنی فضائی آلودگی تھی نہ دلوں میں کثافت نہ نفسا نفسی کا یہ عالم اور نہ دولت کی یہ چمک دمک۔ معاشرتی زندگی دھیرے دھیرے رواں دواں تھی۔ البتہ یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ آج ہماری جو معاشرتی اقدار جاں بلب ہیں۔ ان کی ٹوٹ پھوٹ کا عمل اسی دور میں شروع ہوا۔ اس شکست وریخت کے جس پہلو کو زیرِ نظر مضمون میں عنوان بنا رہا ہوں اس کا تعلق تعلیم و تعلم، درس وتدریس اور استاد اور شاگرد سے ہے۔ مجھے خوب یاد ہے جب میں نے میٹرک پاس کر کے کالج میں داخلہ لیا تو ذہن میں اس کے سوا اور کوئی تصور نہ تھا کہ اب بات بے بات اساتذہ کے کڑوے کسیلے الفاظ کے ساتھ ساتھ وقتاً فوقتاً ملنے والی

Marfat.com

جسمانی سزا سے نجات حاصل ہو جائے گی۔ اب اساتذہ ہمیں مختلف انداز میں رہنمائی فراہم کریں گے۔ یہ انداز کیسا ہوگا۔ اس کا تصور میرے ذہن میں بالکل نہ تھا۔ یہ خیال کس نے جگایا۔ اسے عملی صورت میں کس نے سب سے پہلے میری نظروں کے سامنے اجاگر کیا۔ یہ ہیں پروفیسر سمیع اللہ قریشی۔ یہ ایک جواں عمر استاد، نہایت مناسب لباس میں ملبوس، سیاہ فریم اور سفید موٹے چمکدار شیشوں کی عینک لگائے، ایک ہاتھ میں سال اول کے طلبہ کا ٹائم ٹیبل تھامے کالج کے لان میں ایک درخت کے نیچے کھڑے ہوئے ہیں۔ سامنے کالج میں پہلا قدم رکھنے والے طلبہ بیٹھے ہیں اور پروفیسر صاحب ٹائم ٹیبل، کمروں اور اساتذہ کے بارے میں طلبہ کو مکمل معلومات فراہم کر رہے ہیں۔ بس اس منظر کے بعد ہی وہ بات شروع ہوتی ہے جو میں کرنا چاہتا ہوں مجھے یاد ہے کہ انہی طلبہ میں ایک میں بھی تھا جو نہ تو سمیع صاحب کی باتوں کو زیادہ غور سے سن رہا تھا اور نہ آداب محفل کے تقاضے پورے کر رہا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میرے بڑے بھائی کرامت علی خان سال سوم کے طالب علم تھے۔ کرکٹ ٹیم کے کپتان۔ طلبہ سیاست میں سرگرم حصہ لینے والے اور ایک اچھے مقرر بھی۔ اس لیے لڑکپن کی اس عمر میں میرے ذہن میں یہ سمایا ہوا تھا کہ جو کچھ پروفیسر بتا رہے ہیں۔ یہ میں اپنے بھائی سے پوچھ لوں گا۔ آج اپنی اس حالت کو ذہن میں لاتا ہوں تو یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر قریشی صاحب کی جگہ میں ہوتا تو یقیناً غصے میں آجاتا لیکن مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب پروفیسر صاحب نے مجھے دیکھا تو اپنا سلسلہ کلام Sorry کے لفظ سے منقطع کرتے ہوئے بجائے مجھے کچھ کہنے کے یا وہیں کھڑے کھڑے مجھے اپنے پاس بلانے کے خود میری طرف چل پڑے۔ میں نے جب یہ منظر دیکھا تو آنے والے لمحوں کے بارے میں ایک اندازہ لگایا۔ جو یقیناً ایک خوفناک تصور تھا لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ سمیع صاحب نے میرے قریب آکر میرے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ میں فوراً کھڑا ہو گیا۔ استادِ محترم نے بڑے پیار سے میرا نام پوچھا (میٹرک میں حاصل کردہ نمبر جو یقیناً ممتحن کی غلطی سے کافی آگئے تھے۔ بلکہ میں اپنے آپ کو اس لحاظ سے بڑا خوش قسمت

Marfat.com

تصور کرتا ہوں کہ مجھے ہر امتحان میں ایسے ہی ممتحن ملتے رہے) میٹرک کے حاصل کردہ نمبر پوچھ کر آپ نے مجھے شاباش دی اور فرمایا بیٹا! میں امید کرتا ہوں کہ تم آئندہ بھی ایسے ہی محنت کرتے رہو گے اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں صحت دے، عزت دے اور لمبی عمر عطا رمائے۔ بس یہ کہہ کر پروفیسر صاحب واپس چلے گئے اور بات جہاں سے ختم کی تھی وہیں سے پھر شروع کردی۔ میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ سمیع صاحب کے ان الفاظ سے میری زندگی کا رخ متعین کردیا۔ مجھے اعتماد کی دولت سے مالا مال کردیا اور میرے ذہن میں عزت کے لفظ کو یوں کندہ کردیا کہ الحمدللہ آج تک میں نے ہر ایسی حرکت سے ہر ممکن احتراز کیا ہے جو میری، میرے بزرگوں، اساتذہ یا میرے متعلقین میں سے کسی کی بھی عزت و ناموس کو ضرر پہنچانے کا سبب بن سکے اور جب مزید غور کرتا ہوں تو میرے سامنے بے شمار ایسے لوگ آتے ہیں جن کے بارے میں نہ صرف عام خیال یہ ہے کہ ان کی کردار سازی میں پروفیسر سمیع اللہ قریشی صاحب کی کاوشوں کو دخل ہے بلکہ بہت سارے معزز لوگ خود بھی اسی امر کا عتراف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

ہمیشہ پروفیسر سمیع اللہ صاحب کے ساتھ مجھے بطور ساتھی استاد کے بھی کام کرنے کا موقع ملا۔ 1973ء سے 1987ء تک قریباً چودہ برس اکثر اکٹھے بیٹھنا ہوتا تھا۔ علمی گفتگو، سیاسی، معاشی و معاشرتی موضوعات پر بحث اور کبھی کبھار ہلکی پھلکی مزاح کی چاشنی لیے ہوئے گفتگو بھی ہوتی۔ موسم کے اعتبار سے مشروبات کا اہتمام بھی ہوتا۔ جس میں بالعموم قریشی صاحب پہل کر کے بازی لے جاتے۔ کبھی ہم بھی ضد کر لیتے کہ یا تو آپ ہمیں موقع دیں بصورت دیگر ہم آپ کی چائے نہیں پئیں گے۔ ایسی صورت میں ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ہماری بات مان لیتے۔ دوران گفتگو کبھی ذاتی مسائل بھی زیر بحث آتے۔ میں نے ہمیشہ یہ محسوس کیا کہ آپ مسائل کا بہت حقیقت پسندانہ تجزیہ کر کے مشورہ دینے میں کبھی بخل سے کام نہ لیتے اور ہم نیک بد حضور کو سمجھائے دیتے ہیں۔ کا بہترین نمونہ پیش کرتے۔ اختلاف رائے کو نہ تو کبھی مخالفت میں بدلا

Marfat.com

اور نہ ہی کبھی دوسرے کو بغیر دلائل کے قائل کرنے کی کوشش کی۔ عام طور پر ذاتی مسائل کے بارے میں دو آراء ہونے کی صورت میں بڑے تحمل سے احباب کو مشورہ دیتے کہ آپ میری رائے پر ایک مرتبہ پھر غور کر کے دیکھ لیجیے گا۔ احباب کی خوشیوں کے ساتھ ساتھ ان کے غم میں بھی برابر کا شریک رہنا آپ کی زندگی کا وطیرہ ہے۔ ہمارے وہ رفقاء جنہیں اس جہان فانی سے کوچ کیے برسوں گزر گئے ہیں۔ ان کے پسماندگان کے بارے میں جتنی معلومات آپ کو ہوتی ہیں اتنی کسی بھی دوسرے رفیق کار کے پاس عام طور پر نہیں ہوتیں۔

1987ء سے 1992ء تک مجھے پروفیسر سمیع اللہ قریشی صاحب کے ساتھ بطور ایک ماتحت کے کام کرنے کا موقع ملا ہے جب گورنمنٹ کالج جھنگ میں سمیع صاحب نے پرنسپل کے عہدہ کا چارج سنبھالا۔ یہ وہ عرصہ ہے جس میں آپ کو بہت سخت مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ ایسے مسائل جو اگر عام آدمی کو پیش آئیں تو وہ چڑچڑے پن کا شکار ہو جائے۔ یا پھر حالات سے سمجھوتہ کر لے لیکن حیرت کی بات ہے کہ سمیع صاحب کے مزاج کی شگفتگی میں ذرہ برابر فرق نہ آیا اور بڑے بڑے تجربہ کار ساتھیوں کے مشورے کے باوجود اصولوں پر سمجھوتہ کبھی نہ کیا۔ اس دوران میں ایک رات پرنسپل ہاؤس پر پیٹرول بم بھی پھینکے گئے۔ جن میں سے ایک تو پھٹا جب کہ دوسرا گندم کی بوری سے ٹکرانے کے سبب نہ پھٹ سکا۔ گیارہ بجے رات کے قریب سیٹلائٹ ٹاؤن میں مجھے یہ خبر ملی تو میں اپنے بڑے بھائی کنور شوکت علی خان کے ہمراہ جناب قریشی صاحب کے ہاں پہنچا۔ بیگم سمیع اور بچے تو پریشانی دکھائی دے رہے تھے مگر قریشی صاحب تقریباً نارمل تھے اور کہہ رہے تھے کہ اللہ کا اس سے زیادہ کرم کیا ہوگا کہ اس نے ہماری حفاظت فرمائی اور اللہ ہی حفظ و امان میں رکھنے والا ہے۔ قریشی صاحب کو مشورہ دیا گیا کہ آپ صحن میں سونے کے بجائے کمرے میں سویا کریں لیکن وہ نہ مانے۔ کہنے لگے کہ وہاں مجھے نیند نہیں آئے گی۔ میں اپنی فہم کے مطابق سمجھتا ہوں کہ ان کا یہ استدلال ان دنوں کی صورت حال کے مطابق نہیں تھا۔ اللہ نے ہمیں خود بھی تو اپنی حفاظت کرنے کا حکم دیا ہے۔ اسی طرح مجھے سمیع صاحب کی

Marfat.com

ایک بات سے اختلاف رہا ہے اور وہ یہ کہ جب یہ بات طے ہے کہ اس زمانے میں مرتبہ، مقام اور اختیارات خواہ کچھ بھی ہوں لیکن اگر ہم واقعتاً انہیں لاگو نہ کر سکیں کہ ہماری پشت پناہی کے لیے کوئی بھی نہ ہو تو پھر کہیں اپنے رویئے میں لچک لے آنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ شر کے خلاف سمیع صاحب کے اسی بے لچک رویہ کی بناء پر نہ صرف انہیں گورنمنٹ کالج جھنگ سے تبدیل کر دیا گیا بلکہ گورنمنٹ کالج گوجرہ میں ایک جونیئر سربراہ ادارہ کے ماتحت پروفیسر کے عہدہ پر فائز کر دیا گیا مگر چند ہی ماہ بعد ڈائریکٹر تعلیم ڈیرہ غازی خان ڈویژن لگا دیئے گئے۔ حکمرانوں کے بھی کیا مزاج ہیں جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے۔

پروفیسر سمیع اللہ قریشی صاحب کے گھرانے سے میرے خاندانی مراسم میری شادی کے بعد قائم ہوئے جو انشاء اللہ ہمیشہ رہیں گے۔ میں نے دیکھا ہے کہ اللہ نے انہیں بیگم سمیع کی صورت میں ایک انعام اور پھر ان دونوں کو منصور، تیمور، نائلہ اور سیما کی صورت میں نوازا ہے اور ان میں اب برخوردار منصور کی بیگم کا اضافہ بھی ہو گیا ہے سارے کے سارے اپنے اپنے مرتبہ و مقام کے لحاظ سے اتنے اچھے ہیں کہ میں نے بہت ہی کم ایسا دیکھا ہے۔ مہمان نواز اور متواضع، محبت کرنے والے اور اور مودب۔ یہ باتیں ہیں تو بہت اچھی مگر میں نے دیکھا ہے کہ مہمان اکثر پریشان ہو جاتا ہے۔ گھر کا ہر فرد اپنی اپنی پسند کی چیز کھلانے پر مصر رہتا ہے اور اصرار بھی ایسے انداز میں کہ آنے والے کے لیے انکار کرنا مشکل ہو جاتا ہے البتہ ایک چیز کی ہمیشہ کمی رہتی ہے اور وہ یہ کہ کھانے کی میز یا ٹرالی پر Eno فروٹ سالٹ کبھی نہ ملے گا یہ واپس گھر آ کر خود کھانا پڑتا ہے۔ اللہ سے میری دعا ہے کہ سمیع فیملی کو یہ توفیق بھی دے دے۔

Marfat.com

روشن چراغ

کوثر سلطانہ

میرے لیئے یہ بات کسی بھی بڑے سے بڑے اعزاز سے کم نہیں کہ میں ان کی شاگرد تھی اور ہوں اوز تا حیات ان کے درس میرے لیے مشعل راہ اور نشان منزل ہوں گے۔ ان کے فیضان نظر سے جینے کا قرینہ آ گیا۔ باقی رہی بات یادوں کی تو ایک لحاظ سے یہ کہوں گی کہ یاد تو انہیں کیا جاتا ہے جو بھول گئے ہوں۔ پلٹ کر دیکھیں تو زمانے گزر گئے مگر کل ہی کی بات لگتی ہے جب ہم چند سیاہ برقعہ پوش طالبات ایک مائی کے ہمراہ بلکہ سرپرستی میں ڈری اور سہمی ہوئیں طلباء کے ہجوم میں سے گزر کر کمرہ جماعت میں پہنچتیں تو ایسے لگتا کہ اب مشکل راستہ طے ہوا اور منزل پر پہنچ گئے اگلی نشستوں پر طالبات سر جھکائے ہوئے بیٹھتیں اور پچھلی نشستوں پر طلباء ہوتے اور ایک انگریزی لباس میں اسلامیات کے پروفیسر صاحب اپنے عالمانہ جاہ وجلال، مدلل گفتگو اور علمیت کے اعتماد سے بھرپور شخصیت کے ساتھ لیکچر دیتے۔ عربی اردو انگریزی، پنجابی اور اچھی طرح یاد نہیں پڑتا کہ ایک ایک عنوان کا کتنی زبانوں میں ترجمہ کرتے۔ کلاس روم میں سوال و جواب کا سلسلہ ہوتا سیمینارز ہوتے اور وہ اختیاری مضمون کا ایک چھوٹا سا کمرہ وسیع ہال لگتا اور انکی سنگت میں پروفیسر محمد حیات خان سیال مرحوم مغفور کے علمی و ادبی مقالہ جات سے بھی استفادہ کیا جاتا۔ لیکچر کے اختتام پر سبق کا اعادہ ہوتا۔ جواب دینے پر طالب علموں کی حوصلہ افزائی اتنے مشفقانہ انداز میں ہوتی اور اتنی شاباش ملتی کہ استادِ محترم کے لیے احساس تشکر

Marfat.com

کئی دنوں تک چھایا رہتا۔

ان کی شخصیت ہمہ گیر شخصیت ہے علم کے اس بحر بیکراں کو کوزے میں بند کرنا میری دسترس میں نہیں۔ میرے ٹوٹے پھوٹے الفاظ اور بے ترتیب خیالات انکی عظمتوں کے اعتراف سے قاصر ہیں۔ ان کی شخصیت کا ایک پہلو اور ان کا یہ فرمان کہ خواہ کیسے حالات ہوں سچائی کا ساتھ دینا ہے اور اپنے کو ٹوٹنے اور بکھرنے نہیں دینا اور پھر اس شعر سے وضاحت فرمانا کہ

مجھے یہ ڈر ہے دل زندہ تو نہ مر جائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

استادِ محترم سمیع صاحب ہمیشہ مطالعہ کی رغبت دلانا' تنگناؤں سے بے خوف و خطر گزرنے کی ہمت دلانا اور کتاب سے نہ ٹوٹنے والا رشتہ استوار کرنے کی ترغیب دلانا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ وہ قلم اور کتاب سے اپنے طلبا و طالبات کو اتنا مربوط اور مضبوط کر دیتے کہ ہماری کتابیں نوٹس بکس بن جاتیں۔ ہمیں کسی گائیڈ' ٹسٹ پیپر یا خلاصہ کی ضرورت نہ رہتی۔ انکے شوق مطالعہ کی انتہا' فکر و عمل خوبصورت اور موثر انداز تدریس' سمندروں ڈونگھے مطالعہ اور فرائض منصبی کی بجا آوری نے کتنے اذہان کو روشنی بخشی ہے۔ وہ دو نسلوں کے استاد ہیں۔ ہر زبان پر عبور' ہر عنوان پر دلیل' دین و دنیا کو ساتھ لیکر چلنے والے جنکی تعلیم و تربیت سے کتنے گوہر آبدار ہوئے۔ خوش تقدیر ہوئے۔ ان گنت سورج صفحہ ہستی پر طلوع ہوئے اور کائنات کو منور کیا۔ جہالت کے خلاف صف آرا ہوئے۔ استاد ڈاکٹرز انجینئرز پائلٹ صف شکن سپاہی' قانون دان' مزدور' کسان اور سب سے بڑھ کر کہ انسان بنے۔ ان کا ہم سب پر یہ عظیم احسان ہے اور ان کا درس کہ انسان کیا ہے اس کی مثال اس طرح سمجھاتے کہ ہم فانی انسان بند مٹھی میں ریت کی مانند ہیں اس عمر عزیز کو رائیگاں نہ سمجھو۔ اس کے لمحہ لمحہ کو کچھ جاییے۔ سیکھنے پڑھنے لکھنے' حسن عمل اور فکر میں گزارو۔ ہم مٹھی کو جتنا بھی بند کرنا چاہیں ریت زرہ زرہ گرتی رہتی ہے۔ یہی مثال حیات

Marfat.com

مستعار کی ہے اسے اپنے حسن عمل سے سنوارو خالق کل کی عنایات کی قدر میں گزارو اور اسے امر کردو اور پھر وقت نے ثابت کردیا۔ بند مٹھی سے ریت کے زرات گرتے نہیں دیکھے گئے۔ یہ ذرات انہوں نے پلکوں سے چن لیے۔ نوک قلم میں سجا دیئے۔ آبگینے بنا دیئے۔ صفحات کی زینت بنا دیئے۔ لمحات کو سنہری تاریخ کا حصہ بنا دیا۔ خوبصورت الفاظ سے دھرتی کو سجا دیا۔ جھنگ کو رنگ مل گیا۔ جہالت کو جنگ آزما ہونا پڑا۔ سرزمین جھنگ آثار و ثقافت کے روپ میں زندہ ہوگئی۔ انہوں نے منفرد موضوعات پر زندگی کے قیمتی لمحات نذر کیے ہیں اور اپنی علمی کاوشوں، محنتوں، مشقتوں اور عمیق مطالعہ سے حرفوں کو مرتب کیا۔ تناسب دیا اور حُسن دیا۔

غالب کی نفسیات غم سے مشکلیں آسان ہوئیں۔ کنج لب سے محبت اور احساس حسن کو اجاگر کیا۔ قائداعظمؒ کی شگفتہ مزاجی لکھ کر عظمتوں کا اعتراف اور اپنے قائدؒ سے عقیدت و محبت کا اظہار کیا ہے اور دیگر بہت سے علمی شہ پارے رقم کیے۔

انہوں نے سرزمین جھنگ اثار و ثقافت لکھ کر اپنا قرض اتارا ہے مگر جھنگ والوں کو زیر بارِ احسان کر دیا، مقروض کر دیا۔ کیا قرض اتارنے کا اس سے خوبصورت کوئی اور انداز ہو سکتا ہے۔ وہ روحانیت سے پُر دھرتی کے کتنے احسان مند ہیں۔ وہ رومانیت کی خوشبو سے مہکتی سرزمین کی محبت میں کیسے باغ باغ ہیں تین دریاؤں میں گھری زمین سے انہیں کتنی نمو ملی ہے۔ وہ ہر لمحہ معترف ہیں کہ اس زمین نے انہیں ان کی 30 سالہ محنتوں کا ثمر ملا ہے۔ اس دھرتی پر انکے ماضی کی پختہ بنیاد۔ اور حال کے روپہلے سپنوں کو تعبیر ملی ہے۔ انکے مستقبل کو پناہ ملی ہے۔ انہیں ستانے کے لیے نیلے آکاش تلے چھت ملی ہے۔ چودھری کالونی میں علم و فکر اور امن و آشتی کا ''قلعۃ النصرت'' کے عنوان سے تسخیر ہوا ہے۔ بہت کچھ کہنے کو جی چاہتا ہے مگر کچھ بھی نہ کہہ سکی۔

استادِ محترم وہ روشن چراغ ہیں جنہوں نے نہ صرف ''النصرت'' کے در و بام کو روشنی عطا کی بلکہ اپنے شاگردوں کے قلب و ذہن پر قابض ہیں۔ وہ ہر لمحہ حیات فانی کی گرہیں کھولنے

Marfat.com

میں کوشاں ہیں ان کے تمام شاگردانکی رہنمائی' محنتوں اور شفقتوں کے اسیر ہیں۔انہوں نے سرراہ چراغ جلا کرر کھ دیئے ہیں۔اب ہمارے فرائض کیا ہیں اس روشنی کی حفاظت ان چراغوں کو بجھنے سے کیسے بچانا ہوگا۔ان عظیم محسن قوم' استاد محترم جوایک ادارہ ہیں۔وہ محقق' ماہر لسانیات شاعر' ادیب' تنقید نگار' مترجم' حمد ونعت کا حصار اور عظمت کے مینار کے علم کو لیکر آگے بڑھنا ہو گا۔ان کا پیام کیا ہے؟

شمع کی طرح جئیں بزم گہہ عالم میں
خود جلیں دیدہ اغیار کو بینا کر دیں

Marfat.com

کامیاب انسان

نعمت اللہ ہاشمی

پروفیسر سمیع اللہ قریشی صاحب کے بارے لکھتے ہوئے یہ احساس دامن گیر ہے کہ وہ بنیادی طور پر ایک استاد اور علمی شخصیت ہیں لہٰذا مجھے اسی حیثیت سے لکھنا چاہیے۔ ان کی ساری تو نہیں کچھ تحریریں پڑھنے کا اتفاق بھی ہوا مگر سوچتا ہوں کہ تبصرہ کر کے ان کی علمی گہرائی کا جائزہ لے سکوں گا؟ مگر میں استادِ محترم کے حوالہ سے لکھنے کے اس موقع کے ''ثواب'' کو بھی نہیں گنوانا چاہتا جبکہ مجھے معلوم ہے کہ ان پر لکھنے میں میری حیثیت یوسف علیہ السلام کی خریدار اس عورت جتنی بھی نہیں جس کے پاس سوت کی ایک گتھی تھی۔ میری یہ تحریر تو محض میرے جذبات ومشاہدات ہیں جو کہ ان کی شخصیت کا احاطہ قطعاً نہیں کر سکتے ہیں۔

ان سے میرا تعلق آج سے اٹھارہ سال قبل شاگرد کی حیثیت سے جڑا پھر مجھے ان کے ماتحت کام کرنے کا شرف حاصل ہوا اور اس طرح کئی ایک یادیں وابستہ ہو گئیں۔

کلاس میں ان کا رویہ خالصتاً استاد کا رہا۔ ان کی خوبصورت انداز میں علمی گفتگو جو سرور دیتی تو جی نہ چاہتا کہ یہ محفل برخاست ہو جس عنوان پر گفتگو کی معلومات سے پُر اور بہت معیاری ہوتی۔ کلاس میں نصاب کے ساتھ ساتھ طلباء کی اخلاقی تربیت سے کبھی غفلت نہ برتی، مضامین کے انتخاب اور دوسرے معاملات میں رہنمائی فرمائی۔

ان کی صلاحتیں اور خوبیاں منظرِ عام پر اسی وقت آئیں جب انہیں انتہائی فتنہ وفساد اور انتشار میں مبتلا شہر اور تعلیمی ادارہ میں سربراہ کی ذمہ داری سونپی گئی تو وہ نگاہ بلند، سخن دلنواز، جان پرسوز کی عملی تصویر بن کر سامنے آئے۔ ان کی وہ محنت جو انہوں نے کئی سال پہلے اپنے آپ پر

Marfat.com

کی خوب کام آئی۔ کئی سالوں کے مطالعہ اور سوچ و بچار سے جو معرفت انہوں نے حاصل کی اس نے انہیں فولادی قوت عطا کی۔ جب بھی کوئی امتحان آن پڑا اور تمام احباب کو تاریکی نظر آئی ان کی عالمانہ نظر اور عالی حوصلگی نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ راستہ نکالا۔ اپنے علم کے سہارے تمام صف آراء قوتوں کے سامنے ڈٹے رہے۔ مختلف نفسیاتی حملوں کے علاوہ زندگی تک کا خطرہ مول لیا مگر یہ شخص اندر سے نہ ٹوٹا۔

مردم شناس ایسا کہ بات کی اور چہرہ کے تاثرات سے انسان کو اندر تک دیکھ لیا صرف ایک سوال کے ساتھ ہی اخلاقی اور ذہنی سطح پوری پوری ماپ لی۔ صرف قلم کا بادشاہ نہیں سٹیج پر بھی آئے تو انداز واطوار اور گفتگو سے عملیت اور اعتماد چھلکتا نظر آیا۔ شہر اور کالج ہنگاموں، قتل وغارت اور بم دھماکوں کی پوری زد میں تھے مگر کالج کی علمی تقریبات اور ایام پورے اہتمام کے ساتھ مناتے۔ کبھی عدم تعاون اور خرابہ کرنے والوں کو خاطر میں نہ لاتے۔ رات کو گھر پر پٹرول بم سے حملہ ہوا صبح سٹاف روم میں اتنے اعتماد واطمینان کے ساتھ بولے کہ گو جان چلی بھی جاتی تو کیا ہوا اسی کی دی ہوئی تھی۔ تعلیم و تعلم سے نا آشنا پوری صف بندی اور سہاروں کے ساتھ سامنے آئے سارا کچھ کیا مگر پھر بھی یہ کہتے کہ ہارا نہیں ہے۔ سخت ترین دباؤ اور مصروفیت میں بھی ہم اپنا کوئی مسئلہ لے گئے تو پورے اطمینان کے ساتھ سنا اور اس کے سارے پہلوؤں پر نظر رکھتے ہوئے اس کا فراست کے ساتھ حل پیش کیا۔ ایم۔ اے/ ایم۔ ایس۔ سی کلاسز شروع ہو گئیں مگر ان کا الحاق ایک لاینحل مسئلہ کے طور پر سامنے آیا۔ اس کے لیے بنیادی طور پر تو سیاسی دباؤ کی ضرورت تھی۔ (جس کی کمی اس شہر کے باسیوں کو ہمیشہ سے رہی ہے) جو وہ نہ مل سکی تو اکیلے کوشش کی اور الحاق کروا کے رہے۔ کالج کی تعمیر و ترقی میں نمایاں اضافے کیے۔ پوسٹ گریجوایٹ کلاسز کے لیے ایک الگ بلاک تعمیر ہوا۔ پرنسپل کے شایان شان رہائش گاہ کی تعمیر عمل میں آئی اور اس سے بڑھ کر پچاس کنال زمین محکمہ اوقاف سے کالج کو منتقل کروائی۔ ماتحت اساتذہ کی عزت پر آنچ نہ آنے دی اور نام نہاد سیاسی جاگیردار سرمایہ دار طبقہ سے مرعوب نہ ہونے کی خصلت نے اس عہدہ کی عزت کا پاس رکھا۔ ان سے ملتے ہوئے اپنا سر بلند رکھا اور

Marfat.com

کبھی ماتحتانہ یا عاجزانہ رویہ اختیار نہ کیا۔ ساتھیوں کی غلطیوں سے درگزر کرنے کی ہمیشہ کوشش کی اور عیب ظاہر کرنے سے گریز کیا (یہ الگ بات کہ کوئی خود ہی نہ چھپا سکے) جہاں اصلاح کی گنجائش نظر نہ آئی گرفت کی اور کسی مصلحت، دھمکی اور خوف کو بیچ میں نہ لائے۔ کسی نے معاملہ کو جتنا طویل کیا قریشی صاحب کو نہ پگھلا سکا۔

ایک دفعہ ان کے معاملہ میں کسی سیاسی شخصیت کو کچھ کہنے کی ضرورت پیش آئی تو دیکھنے والوں نے دیکھا کہ گویا قدم رُک گئے ہوں اور کسی احساس نے ان کو گونگا کر دیا ہو حالانکہ ان کی بات سنی جاتی۔ درجہ چہارم کے ملازمین کے ساتھ بھی نرمی سے بات کرتے ہیں کبھی ان کی عزت نفس مجروح نہ کی۔ کام لیتے ہوئے ان کی ذہنی سطح مجبوریوں اور نفسیات کو مدنظر رکھا۔

دنیا میں لوگوں کی وقت اور سرگرمیوں کی ترجیحات کو دیکھیں اور ان کا موازنہ ایسا علمی شغف رکھنے والوں سے کریں تو کچھ خوف کا احساس ہوتا ہے کہ کہیں افلاس سے واسطہ نہ پڑ جائے اور پچھلے ایسے گزارے ہوئے وقت پر کف افسوس نہ ملنا پڑے مگر یہ دیکھ کر خوشی ہوئی۔ محترم قریشی صاحب ریٹائرمنٹ کے اس مرحلہ پر خدا کے فضل و کرم سے ہر نعمت سے بہرہ ور ہیں۔ ہر طرح سے مطمئن اور ہمارے لیے مثال کا درجہ رکھتے ہیں۔

میری یہ توقع ہے کہ سرکاری حیثیت سے خدمات کی انجام دہی کے بعد اپنی ان صلاحیتوں سے قریشی صاحب قوم کو محروم نہیں کریں گے۔ کیا وہ اس شہر کے طالبان علم کو کوئی اچھا تعلیمی ادارہ نہیں دیں گے؟ میں ان کی اس فراغت سے ایک اور اعلیٰ تصنیف طلب کروں گا جس کو قومی سطح پر شہرت حاصل ہو۔ میں نے ان سے کچھ دعائیں اور ان کے مفہوم سمجھے تھے میری وہ ساری دعائیں ان کے لیے بھی وقف ہیں۔

Marfat.com

اکیسویں صدی کا تعلیمی منشور

علی اکبر منصور

کائنات میں انسانی وجود کا امتیاز علم و آگہی سے متشکل ہوتا ہے۔ علم ہی وہ معجزہ ہے جو ذاتِ انسانی کو وراثیت کی طرف لے جاتا ہے۔ یہی وراثیت انفس و آفاق کی تسخیر کا سامان پیدا کرتی ہے۔ انسانی رشتوں، معاشروں اور تہذیبوں کے ارتقاء میں ایک اثباتی قوت موجزن رہتی ہے۔ اس قوت کی اثر پذیری تمام تہذیبی و انسانی عناصر کے ظاہر و باطن میں جاری رہتی ہے۔ اس قوت کا نام تربیت ہے۔ ایک بچہ اپنے اندر محض وراثتی امکانات لے کر پیدا ہوتا ہے۔ ان امکانات کا خاص انسانی واقعات میں ڈھلنا تربیت ہی کی بدولت ممکن ہے۔ تربیت خود ردِعمل نہیں بلکہ اس میں صدیوں کے انسانی تجربے اور علم کے ثمرات شامل ہوتے ہیں۔ ایک معلم اور ایک استاد کی ذات انہی خالص انسانی اور آفاقی ثمرات سے مزین ہوتی ہے۔ تربیت کی اس ہمہ گیر معنویت کے پیشِ نظر استاد کا وجود ایک تہذیبی اکائی کے طور پر سامنے آتا ہے۔ تعلیم تربیت کے بغیر ایک بے روح وجود ہے اور یہ ایک المیہ ہے کہ تعلیم اور تربیت کے مابین ایک بھیانک خلاء دن بدن بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ یہ خلاء درحقیقت استاد کے وجود کا خلاء ہے جو انسان اپنی ذات سے فاصلے، دوسرے انسانوں سے ایک نسل سے دوسری نسل سے، اور خدا سے فاصلے کا باعث بن رہا ہے۔ یہ بڑھتا ہوا خلاء یہ تفاوت یہ دوری تہذیبی زوال کی بہت بڑی علامت ہے۔ معلم اور طالب علم کا رشتہ محض دو انسانوں کا تعلق نہیں ہوتا بلکہ یہ تسلسل وجود سے

Marfat.com

عبارت ہے۔

یہ وہ واحد انسانی تعلق ہے جو جبلی سطح سے ماوراء ہوتا ہے۔ جو ایک خام انسانی عضویے میں مقصدیت، لگن اور عمیق شعور جیسے تخلیقی عناصر پیدا کر دیتا ہے۔ ایسی انسانی تشکیل و تعمیر کی بدولت ہی ارسطو کے زیر سایہ سکندر اعظم جیسا انسان جنم لیتا ہے۔ ایک استاد کی ذات میں ایک حکیم اور دانا کا وجود ہوتا ہے۔ علم کے نظری و عملی پہلوؤں کی انسانی ذات میں یکجائی سے حکمت جنم لیتی ہے۔ آج ہم اکیسویں صدی کی دہلیز پر شکستہ قدموں کے ساتھ اگر مڑ کر دیکھیں تو ہمیں یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہمارے اندر وہ تہذیبی اکائی معدوم ہونے والی ہے اور ہم اپنی ہر شناخت سے محروم ہو کر ایک لامحدود خلاء کے اسیر ہونے والے ہیں۔

آج ہم ایک ایسے معاشرے اور ایک ایسے کلچر میں ڈھل چکے ہیں جہاں ہر طرف Power Game یا اصولِ طاقت کا دور دورہ ہے۔ جہاں تخلیق کی بجائے مسابقت اور تربیت و علمی ترفع کی بجائے اقتدار کو اولیت حاصل ہے۔ آج کا انسان اپنی حقیقی طاقت کے مفہوم سے بے بہرہ ہو چکا ہے۔ آج مشینوں اور مارکیٹ سے کہیں زیادہ اس تہذیبی اکائی کی ضرورت ہے جسے استاد کہتے ہیں اور یہ ضرورت پہلے زمانوں سے کہیں زیادہ آج کے زمانے کے لیے شدت اختیار کر گئی ہے۔

ایک افسوسناک امر یہ بھی ہے کہ سرمایہ دارانہ ذہنیت نے انسانی رشتوں کو اشیائے صرف کے برابر لا کھڑا کیا ہے۔ نتیجتاً استاد اور معلم بھی خود آگہی اور اعتماد ذات کے اس مقام پر قائم نہیں رہا جہاں اسے ایک Role Model کی حیثیت حاصل ہو۔ چنانچہ آج ہمیں ایک مثالی استاد کے وجود کی تلاش بھی لاحق ہے۔ ہمارے درمیان ایسے انسان اگر چہ بہت قلیل تعداد میں آج بھی موجود ہیں۔ یہ وہ ہستیاں ہیں جنہیں شاید ہم نے دانستاً نظروں سے اوجھل کر رکھا ہے اور جو گہری شبوں کے پیچھے سنہری صبحوں کی طرح ہماری منتظر ہیں۔ یہ وہ اساتذہ ہیں جو اپنے پیشے، مقام و مرتبت سے ایمان کی حد تک وابستہ ہیں۔ یہ لوگ صلہ و ستائش سے بے نیاز ہیں جو

Marfat.com

ہر لمحہ اس خلاء، اس تہذیبی زوال کو کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور مغموم ہیں جس سے عصرِ حاضر کا انسان دوچار ہے۔ ایسے ہی چند انسانوں میں سے ایک نام پروفیسر سمیع اللہ قریشی کا ہے۔

اس بات سے قطع نظر کہ وہ میرے استادِ محترم ہیں۔ ان کی ذات اور زندگی ایک حقیقی Role Model کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کی زندگی ایک ایسی کتاب ہے جو سادہ اور سچے رویوں سے مزین ہے اور یہ سادہ لفظ قاری پر متعدد اطراف سے اپنی عمیق اور ہمہ جہت معنویتیں افشا کرتے ہیں۔ ان کی شخصیت کے بطن میں زمانے اور زندگی کے متنوع تجربات کا خزانہ موجود ہے۔ یہ تجربات وارداتِ ہجرت سے آغاز پذیر ہوتے ہیں۔ درحقیقت ہجرت ہی وہ اہم ترین تجربہ ہے جس نے عہدِ طفولیت میں ہی پروفیسر سمیع اللہ قریشی کی ذات کو انسانی اور معاشرتی رویوں اور زمانی تغیرات کے حوالے سے ایک انتہائی گہری حساسیت سے ہمکنار کیا۔ اسی حساسیت سے ان کی شخصیت میں حب علم وادب وفن، حب الوطنی اور انسانیت پسندی جیسے عالمگیر اور لازوال عناصر ظہور پذیر ہوئے تو ہجرت کی آزردگی اور شکست وریخت نے ایک انتہائی مضبوط انسان کی تعمیر کے سامان پیدا کر دیئے۔ یہ مضبوط وقوت ان کی شخصیت کا ایک مستقل محور رہا ہے۔ انہوں نے ہر لمحہ بدلتی ہوئی زندگی، حالات اور رویوں میں ایسی تخلیقی شمولیت برقرار رکھی ہے جس سے ان کی شخصیت کا فطری تنوع، لچک اور استحکام جلا پاتا رہا۔ انہوں نے مختلف اور انتہائی اہم عہدوں پر رہتے ہوئے اپنی ذات کے ارتقائی و تجربی پہلو کو ہمیشہ زندہ رکھا ہے۔ ان کی ذات ہمہ جہت ہونے کے باوجود ایک مضبوط وحدت کا اظہار رہی ہے جس میں ان کی علمی وادبی ایک استاد اور ایک منتظم کی حیثیتیں مجتمع ہوگئی ہیں۔

Marfat.com

یہ چراغ سلامت رہے

محمد انیس انصاری

یہ 1968ء کی بات ہے۔ میں گورنمنٹ کالج جھنگ میں سال اول کا طالب علم تھا۔ پروفیسر محمد حیات خان سیال مرحوم کالج میگزین ''کارواں'' نکالتے تھے۔ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی اور رہنمائی ان کا شعار تھا۔ شاعری اور ادب سے میرا رشتہ جوڑنے والے بھی وہی تھے۔ طلباء میں سے (پروفیسر) نور احمد ثاقب مرحوم اور (ڈاکٹر) محمد اسلم ضیاء ''کارواں'' کے علی الترتیب مدیر اور نائب مدیر تھے۔ میں بھی کبھی کبھی پروفیسر محمد حیات خان سیال صاحب سے ملنے سٹاف روم چلا جایا کرتا تھا۔ میں نے ان کے پاس سب سے زیادہ جس شخص کو اٹھتے بیٹھتے دیکھا وہ تھے پروفیسر سمیع اللہ قریشی صاحب۔ اٹھائیس برسوں میں ان کی خوش کلامی اور خوش لباسی میں ذرا فرق نہیں آیا۔ البتہ اٹھائیس برس پہلے کا جسم اب نظر نہیں آتا۔

انہی دنوں کسی بین الکلیاتی مقابلے میں حصہ لینے کے لیے ''اسلام میں صحافت'' کے موضوع پر میرا ان سے پہلا مکالمہ ہوا۔ انہوں نے قرانی آیات اور دیگر حوالوں سے بڑی سیر حاصل گفتگو کی۔ اس کے بعد ملاقاتوں کے در کشادہ ہوتے چلے گئے۔ دین، شاعری، ادب، فلم، مصوری، موسیقی، تہذیب وثقافت، تاریخ غرضیکہ مختلف النوع موضوعات پر ان کی گفت گو سننے کے مواقع تواتر سے ملتے رہے اور یوں میں ان کے تبحر علمی کا قائل ہوتا چلا گیا۔

جھنگ میں ان دنوں ایک ادبی تنظیم ''حلقہ ارباب غالب'' کا طوطی بولتا تھا۔ یہ تنظیم

Marfat.com

دراصل چار افراد کی محنتوں کے نتیجے میں وجود میں آئی۔ پروفیسر محمد حیات خان سیال مرحوم، صفدر سلیم سیال، حکمت ادیب اور احمد تنویر۔

''حلقہ اربابِ غالب'' کے زیرِ اہتمام ان دنوں بڑی یادگار اور تاریخی نوعیت کی حامل ادبی تقریبات اور مشاعرے منعقد ہوتے تھے۔ مسجد قاضیانوالی کے نزدیک حکمت ادیب کی رہائش گاہ ''حکمت کدہ'' شاعروں اور ادیبوں کا ادبی مرکز تھا۔ جہاں ہر جمعہ کی شام کو تنقیدی اجلاس یا مشاعرے کی محفل جما کرتی تھی۔ شیر افضل جعفری، رفعت سلطان، رام ریاض، راجہ حسن اختر جلیل، انجم نیازی، پروفیسر شارب بیدل پانی پتی، چوہدری خلیل، پروفیسر سمیع اللہ قریشی، خیرالدین انصاری، ضیف باوا اور دیگر تمام شاعر و ادیب یہاں جمع ہوتے تھے۔ کالج کے بین الکلیات مشاعروں اور مباحثوں میں شرکت کا شوق مجھے بھی شہر کی ان مجالس میں لے آیا۔ انہی مشاعروں میں پروفیسر سمیع اللہ قریشی کی پنجابی غزل سننے کا اتفاق ہوا۔

دل دی طاقی کھول کے باہر دی جھاتی پا
ساہ نہ تیرا پی لوے اندر والا ہم

''حکمت کدہ'' پر سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلسلہ میں ایک نعتیہ مشاعرہ کی صدارت پروفیسر سمیع اللہ قریشی نے کی۔ انہوں نے اس تقریب میں حضور رحمتہ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خانگی اور ازدواجی زندگی کے موضوع پر بڑی جامع گفتگو کی۔ سیرت طیبہ کے حوالے سے میرے لیے یہ ایک نیا اور نازک موضوع تھا جس کے بارے میں پروفیسر صاحب نے اپنے منفرد اسلوب میں بے حد خوبصورت باتیں کیں۔

اسی زمانے کی بات ہے کہ پروفیسر سمیع اللہ قریشی صاحب کے شاگردوں نے ان کے ساتھ ایک شام منانے کا اہتمام کیا۔ اس موقع پر ان کی اہلیہ محترمہ بیگم نصرت سمیع اللہ قریشی صاحب نے جو ایک مقامی سکول میں پرنسپل ہیں۔ قریشی صاحب کی شخصی خوبیوں اور ایثار و تحمل

Marfat.com

کے واقعات بیان کیے تو پورے ماحول پر دیر تک جذباتی کیفیت چھائی رہی۔

چوبیس سال تک گورنمنٹ کالج جھنگ میں شعبہ اسلامیات کے صدر رہنے کے بعد چھ برس اسی کالج کے پرنسپل بھی رہے۔ ان کے دور میں کالج میں پوسٹ گریجوایٹ کلاسز کا اجراء عمل میں آیا۔ تعمیراتی شعبے میں کئی نئے بلاک تعمیر ہوئے۔ تعمیر کا معیار بلند ہوا لیکن اس کے ساتھ ساتھ چند حاسدین کا شعبہ بھی زور پکڑتا چلا گیا۔ عوام کے عوامی نمائندوں کا معاملہ اب کچھ ڈھکی چھپی حقیقت نہیں رہا۔ ہوا یہ کہ جھنگ کا ایک ایم۔ پی۔ اے جو کہ پروفیسر سمیع اللہ قریشی صاحب کا شاگرد بھی رہ چکا تھا۔ قریشی صاحب کے ذمے اس نے کوئی کام لگایا جسے کرنا ان کے اختیار میں نہ تھا۔ ایم۔ پی۔ اے نے ان کی معذرت کو اپنی توہین گردانتے ہوئے وزیر اعلیٰ اور اعلیٰ حکام کے ذریعے ان کے تبادلے کے احکامات جاری کروا دیئے۔ پوسٹ گریجوایٹ کالج کی پرنسپل شپ سے ہٹا کر تحصیل کی سطح کے ڈگری کالج میں صدر شعبہ لگا دینا ایک ایسی خبر تھی جو ان کے سارے چاہنے والوں پر بجلی بن کر گری۔ آزمائش کے اس لمحے میں پروفیسر سمیع اللہ قریشی کا حوصلہ دیدنی تھا۔ انہوں نے کسی سے مدد نہ چاہی۔ کوئی دروازہ نہ کھٹکھٹایا۔ دامن پر کوئی چھینٹ نہ آنے دی۔ صبر و تحمل سے کام لیا اللہ پر توکل کیا۔ کچھ ہی دنوں بعد گھر بیٹھے نئی تعیناتی کے آرڈر آ گئے۔ انہیں ڈیرہ غازی خان ڈویژن کے ڈائریکٹر کالجز کے عہدے پر تعینات کر دیا گیا۔ اللہ رب العزت کی طرف سے ان کے صبر و ایثار کا پھل اور توکل کا انعام تھا۔

لفظ سے ان کا جنم جنم کا رشتہ تھا۔ ان کے دوستوں میں غالب تعداد کتابوں کی ہے۔ اچھی کتاب خریدنا اور پڑھنا ان کی کمزوری ہے۔ جسے ان کی بیگم اور بچے آج تک برداشت کرتے چلے آ رہے ہیں۔ کسی سے کتاب لیں گے تو جلد پڑھنے اور جلد واپس کیے بغیر چین نہیں لیں گے۔ کوئی کتاب مانگ کر لے جائے تو تقاضا نہیں کریں گے۔ کتابیں ان کی دولت ہیں۔ ان کی ذاتی لائبریری میں بہت سارے موضوعات پر بہت ساری کتابیں موجود ہیں۔ بڑی بات

Marfat.com

یہ ہے کہ وہ اس دولت پر سانپ بن کر نہیں بیٹھے۔ ابھی اسی عید الفطر کی بات ہے میں حکمت ادیب اور ان کی اہلیہ کے ساتھ عید ملنے کے لیے پروفیسر سمیع اللہ قریشی صاحب کی نئی کوٹھی پر گیا۔ بہت خوش ہوئے، بڑے تپاک سے ملے، خوب مدارات کی پھر اندر گئے۔ واپس آئے تو ہاتھ میں احمد ندیم قاسمی کا شعری مجموعہ 'محیط' تھا۔ مجھے دیا اور کہنے لگے کہ نئے گھر میں اپنی کتابیں الٹتے پلٹتے علم ہوا کہ میرے پاس محیط کی دو جلدیں ہیں۔ ایک جلد کے ہوتے ہوئے دوسری کس کام کی۔ سو میں نے ارادہ کیا کہ جو عزیز سب سے پہلے عید ملنے آئے گا کتاب اس کی نذر کروں گا۔ انیس بیٹے! تم آ گئے ہو اس لیے یہ کتاب تمہاری نذر۔

پروفیسر سمیع اللہ قریشی عہد حاضر کی ایک اہم اور معتبر شخصیت ہیں۔ ان کی شخصیت کے کئی رنگ ہیں، کئی پہلو ہیں وہ ماہر تعلیم ہونے کے ساتھ ساتھ دانشور بھی ہیں، شاعر بھی، نقاد بھی، تاریخ دان بھی، تہذیب و ثقافت کے ماہر بھی، مذہبی سکالر بھی اور محقق بھی۔ ان کی تحریریں بلا مبالغہ اس دور کی نمائندہ تحریریں ہیں جن کا اعتراف نہ صرف ملکی سطح پر بارہا کیا جا چکا ہے بلکہ بیرون ملک بھی کیا گیا ہے۔ اصفہان یونیورسٹی نے ان کے ایک مقالے پر انہیں ایران آنے کی دعوت دی۔ انہیں تا دمِ حال قومی سیرت کانفرنس میں شرکت کرنے اور مقالہ پڑھنے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔

حج کی سعادت اللہ کا بہت بڑا انعام ہے۔ حج سے واپسی پر ان سے ملاقات رہی تو ان کا حال کچھ ایسا تھا جیسے

سفر کے بعد بھی میں حالتِ سفر میں رہا

حج کے بعد دوسری بڑی خوشی ملک کے تاریخی تعلیمی ادارے اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور میں بحیثیت پرنسپل تعیناتی تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ اسی قبیلے کے ایک فرد ہیں جس نے اس تاریخ ساز علمی درسگاہ کی بنیاد رکھی۔ فکری اور نظریاتی سطحوں پر وہ اسلامیہ کالج کی بلند پایہ روایات کے امین ہیں۔ قدرت کی طرف سے اس ادارے کی سربراہی کا اعزاز اسی میرٹ کی

Marfat.com

بنیاد پر ان کے حصے میں آیا ہے۔حج کے بعد تیسری بڑی خوشی ان کے بڑے بیٹے منصور احمد ہاشمی کی شادی تھی۔منصور احمد ہاشمی ٹیکسٹائل انجینئر ہیں اور آج کل ایک ٹیکسٹائل ملز میں ملز منیجر کے عہدے پر فائز ہیں۔اس شادی کی خاص چیز منصور کی شادی کا دعوت نامہ تھا جس کی پشت پر فیض احمد فیض کی غیر مطبوعہ نظم سجائیں بزم، انہوں نے بڑے اہتمام سے شائع کی۔فیض کی غیر مطبوعہ نظم کی تلاش اور اس کے برمحل استعمال کا کریڈٹ بھی بجا طور پر پروفیسر سمیع اللہ قریشی صاحب کو جاتا ہے۔

پروفیسر سمیع اللہ قریشی کی کہانی روشنی کی کہانی ہے۔وہ علم کا چراغ ہتھیلی پر رکھے تاریکیاں اجالنے کے عظیم مشن پر رواں دواں ہیں۔آیئے دعا کرتے ہیں کہ ان کی ہتھیلی پر رکھا یہ چراغ ہمیشہ سلامت رہے، ہمیشہ فروزاں رہے۔آمین۔

Marfat.com

کتابوں کا عاشق

چوہدری محمد صدیق

یہ 1960ء کی بات ہے۔ بہاولپور شہر ابھی پنجابیوں سے آباد ہونے کے ابتدائی مراحل میں تھا۔ ایس۔ ای کالج سے مشرق کی طرف چلیں تو صحرا کا مکمل منظر آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے۔ آدمی کسی بھی ریت کے ٹیلے پر بیٹھ کر صحرا کے اس منظر سے لطف اندوز ہوسکتا تھا۔ بہاولپور کی آبادی زیادہ تر مقامی لوگوں پر مشتمل تھی۔ ابھی پنجابی چونکہ آباد ہو رہے تھے۔ اس لیے وہ خال خال ہی نظر آتے تھے۔ کالج کے پرنسپل جی۔ ایم شاہ تھے۔ وہ بہاولپور کی پہلی شخصیت تھے، جنہوں نے انگریزی زبان وادب میں ایم۔ اے کیا تھا ٹھیٹ ریاستی بولتے تھے۔

سمیع اللہ قریشی نے اپنی ملازمتی زندگی کا آغاز اسی زمانے میں میرے ساتھ اسی کالج سے کیا تھا۔ وہ اس وقت اسلامیات کے لیکچرار تھے۔ زندگی کا شباب تھا۔ بہت اچھا لباس پہنتے تھے۔ خوش گفتار بھی تھے۔ وہاں کے لوگوں سے ایسے گھل مل گئے تھے کہ ہر کوئی یہی سمجھتا تھا کہ یہ بھی ریاستی ہیں۔ بہاولپور کے لوگوں سے محبت اور ریاستی زبان سے پیار نے ان سے بہت بعد میں پنجابی زبان وادب میں ایم۔ اے کروایا۔ انہوں نے ایم۔ اے پنجابی محض رسماً نہیں کیا تھا بلکہ اس کے لیے انہوں نے اپنی بھرپور صلاحیتوں کو استعمال کیا اور پنجاب یونیورسٹی کا یہ امتحان اعزاز کے ساتھ پاس کیا۔

جب میں نے یکم اگست 1967ء کو گورنمنٹ کالج جھنگ میں لائبریرین کا چارج سنبھالا تو قریشی صاحب اس دن انچارج پرنسپل تھے۔ میں بہاولپور سے آیا تھا۔ قریشی صاحب مجھ سے بہت پہلے براستہ گوجر خان یہاں پہنچ چکے تھے۔ اس طرح ایک عرصے کے بعد قریشی

Marfat.com

صاحب سے ملاقات ہوئی۔اور انہی کی شفقت اور محبت کے سائے میں، میں نے جھنگ میں اپنی ملازمت کا آغاز کیا۔ پرانی یادوں کے سائے میں اور مستقبل کے پر امید خیالات میں ان کے ساتھ بڑے اچھے دن گزرنے لگے۔ قریشی صاحب کی زندہ دلی اور بے تکلف، مطالعے کی عادت اور کتابوں پر بجچے تلے تبصرے کی فراست ہمیں زندگی کی پریشانیوں اور گھٹن سے وقتی طور پر بے نیاز کر دیتی تھی اور ان کی رس گھولتی باتیں ہمارے کانوں میں کافی دیر تک گھر کیے رکھتیں لیکن اس مردِ صحرائی کو اچانک کسی کی نظر لگ گئی اور 1971ء میں ان کی بائیں آنکھ کا پچھلا پردہ اکھڑ گیا چنانچہ علاج کے لیے میو ہسپتال لاہور کے البرٹ وکٹر وارڈ میں داخل کرا دیا گیا۔ میں عیادت کے لیے گیا تو فرمانے لگے کہ آپریشن تو ہو گیا ہے مگر بات نہیں بنی...... اور یہ کیفیت آج تک جاری ہے۔

قریشی صاحب مطالعے کے بہت شوقین ہیں...... نہیں، بلکہ مطالعے کے بہت پابند ہیں۔ لائبریری میں، میرے پاس، باقاعدگی سے آتے، اخبار کا مطالعہ کرتے اور اپنی ضرورت کی کتاب طلب کرتے۔ اتنی تیزی سے اور اتنا زیادہ مطالعہ کرنے والے بہت کم لوگ ہوں گے۔ کتاب چند دن بعد واپس کر دیتے اور پھر اس پر تبصرہ بھی کرتے۔ تبصرہ باون تولے پاؤ رتی ہوتا۔ کیا مجال، جو اس میں افراط و تفریط ہو۔ تبصرہ کچھ اس انداز میں کرتے جیسے اس کتاب کی انہیں سطر سطر یاد ہو۔ ان کے تبصرے کی گونج سٹاف روم میں اکثر سنائی دیتی تھی۔ ان کے تبصرے کی وجہ سے دوسرے لوگوں میں بھی پڑھنے کا جذبہ ابھرتا اور تدریسی عملے کے اکثر ارکان زیرِ تبصرہ کتاب مانگنے کے لیے لائبریری کا رخ کرتے۔ اس طرح میں سمجھ جاتا کہ قریشی صاحب نے سٹاف روم میں کتاب پر تبصرہ کر دیا ہے۔ یوں، ایک طرح سے وہ پروفیسروں میں تشویقِ مطالعہ کے محرک بن جاتے یہاں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے طلبہ میں مطالعہ کا شوق کس طرح پیدا کرتے ہوں گے!

قریشی صاحب کتابوں سے اپنی اولاد کی طرح پیار کرتے ہیں۔ اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ 12 اگست 1973ء کو دریائے چناب کو جوش آیا۔ اس نے اپنی

Marfat.com

گزرگاہ ادھی وال کا رخ کیا۔ طغیانی زوروں پر تھی۔ ہر شے ڈوب گئی۔ کالج میں ساڑھے پانچ فٹ پانی کھڑا تھا۔ جھنگ شہر میں دس سے گیارہ فٹ تک پانی آ گیا تھا۔ دس دن کے بعد جب سٹاف کالج میں آیا تو سب سے پہلے جو شخص کالج میں داخل ہوا وہ قریشی صاحب تھے۔ پوچھنے لگے، کتابوں کا کیا حال ہے۔ میں نے بتایا کہ کچھ کتابیں الماریوں کے اوپر سے گر گئی تھیں اور کچھ کو پانی لگ گیا ہے۔ قریشی صاحب نے بہت افسوس کیا۔ کتابوں کو خشک کرنے کے لیے دھوپ میں رکھا گیا۔ قریشی صاحب ایک ایک کتاب پکڑتے، اس کا ایک ایک ورق الٹتے ایک ورق کو دوسرے سے الگ کرتے اور میں نے دیکھا کہ کئی کتابوں کو دیکھ کر آنسو بہانے لگتے اور کہتے کہ یہ کتاب تو دوبارہ چھپی ہی نہیں۔ یہ کتاب تو فلاں ملک کی چھپی ہوئی اور اب اس کا حصول ناممکن ہے۔ اس وقت کالج کے پرنسپل تقی الدین انجم تھے۔

1985ء میں میرا تبادلہ جھنگ سے سانگلہ ہل میں ہو گیا۔ میں نے 11 نومبر 1985ء کو جھنگ چھوڑ دیا۔ اتفاق سے، اس روز بھی قریشی صاحب ہی انچارج پرنسپل تھے انہی کے قلم سے میں نے گورنمنٹ کالج جھنگ کے سٹاف میں شمولیت کی تھی اور آج بھی انہی کے قلم سے میں کالج سے فارغ ہو کر گورنمنٹ اسلامیہ کالج سانگلہ ہل میں چلا آیا...... میرے آنے کے بعد تقی الدین انجم ریٹائر ہو گئے اور کچھ عرصہ بعد قریشی صاحب باقاعدہ پرنسپل ہو گئے۔

کچھ عرصے کے بعد آپ ڈیرہ غازی خان کالجز کے ڈائریکٹر ہو کر چلے گئے۔ کتابوں کے ساتھ قریشی صاحب کی محبت ڈویژن بھر کے انتظامی سربراہ ہونے کے باوجود بھی کم نہ ہوئی، ختم ہونا تو دور کی بات ہے۔ کتابوں سے اب بھی اسی طرح محبت کرتے رہے، جس طرح ایک استاد ہونے کے ناطے کرتے تھے۔ ان کا خیال ہے کہ استاد ہر حال میں استاد ہی رہتا ہے خواہ وہ کسی بھی حیثیت میں خدمت انجام دے رہا ہو۔ ڈائریکٹر کی حیثیت سے انہیں کالجوں میں جانے کا اتفاق ہوتا رہتا تھا۔ وہاں بھی وہ کالج لائبریری ضرور دیکھتے لیکن ان کے انتظام وانصرام سے خوش نہ ہوتے۔ اس کا اظہار انہوں نے مجھے 6 جولائی 1994ء کے ایک مکتوب میں یوں کیا ہے۔

Marfat.com

''کبھی کبھی جب یہاں بعض کالجوں میں لائبریوں کا حشر ہوا دیکھتا ہوں تو تم یاد آ جاتے ہو کہ کتابوں کو اپنے گویا بچوں کی طرح سنبھالتے تھے اور سینت سینت کر رکھتے تھے۔''

یہ مکتوب جہاں قریشی صاحب کی کتابوں سے محبت کی غمازی کرتا ہے، وہاں ان کے زندگی کے بے تکلفانہ انداز کی عکاسی بھی ہے۔ان کی زندگی کا یہ پہلو، قریشی صاحب کو ان کے حلقہ احباب میں مقبول بناتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان سے سبھی خوش رہتے ہیں، ناراض کوئی بھی نہیں ہوتا۔اس طرح کے اہل علم اور محبت کرنے والے دوستوں کی صحبت میں وقت گزارنے کو سعادت سمجھنا چاہیے۔

مجھے پتہ نہیں چل رہا تھا کہ ڈیرہ غازی خان سے تبدیل ہو کر قریشی صاحب کہاں گئے ہیں۔ بہرحال ایک دن جب معلوم ہوا کہ ترقی پا کر وہ گورنمنٹ اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور کے پرنسپل ہیں تو دل نے مجبور کیا کہ اس ہستی سے ضرور تجدید ملاقات کرنا چاہیے جس کے ساتھ زندگی کے تیس سال گزرے ہیں چنانچہ 8 دسمبر 1995ء کو میں اپنے پرنسپل سید خورشید حسین بخاری کے ہمراہ ان سے ملنے کالج گیا۔ بڑی خندہ پیشانی سے پیش آئے۔ ماہ و سال کا درمیانی وقفہ مٹتا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ گویا کہ قریشی صاحب اور میں ماضی کے زمانے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ گفتگو کا وہی انداز اور محبت کا وہی قرینہ! ایسی ہی کیفیت اور جذبات کا اظہار قریشی صاحب نے اپنے یکم جنوری 1996ء کے میرے نام ایک مکتوب میں یوں کیا ہے:

''اس روز آپ آئے۔ اپنا تو جی خوش ہو گیا۔ لگا جیسے برسوں پہلے گورنمنٹ کالج جھنگ کے کتب خانے میں بیٹھا، آپ کی منگوائی چائے کی چسکیاں لے رہا ہوں۔ گاجر کا حلوہ نوش جاں کر رہا ہوں۔ خیر یار زندہ صحبت باقی۔''

اور گفتگو کے دوران فرمانے لگے:

''چوہدری ! چھبیس 26 سال پڑھا لیا، دس سال ایڈمنسٹریٹو

Marfat.com

پوست پر کام کرلیا، بچے برسرروزگار ہو گئے ہیں اور حج بیت اللہ کی سعادت بھی نصیب ہوگئی ہے۔ چھ مہینے ریٹائرمنٹ کے رہ گئے ہیں۔ اب دل میں کوئی حسرت باقی نہیں ہے۔اللہ تعالی نے مجھ پر بہت کرم کیا ہے۔میں اس کا جتنا بھی شکرادا کروں، کم ہے۔"

اس موقع پر اس شخصیت کا ذکر نہ کرنا زیادتی ہوگی، جس نے قریشی صاحب کے ساتھ شادی کے بندھن میں بندھ جانے کے بعد آج تک ان کا گھر بنانے اور بچوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے میں قریشی صاحب کا ساتھ دیا۔بیگم نصرت، قریشی صاحب کی طرح خوش خلق اور انسان دوست شخصیت ہیں۔ دکھ، تکلیف کے وقت خواتین کے کام آنے کو عبادت سمجھتی ہیں۔صوم وصلوۃ کی پابند اس خاتون نے نہ صرف اپنے گھر کو سلیقہ اور ہنر مندی سے چلایا بلکہ بچوں کی عمدہ تربیت کر کے ان کو رزم گاہ زندگی میں نبرد آزمائی کے قابل بھی بنایا چنانچہ اگر منصور ایک ٹیکسٹائل ملز کا جنرل منیجر ہے اور تیمور پاک آرمی میں کیپٹن ہے، تو یہ ثمر ہے بیگم نصرت کی محبت اور محنت کا! اللہ تعالی انہیں جزائے خیر دے کہ انہوں نے اس بندہ صحرائی سمیع اللہ قریشی کی ہر تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھا اور اس کی ہر کوتاہی کو صبر اور شکر کے ساتھ برداشت کیا!

قریشی صاحب کو تصنیف وتالیف سے بھی شغف رہا ہے چنانچہ ان کے بیشتر مضامین اور بعض کتابیں اہل علم ودانش سے خراج تحسین وصول کر چکی ہیں۔اب جب کہ وہ ریٹائرڈ ہو رہے ہیں، انہیں اپنے شوق کو پورا کرنے کے بھرپور مواقع حاصل ہوں گے۔اللہ تعالیٰ انہیں تندرستی اور صحت عطا کرے اور اس قابل بنائے کہ وہ اہل علم کو اپنے رشحاتِ قلم سے مستفید فرماتے رہیں۔

Marfat.com

تذکرہ ایک طویل رفاقت کا

یعقوب علی بٹ

پروفیسر سمیع اللہ قریشی سے میری رفاقت کوئی تیس سال پر محیط ہے۔ میں نے جنوری 1966ء میں جب بطور لیکچرر گورنمنٹ کالج جھنگ میں اپنی نوکری کا آغاز کیا تو پروفیسر موصوف اس کالج کے جانے پہچانے استاد تھے۔ چونکہ میں نے بی۔اے کا امتحان اسی کالج سے دیا تھا اس لیے میرے کئی اساتذہ ان کے رفیق کار تھے۔ میرے اساتذہ میں فلسفہ کے استاد پروفیسر محمد یعقوب چوہدری اور پروفیسر حسن عباس فاطمی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ انگریزی کے فاضل استاد جو میرے بی۔اے کرنے کے بعد کالج میں تشریف لائے پروفیسر چوہدری محمد اسلم تھے۔ ان تینوں اساتذہ کے ساتھ قریشی صاحب کی عموماً نشست رہتی تھی۔ قریشی صاحب کو لکھنے پڑھنے سے جنون کی حد تک شغف تھا اور وہ علمی وادبی معاملات پر اپنے باذوق رفقاء سے اکثر بحث کرتے پائے جاتے تھے۔ قریشی صاحب خالی پیریڈ میں اکثر لائبریری میں پائے جاتے تھے اور زیادہ سے زیادہ کتابیں پڑھنے والے اساتذہ میں شمار ہوتے۔ وہ الفاظ کے تلفظ کی صحت کا خاص طور پر خیال رکھتے اور کسی رفیق کار کو جو کسی لفظ یا الفاظ کی ترکیب کو غلط پڑھ رہا ہوتا تھا فوراً ٹوک دیتے اور اس کی تصحیح کر دیتے۔ اسی طرح مجھ جیسے نو واردوں کو اکتساب علم کا ایک اچھا موقع مل جاتا تھا۔

قریشی صاحب کا مطالعہ ہمہ جہت ہے۔ وہ ادبی، مذہبی، سیاسی، معاشرتی اور فلسفیانہ

Marfat.com

موضوعات پر مبنی کتب کا مطالعہ کرتے تھے۔ پنجابی ادب تو خاص طور پر ایک دور میں ان کی توجہ کا مرکز رہا۔ پنجابی ادب سے ان کے ذوق وشوق کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اپنی تدریسی زندگی کے کئی سال گزر جانے کے بعد انہوں نے ایم۔ اے پنجابی کا امتحان یونیورسٹی سے پاس کیا۔ اس مضمون میں انہوں نے بہت سے ایسے شاگرد پیدا کیے جو آج تک ان سے والہانہ محبت رکھتے ہیں۔

قریشی صاحب ایک اعلیٰ پایہ کے مقرر بھی ہیں۔ مختلف موقعوں پر مختلف سلسلوں میں کالج میں ہونے والے طالب علموں کے اجتماعات میں جن میں اساتذہ بھی شریک ہوتے تھے قریشی صاحب اپنی سحر بیانی کے جادو جگاتے اور اساتذہ اور طلباء ایسے اجتماعات سے بے حد فائدہ اٹھاتے اور یہ اجتماعات ان کی علم افزونی اور خرد افروزی کا باعث بنتے۔ قائداعظم محمد علی جناح سے انہیں جنون کی حد تک محبت ہے۔ وہ قائداعظم کی زندگی کے مختلف پہلوؤں اور ان کے سماجی رویوں پر اکثر رطب اللسان رہتے۔ انہیں پنجاب کے بزرگ صوفی شعراء سے بھی بہت محبت ہے کیونکہ انہوں نے اپنے کلام میں بنی نوع انسان سے محبت اور پیار کا درس دیا ہے۔ قریشی صاحب اکثر ان کے کلام کے اقتباسات دوستوں کو سنایا کرتے۔

گورنمنٹ کالج جھنگ کے سربراہ کی حیثیت سے انہوں نے اپنے فرائض نہایت حسن وخوبی اور دیانت داری سے انجام دیئے۔ خود بھی انتہائی جانفشانی سے اپنے دفتری امور انجام دیتے اور یہ دیکھتے اور اس بات کو یقینی بناتے کہ اساتذہ بھی اپنے فرائض منصبی دیانت داری سے انجام دیں۔ کہیں کہیں اساتذہ میں پائے جانے والے تساہل اور فرض منصبی سے اغماض کو بڑی خوش سلیقگی، حلم اور نرمی سے نشاندہی کر کے دور کر دیتے اور یہ سب کچھ ایک ایسے مہذب انداز میں کرتے کہ سننے والا برا نہ منائے اور اس کی اصلاح بھی ہو جائے۔ کالج کی سربراہی کے دوران اپنے دفتر میں بیٹھے ہوئے طالب علموں کے رویئے کی اصلاح کرتے رہتے۔ جب کوئی طالب علم اپنے کسی کام کے سلسلے میں آپ کے سامنے پیش ہوتا اور اس کی قمیض کے سامنے

Marfat.com

کے بٹن کھلے ہوتے تو اسے فوراً بٹن بند کرنے کو کہتے۔ میز پر جھکنے کی بجائے اسے سیدھا کھڑا ہونے کو کہتے۔ کالج کے ضوابط کے مطابق اسے وردی پہننے کو کہتے۔ پاؤں میں ہوائی چپل کی بجائے بند جوتا پہننے کی تلقین کرتے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ وہ طالب علموں کی شخصیت کے متوازن ارتقاء میں بھرپور اور مقدور بھر حصہ لیتے۔

ان کی زندگی کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ وہ کالج کے کم تنخواہ پانے والے درجہ چہارم کے ملازمین کی اپنی جیب سے مدد کر دیا کرتے تھے۔ کالج میں ڈاک لانے والے ڈاکیے کو اپنے پاس بٹھا کر چائے پلاتے اور تہواروں کے موقع پر اس کی مالی معاونت مقدور بھر ضرور کرتے۔ آخر میں یہ کہوں گا کہ قریشی صاحب علمی اور اخلاقی ترفع اور انسانی ہمدردی کے حوالے سے اتنے عظیم انسان ہیں کہ آپ دوستوں اور واقف کاروں کی یادوں میں ہمیشہ بسے رہیں گے۔

Marfat.com

گم شدہ۔ بازیافتہ

عباس ہادی چغتائی

محترم پروفیسر سمیع اللہ قریشی جس زمانے گورنمنٹ کالج جھنگ میں بطور استاد تشریف لائے۔ اس زمانے میں جھنگ میں ادبی محفلوں کی رونقیں نصف النہار پر تھیں اور ادب اور صحافت میں کوئی زیادہ فرق بھی نہیں کیا جاتا تھا بلکہ صحافی کے لیے پہلے ادیب ہونا لازمی سمجھا جاتا تھا۔ اس وقت ایک عجیب طرح کا ماحول تھا ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جھنگ میں سب سے بڑا کام ادب کے ساتھ تعلق داری ہے اسی لیے جھنگ کے ادیب یا شاعر کو اپنے معاشرہ میں اپنی پہچان کرانے کی کوئی ضرورت ہی نہیں پڑتی تھی۔ عام لوگ ان سے واقف ہو جاتے تھے۔

اسی وقت قریشی صاحب کا جھنگ تشریف لانا ادب کے لیے اور اہل جھنگ کے لیے ایک بدیہی ضرورت محسوس ہوتی تھی جو قدرت نے اپنے فطری اصول کے مطابق پوری کر دی تھی۔

محترم قریشی صاحب سے ہمارے خصوصی رشتہ کی مسافت تقریباً 33 برس کے طویل عرصہ پر محیط ہے۔ جس میں شکر رنجی اور صلح صفائی کی نوبت بھی آئی مگر ایسا ہی تھا جیسے روٹھے سجن مان جاتے ہیں۔

میری پہچان تو اپنے مرحوم بابا شیر افضل جعفری کے وسیلہ سے ہوئی تھی۔ محترم قریشی صاحب مجھے آپ کا بیٹا ہونے کی وجہ سے پیار کرتے ہیں۔ اب تک اسی رشتہ کا نباہ ہو رہا ہے مگر

Marfat.com

آپ کی ذات میں کچھ ایسی محبت بھری گہرائی تھی کہ میں آہستہ آہستہ آپ کی شخصیت کی گہری دھند میں گم ہو گیا۔ میں اس روانی میں اکیلا ہی نہیں بہہ گیا بلکہ میرے ساتھ اور بھی بہت سے شامل ہیں۔ آپ کی صحبت میں ادبی تخلیق کے بارے بڑی خالص کھری سوچ کا درس ملا ساتھ ہی ہمیں تخلیق اور تنقید کے بارے میں ایک ایسے معیار کی تلقین اور تدریس عطا ہوئی کہ ہم ہاری ساری کسی کو بھی خاطر میں نہ لاتے تھے۔ ہم خود تو فضول قسم کی مصروفیات کے باعث کچھ بھی نہ کر سکے مگر ایسی بھی بات نہیں کہ ہم لکھ نہیں سکتے تھے۔ لکھ تو سکتے تھے پر معیار کے مطابق محنت نہ کی۔ ایسا ویسا اس لیے نہیں لکھتے تھے کہ جو پتھر ہم دوسرے لوگوں پر پھینکتے ہیں وہ ہمیں بھی پڑ سکتے ہیں۔ اسی لیے کمزور لکھنے کا حوصلہ نہ ہوا اور جو برا بھلا نام کما سکتے تھے اس سے بھی محروم رہ گئے اور جنہوں نے لکھا اور پھر لکھتے رہے وہ اچھی شہرت پا گئے۔ میں تو یہ جانتا ہوں کہ پروفیسر شفیع ہمدم کا پنجابی افسانہ میں خوب مقام ہے۔ آپ دیوبند کے باسیوں سے ہیں۔ اب آپ کا پنجابی کا افسانہ نگار بن جانا محترم قریشی صاحب کی کرامت ہی سمجھیں۔

اسلامیات کے پروفیسر کا جو خاکہ کسی بھی ذہن میں آ سکتا ہے۔ میرے ذہن میں کچھ ایسی ہی تصویر تھی میں نے یہ گمان کبھی نہیں کیا تھا کہ آپ اسلامیات کے پروفیسر ہیں۔ (اگرچہ میری اس بات پر لوگ میرا گریبان پکڑ لیں گے لیکن مجبور ہوں کہ عریاں حقیقت کا اظہار کروں) ادبی یا عام میل جول میں کبھی انگریزی ادب پر بات چھڑ گئی تو یہی خیال گزرا کہ آپ انگریزی کے پروفیسر ہیں۔ عربی ادب کے بارے بات ہوئی تو سمجھے کہ آپ شاید عربی زبان کے استاد ہوں گے اور اگر پنجابی، اردو، فارسی ادب کے بارے بات چل پڑی تو محرمِ راز درون مے خانہ دکھائی دیئے۔

محترم قریشی صاحب ہماری دو نسلوں کے استاد ہیں اور ادب میں ایک معتبر حوالہ ہیں۔ ہمارے معاشرہ نے آپ سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ آپ جو کچھ پڑھتے ہیں اگلے دن دوست احباب کو یا ادب کے شدائیوں کو اکٹھا کر کے بغیر کسی تکلف یا بڑائی کے اس طرح اپنی معلومات

Marfat.com

ذہنوں میں اتارتے ہیں جس طرح کبوتر اپنے بچوں کے منہ میں چوگا اتارتا ہے۔

ادب کے سچے بیوپاری کے علاوہ اس طرح کون کرتا ہے اور اپنے مطالعہ سے بلاتوقف کون آگاہ کرتا ہے میں نے دیکھا ہے کہ جو پڑھنے والے ہیں وہ علم کو سینہ میں دبا لیتے ہیں۔ عام محفلوں میں ہونٹ سی لیتے ہیں مگر قریشی صاحب کی یہ عادت قابل تعریف وستائش ہے کہ آپ جو پڑھتے ہیں عمر یا مرتبہ کا لحاظ کیے بغیر بخل کو ایک طرف کر کے بغیر کسی کمی بیشی کے بتائے بغیر نہیں رہ سکتے۔ پھر یوں معلوم ہوتا ہے جیسے آپ نے اپنی امانت کا بوجھ اپنے سر سے اتار دیا ہو۔ میں کہتا ہوں کہ آپ علم وادب کے ایسے بیوپاری ہیں کہ جس کے پاس علم وادب کی کوئی نئی جنس آ جائے تو خریدار تلاش نہیں کرتے بلکہ مفت ہی لٹا دیتے ہیں۔

پھر آپ دوسرے لوگوں سے ان کے مطالعہ کے بارے میں بھی پوچھتے اور ان کی دل دہی اور حوصلہ افزائی کرتے ہیں تاکہ وہ مطالعہ میں لگے رہیں۔ یوں آپ نے جھنگ میں علم وادب کا دیا جلائے رکھنے کے جتن کرنے والوں کا بھرپور ساتھ دیا ہے۔

آپ کو اگر کوئی مل جائے تو آپ کا پہلا سوال یہ ہوتا ہے۔ صاحب! کوئی نئی فتوحات؟ اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ آپ نے اب تک کیا پڑھا اور کیا لکھا ہے۔ کوئی ادیب یا شاعر ضائع ہو رہا ہو تو لوگ خوش ہوتے ہیں آگے نکلتا نظر آئے تو جل بھن جاتے ہیں۔ ادب میں حقیقی باپ بھی اپنے برابر گوارا نہیں کیا جاتا مگر آپ دوسروں کو آگے نکلتے دیکھ کر دعائیں دیتے ہیں۔

محترم قریشی صاحب ادبی تحریروں کے بارے کبھی بھی عامیانہ مشورہ یا رائے نہیں دیتے اور ہمیشہ پوری توجہ اور غور سے تخلیق سنتے اور پھر اس کی باریکیوں پر کھل کر بات کرتے ہیں۔ تحریر اگر اچھی ہو تو تعریف کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔

اگر میں یہ کہوں کہ قریشی صاحب اپنی ذات کے حوالہ سے ایک ادارہ ہیں تو یہ ایک مکمل بات ہو گی لیکن موجودہ ماحول میں یہ ایک عام سی بات معلوم ہوتی ہے آپ بھی کہیں گے کہ یہ بات ہر ایک ہر کسی کے لیے کہہ دیتا ہے۔ میں نے جھوٹ ہرگز نہیں بولا نہ ہی بات کی بات کی

Marfat.com

ہے۔ قریشی صاحب کے ساتھ جس نے کبھی کچھ بھی وقت گزارا ہے وہ یہ جان لیتا ہے کہ آپ کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ آنکھوں کی قربانی دے چکے ہیں پھر بھی لفظ، کاغذ اور کتاب کا رشتہ اعزاز کے ساتھ نبھاتے آ رہے ہیں۔

میں یہ باتیں کسی خوشامد کی وجہ سے نہیں کر رہا ہوں بلکہ ماضی کے اوراق پلٹ کر ہو بہو نقل کرتا آ رہا ہوں۔ ہاں یقین جانیں آپ مجھ سے روٹھے ہوئے ہیں اور میں آپ سے رنجیدہ ہوں۔ پروفیسر نور احمد ثاقب اپنا روحانی باپ تلاش کرتے کرتے دوسری دنیا میں چلا گیا ہے۔ پروفیسر عمر حیات سیال اور میں اپنا بڑا بھائی گم کیے بیٹھے ہیں۔ پروفیسر عمر حیات سیال نے پہلے دن یہ کہہ دیا تھا کہ جناب ہم نے آپ کے پرنسپل بننے کی دعائیں نہیں مانگی تھیں۔

یاد رہے جب آپ پرنسپل بنے اور سب لوگوں نے آپ کو مبارکباد دی تو انتہائی قریبی ساتھی ہونے کے باوجود پروفیسر عمر حیات سیال نے کہا تھا کہ بھائی میں تو یہ دعا تو مانگا کرتا تھا کہ آپ فل پروفیسر بن جائیں کہ آپ اس کے مستحق ہیں لیکن یہ دعا نہیں مانگی تھی کہ آپ پرنسپل بن جائیں۔ حالانکہ بطور پرنسپل آپ کی صلاحیتوں پر کسی شک کا اظہار تھا نہ ہی کسی قسم کے حسد یا طنز کی بات تھی بلکہ ایک گونہ خوشی بھی تھی بات صرف اتنی تھی کہ ہماری صحبت ہمیشہ صرف علمی گفتگو پر مبنی ہوتی تھی جو تا دیر جاری رہتی تھی۔ پروفیسر بننے کی دعا دل کی آواز اور آپ کی علمی صلاحیتوں کا اعتراف تھی۔ پرنسپل کا خیال آتے ہی یہ احساس جاگ اٹھا تھا کہ آپ اپنی انتظامی مصروفیات کے باعث اور خوشامدیوں میں گھر جانے کے باعث ہم سے جدا ہو جائیں گے کیونکہ ایسا ہوتا ہے اور ہو کر رہا۔

میں تو اب بھی یہی دعا کرتا ہوں کہ جس پردہ کے پیچھے ہماری اصل پونجی گم ہو گئی ہے کوئی ایسا وقت آئے کہ یہ پردہ ہٹ جائے تا کہ ہم اپنی اصل پونجی کی طرف جھپٹ پڑیں۔

Marfat.com

ہمہ صفت موصوف

محمد شفیع ہمدم

غالباً 1964ء میں مجھے شاعری کا شوق پیدا ہوا تو میں سامع کی حیثیت سے جھنگ کے مشاعروں میں شرکت کرنے لگا، دو ایک سال ہی میں خود بھی شعر کہنے لگا اور مشاعروں میں اپنا کلام سنانے لگا۔ ان دنوں جھنگ کی ادبی فضا اپنے پورے جوبن پر تھی۔ جعفر طاہر، شیر افضل جعفری، غلام محمد رنگین، رام ریاض، طاہر سردھنوی، آغا نوبہار علی خان، بیدل پانی پتی، احمد تنویر، شارب انصاری، صفدر سلیم سیال، معین تابش اور دیگر بہت سے شعراء مشاعروں کی رونق بڑھا رہے تھے۔ پروفیسر حیات خان سیال اگرچہ شاعر نہ تھے مگر مشاعروں میں بڑی پابندی سے شرکت کرتے تھے۔ جھنگ کے معروف صحافی اور ادیب بلال زبیری مرحوم بھی کبھی کبھار ان مشاعروں میں شریک ہو جایا کرتے تھے۔ پروفیسر سمیع اللہ قریشی کا نام بحیثیت نقاد، شاعر اور افسانہ نگار کے میں نے سنا ہوا تھا۔ وہ مشاعروں میں بہت کم شریک ہوا کرتے تھے۔ اس لیے ملاقات کا کبھی اتفاق نہ ہوا۔

ایک دفعہ پروفیسر عبدالباری عباسی کے ہمراہ گورنمنٹ کالج جھنگ جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں پروفیسر سمیع اللہ قریشی سے مجھے پہلی ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ کافی دیر تک مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔ پھر مجھے معلوم ہوا کہ قریشی صاحب کا مطالعہ بہت وسیع ہے اور وہ تقریباً ہر موضوع پر بڑے اعتماد کے ساتھ گھنٹوں بول سکتے ہیں وہ اگرچہ اسلامیات کے پروفیسر ہیں مگر اردو، پنجابی اور انگریزی ادبیات پر بھی گہری نظر رکھتے ہیں۔

وہ فنِ تقریر سے بھی بخوبی واقف ہیں۔ تقریر کرتے وقت وہ کبھی جذباتی نہیں ہوتے اور

Marfat.com

نہ ہی پیشہ ور مقرروں کی طرح ڈائس پر مکے مار مار کر چیختے چلاتے ہیں بلکہ وہ سٹیج پر بھی اسی طرح بولتے ہیں جیسے دوستوں میں بیٹھے باتیں کر رہے ہوں مگر ان کی باتوں میں اتنا اثر ہوتا ہے کہ ہر شخص کو اپنے دل کی گہرائیوں میں اترتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ واقعی دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔

وہ اپنی تحریروں کو دوراز کار تشبیہات، استعارات اور تلمیحات سے نہیں سجاتے اور نہ ہی عربی اور فارسی کے بھاری بھرکم الفاظ کا بے دریغ استعمال کرتے ہیں۔ ان کی تحریریں سادہ، رواں، بے ساختہ اور دلنشین ہوتی ہیں مگر سادگی میں وہ پرکاری ہوتی ہے کہ جس پر ہزاروں رنگین عبارتیں قربان کی جاسکتی ہیں۔

سمیع اللہ قریشی مضبوط اعصاب کے مالک ہیں۔ بڑی سے بڑی آزمائش اور دشواری میں بھی ان کے قدم نہیں ڈگمگاتے۔ وہ ہر آزمائش اور دشواری کا بڑے حوصلے، صبر، جواں مردی اور ہمت سے مقابلہ کرتے ہیں۔ گورنمنٹ کالج جھنگ میں وہ تقریباً چھ برس تک بطور پرنسپل فرائض منصبی ادا کرتے رہے۔ ظاہر ہے کہ اتنے بڑے کالج کے سربراہ کو بہت سی آزمائشوں اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے چنانچہ وہ بھی کئی کٹھن مراحل سے گزرے مگر مصائب اور مشکلات سے گھبرا کر کبھی گھٹنے نہیں ٹیکے۔

پروفیسر سمیع اللہ قریشی نے ایک علمی اور ادبی گھرانے میں آنکھ کھولی۔ بچہ اپنے گھر کے ماحول سے جو اثر قبول کرتا ہے اس کا اثر اس کی شخصیت پر بہت گہرا ہوتا ہے کیونکہ انہیں بچپن ہی سے علمی و ادبی ماحول میسر آ گیا تھا چنانچہ بچپن کے یہ اثرات وقت کے ساتھ ساتھ ان کی شخصیت پر مزید گہرے ہوتے چلے گئے۔ اس زمانے میں بھی ان کے گھر میں عالمگیر، خیام، ادب لطیف زمانہ، شاہکار اور ادبی دنیا جیسے ادبی رسائل آیا کرتے تھے چنانچہ وہ چوتھی جماعت ہی سے ادبی دنیا اور ادب لطیف جیسے ادبی رسائل کا مطالعہ کرنے لگے اور ہائی سکول کی تعلیم کے دوران انہوں نے مخزن اور ماہ نو جیسے ادبی رسائل خرید کر پڑھنا شروع کر دیئے تھے۔

سمیع اللہ قریشی ایک اچھے نقاد اور محقق ہیں۔ انہیں تحقیق سے جنون کی حد تک دلچسپی ہے۔

Marfat.com

وہ اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود تحقیق کے لیے ضرور وقت نکال لیتے ہیں وہ جب گورنمنٹ کالج جھنگ میں پرنسپل تھے تو ان کی مصروفیات بے حد بڑھ گئی تھیں مگر ان تمام تر مصروفیات کے باوجود ملک کے رسائل وجرائد میں ان کے تحقیقی اور تنقیدی مقالات باقاعدگی سے شائع ہوتے رہے تھے۔ انہیں بہت سے تحقیقی مقالات پر انعامات سے بھی نوازا گیا۔

ایرانی انقلاب پر اصفہان یونیورسٹی نے جب دنیا بھر کو یہ دعوت دی کہ وہ اپنا نقطہ نظر پیش کریں تو دنیا بھر سے مختلف زبانوں میں 480 مقالات پیش کیے گئے۔ آٹھ منتخب مقالات میں سے ایک مقالہ پروفیسر سمیع اللہ قریشی کا تھا۔ ان کے تحقیقی مقالے کا عنوان تھا۔ ''انقلاب ایران نہ شرقی نہ غربی۔'' یہ مقالہ ایران میں شائع بھی ہوا۔ جس پر یونیورسٹی کی طرف سے ان کے خرچے پر ایران کے دورہ کی دعوت دی گئی مگر بعض مجبوریوں کی وجہ سے وہ ایران نہ جا سکے۔

1981ء میں نیشنل کونسل آف سائنس اسلام آباد کی طرف سے فکر اقبال میں سائنس کا مقام کے موضوع پر تحقیقی مقالات لکھنے کی دعوت دی گئی۔ چنانچہ انہوں نے بھی اپنا مقالہ ارسال کیا اور ان کا مقالہ اول قرار پایا۔ ایک بڑے ہال میں سائنس دانوں کے درمیان انہیں انعام سے نوازا گیا۔ حکومت ایران کی جانب سے دیئے گئے تحقیقی مقالے کا عنوان تھا۔ ''اقبال اور استعمار'' ان کا یہ مقالہ بھی اول قرار دیا گیا۔ ایک تقریب جو الحمراء لاہور میں منعقد ہوئی تھی وہاں انہوں نے جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال کے ہاتھوں سے انعام وصول کیا۔ ان کے مقالے ساڈی سوہنی دھرتی پر بھی انہیں اول انعام سے نوازا گیا اور یہ مقابلہ کتابی شکل میں بھی شائع ہوا اور سرگودھا بورڈ نے سائنس کی ایک کتاب کے طور پر انہیں اس پر انعام دیا۔

1981ء میں وفاقی وزارت قانون کے تحت اسلام آباد میں منعقد ہونے والی انٹرنیشنل کانفرنس آف مسلم سکالرز میں انہوں نے شرکت کی۔ جس میں دنیا بھر کے نمائندہ مسلمان سکالرز شریک ہوئے تھے۔ وہاں انہوں نے جو مقالہ پیش کیا اس کا عنوان تھا۔

''چودہ صدیوں میں مسلمان قومیتوں کی صنعت پارچہ بافی کی تاریخ۔'' جس پر انہیں دوسرے مسلم سکالرز کے ساتھ تمغۂ ہجرہ عطاء کیا گیا۔

Marfat.com

سمیع اللہ قریشی کو ہیر کے دیس جھنگ سے بڑی والہانہ محبت وعقیدت ہے۔ وہ سروس کے سلسلہ میں جھنگ تشریف لائے اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ انہوں نے جھنگ کے بارے میں بہت سے تحقیقی مقالات لکھے جو جریدہ سہ ماہی صحیفہ میں شائع ہوتے رہے۔ اب جھنگ کے بارے میں ان کی ایک کتاب بھی انشاء اللہ بہت جلد منظر عام پر آنے والی ہے۔ اس کے علاوہ وہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی اپنے مقالات جمع کر چکے ہیں۔ جو سیرت نبویؐ کے منہاج کے نام سے شائع ہو گئے ہیں۔

سمیع اللہ قریشی کے صرف حوصلے ہی جوان نہیں ہیں۔ وہ جسمانی طور پر بھی بہت صحت مند اور تندرست ہیں ساٹھ سال کے پیٹے میں ہونے کے باوجود وہ اپنی عمر سے خاصے کم دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی تیزی، طراری، چستی اور پھرتی کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ابھی تک ان کے جسم میں جوان اور گرم خون گردش کر رہا ہو۔ ان کی حرکات وسکنات سے کمزوری اور نقاہت کا احساس تک نہیں ہوتا۔

قریشی صاحب ایک اچھے منتظم، شفیق باپ، مہربان استاد، ایک مثالی شوہر، ایک ہمدرد اور مخلص دوست ہیں۔ ان کی تربیت ایسے خطوط پر ہوئی ہے کہ ان کی شخصیت میں عجز وانکساری کے ساتھ ساتھ انا اور خودداری کا حسین امتزاج پیدا ہو گیا ہے۔ وہ ایک محبت کرنے والے انسان ہیں۔ انہوں نے کبھی کسی انسان کو نفرت اور حقارت کی نظر سے نہیں دیکھا۔ وہ سب سے بڑے خلوص، محبت اور گرم جوشی سے ملتے ہیں۔

یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ پروفیسر سمیع اللہ قریشی جیسی علمی وادبی شخصیت جھنگ میں ہمارے درمیان موجود ہے۔ جس سے ہم استفادہ کر کے اپنی شخصیت اور فن میں مزید نکھار پیدا کر سکتے ہیں۔

Marfat.com

استاد معظم

ڈاکٹر محمد اسلم ضیاء

پروفیسر سمیع اللہ صاحب۔ علم وذہانت کی وجہ سے خاص وقار رکھتے ہیں، روشن خیال دانشور، محنتی اور شفیق استاد، نامور محقق، فاضل مقرر، ماہر تعلیم، اچھے منتظم، نہایت مہذب اور شائستہ انسان ہیں۔ خشکی و بے کیفی سے مبرا، کبروغرور سے دور، بے تکلف دوستوں کی محفل میں بلبل ہزار داستاں، وفاداری بشرط استواری کے قائل، کتب ورسائل کے شوقین، مذہب کی طرف، غیر روایتی رویہ رکھتے ہیں۔ گفتار ورفتار، کردار ومزاج، لباس ومعاشرت میں ایک وضع داری ہے۔ اس قدر شگفتگی خوش اخلاقی ویگانگت سے پیش آتے ہیں کہ آپ کی عظمت کا قائل ہونا پڑتا ہے، آپ کی شخصیت، جدت وقدامت کا سنگم ہے۔

استادِ محترم کا نام، میں نے اس وقت سنا، جب میں 1967ء میں گورنمنٹ کالج جھنگ میں داخل ہوا۔ موصوف نہ صرف کالج میں بلکہ شہر کے علمی وادبی حلقوں میں شہرت حاصل کر چکے تھے، آپ کے مقالات بلند پایہ رسائل میں چھپتے تھے۔ بی۔ اے میں مجھے آپ کے باقاعدہ شاگرد ہونے کا شرف حاصل ہوا، پانچ سال، آپ کے ماتحت رہ کر بھی کام کیا۔ گاہے گاہے مجھے آپ کے دولت کدہ پر بھی جانے کا اتفاق ہوا۔ مختلف علمی وادبی مسائل پر گفتگو کرنے اور مستفید ہونے کا موقع ملا۔ مجھے آپ کی تحریر وتقریر نے بہت متاثر کیا جسے طبیعت کا خلوص، دلنشیں اور پرتاثیر بنا دیتا ہے اور میں جناب کی شخصیت کا گرویدہ ہوتا چلا گیا۔ آپ کی تقریر سن کر

Marfat.com

غالب کا شعر بے ساختہ یاد آ جاتا ہے۔

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

گفتگو سے، آپ کی شخصیت کے وقار، تجربے کی وسعت اور فکر کی گہرائی کا احساس ہوتا ہے جب بات کرتے ہیں تو ایسا لگتا ہے جیسے شیر و شکر کا لازوال چشمہ سامنے ہے علمی گفتگو، کثرت معلومات کا خزینہ، آپ کی ہم نشینی سے جو قیمتی معلومات حاصل ہوتی ہیں وہ بہت سی کتابوں کے مطالعے سے بھی نہیں ملتیں۔

آپ طالب علموں کو اپنی متاع عزیز سمجھتے ہیں ہونہار اور باصلاحیت نوجوانوں کی تربیت کا خاص ملکہ رکھتے ہیں اپنی جوہر شناس نگاہوں سے لائق اور ذہین طلباء کو منتخب کر کے، ان کی علمی رہنمائی بڑی شفقت اور توجہ کے ساتھ کرتے ہیں، آپ کی خواہش رہتی ہے کہ شاگردوں کی علمی سطح بلند ہو۔ وسعت مطالعہ کے لیے، کتاب کی سفارش فرماتے، براہ راست کسی طالب علم کی حوصلہ شکنی نہ کرتے، کمزور طلباء کو خصوصی توجہ دیتے اور زبان کی صحت کا شعور اجاگر کرتے ہیں۔

کتنے ذرے اس خورشید تاباں کی شعاعوں سے چمک اٹھے، اہل جھنگ کی تہذیب میں آپ کا حصہ قابل قدر ہے۔

موصوف علمی و ادبی مزاج کے حامل ہیں۔ اچھے شاعر ہیں، میں نے آپ کو مشاعرہ پڑھتے اور داد سمیٹتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔ برجستہ اور برموقع اشعار کا استعمال خوب کرتے ہیں۔ کثرت مطالعہ اور تلاش و تحقیق آپ کی شخصیت کے خاص جوہر ہیں، سنجیدگی اور خاموشی سے کام کرتے ہیں، شدید حالات میں بھی آپ کا مطالعہ اور تعلیمی و تحقیقی کام جاری رہا۔ کلاسیکی سرمائے پر گہری نظر ہے۔ عربی ادب میں، معلقات اور حماسہ سے متاثر ہیں۔ سعدی و حافظ، غالب و اقبال، غلام فرید و وارث شاہ کے عاشق ہیں۔ علوم اسلامی بالخصوص سیرت، مطالعات

Marfat.com

پاکستان وقائداعظم اور آثار جھنگ سے خصوصی دلچسپی ہے۔ جدید اردو معاصر شعراء کا اچھا مطالعہ ہے۔قرۃ العین حیدر، آپ کی پسندیدہ ناول نگار تنقید میں ممتاز شیریں اور جیلانی کامران سے متاثر ہیں۔فیض وراشد، مجید امجد اور جعفر طاہر سے خصوصی لگاؤ ہے۔ معاصر شعراء میں مصطفیٰ زیدی، ناصر کاظمی، منیر نیازی اور قتیل شفائی کو سراہتے ہیں۔

متعدد علمی وادبی کانفرنسوں میں شرکت کی، ادبی جلسوں کی صدارت فرمائی، آپ کے مقالات، علمی حلقوں سے داد تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ سیرت، غالب واقبال پر آپ کی کتابیں، پسندیدگی کی نظر سے دیکھی گئیں۔

آپ، ساٹھ سال کامیاب اور فعال زندگی گزارنے کے بعد ریٹائر ہو رہے ہیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ جل شانہ آپ کو صحت وسلامتی سے رکھے تا کہ آپ علمی کاموں کے ذریعے، اہل ادب کو کچھ نہ کچھ دیتے رہیں۔

Marfat.com

بنائے محبت

منظور الٰہی

آخری مارشل لا کے ابتدائی ایام تھے جب لاہور کے مختلف کالجوں کے لگ بھگ چالیس اساتذہ کو حکومت کے لیے ''خطرناک'' تصور کرتے ہوئے پنجاب کے دورافتادہ علاقوں میں تبادلے پر بھیج دیا گیا۔ راقم کو حاکموں نے جھنگ کے گورنمنٹ انٹر غزالی کالج کے لیے موزوں سمجھا۔ یہ کالج اس وقت تین کمروں پر مشتمل کرائے پر لی گئی ایک نہایت بوسیدہ عمارت میں قائم تھا۔ چھٹیوں کے بعد میں نے جھنگ صدر میں ایک مکان کرائے پر لیا اور بچوں کو ایک مقامی سکول میں داخل کر دیا۔ آہستہ آہستہ بچوں کو اسکول میں نئے دوست مل گئے۔ بیوی گھر کے کاموں میں مصروف ہو گئی مگر میں جس نے زندگی کا بڑا حصہ لاہور میں گزارا تھا تنہائی اور لاہور سے دوری کی بنا پر ڈپریشن کا مریض بن گیا۔ زندگی میں پہلی بار نیند آور گولیوں کا استعمال کیا۔ کالج کی بوسیدہ عمارت دیکھتے ہی دل ڈوبنے لگتا اور مجھے ہر وقت یہ خوف دامنگیر رہتا کہ میں آہستہ آہستہ ذہنی توازن کھو رہا ہوں۔ ڈاکٹر سے اس کا ذکر کیا تو اس نے رات کے لیے نیند آور گولیوں کے علاوہ دن کے لیے سکون آور گولیاں بھی نسخے میں شامل کر دیں۔ ایک روز میں اور اردو کے ایک نوجوان لیکچرار اسلم ضیا درختوں کی چھاؤں میں بیٹھے اپنے پیریڈ کا انتظار کر رہے تھے کہ باتوں باتوں میں پروفیسر سمیع اللہ قریشی کا ذکر بھی آیا۔ قریشی صاحب ان دنوں گورنمنٹ کالج جھنگ میں اسسٹنٹ پروفیسر تھے اور اسلم ضیا اپنے ڈاکٹریٹ کے مقالے کی

Marfat.com

تیاریوں میں شب روز مصروف رہتے۔ میں نے اسلم ضیا سے پوچھا کہ وہ جھنگ جیسے چھوٹے شہر میں اپنے مقالے کے لیے کتابیں اور دیگر مواد کہاں سے حاصل کرتے ہیں تو انہوں نے کہا۔

''ویسے تو پنجاب یونیورسٹی نے عبادت بریلوی کو میرا گائیڈ مقرر کر رکھا ہے جن سے گاہے ماہے ملاقات رہتی ہے مگر میں فوری اور مقامی طور پر رہنمائی کے لیے پروفیسر سمیع اللہ قریشی صاحب کی خدمت میں حاضر ہو جاتا ہوں۔ وہاں سے نہ صرف مجھے بہت سی کتابیں مل جاتی ہیں بلکہ وہ کچھ بھی مل جاتا ہے جو ایک محقق کو لائبریروں میں مہینوں کی محنت کے بعد بھی میسر نہ آ سکے۔ اسلم ضیا سے میں نے قریشی صاحب کے گھر کا پتہ معلوم کیا اور اسی شام بغیر کسی اطلاع کے ان کے ہاں جا پہنچا۔ ان کے بڑے بیٹے منصور نے نام اور کام کی نوعیت پوچھے بغیر ڈرائنگ روم کھول کر مجھے بٹھا دیا۔ یہاں پر سب سے پہلے جس چیز پر میری نظر پڑی وہ سامنے دیوار پر خوبصورت فریم میں یہ شعر تھا:

دل دی تاکی کھول کے باہر وی جھاتی پا
ساہ نہ تیر اپی لوے اندر والا ھم

وہاں بیٹھے بیٹھے مجھے احساس ہوا کہ میرے دل کی کھڑکی کسی وجہ سے بند ہو چکی ہے اور اندر کے ''ہم'' یعنی حبس نے مجھے ڈپریشن کا مریض بنا دیا ہے۔ اسی سوچ میں تھا کہ سانولی رنگت، دلکش مسکراہٹ اور موٹے شیشوں والی عینک لگائے ایک شخص اندر آیا۔ میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''آپ سمیع اللہ قریشی؟'' میں نے پوچھا۔

''جی ہاں اس فقیر کا یہی نام ہے اور آپ پروفیسر منظور الٰہی ہیں اور لاہور سے تبدیل ہو کر ہمارے شہر میں آئے ہیں اور ان دنوں بے حد اداس بلکہ غمگین رہتے ہیں۔ کیا میں نے غلط کہا۔''

''جی نہیں آپ نے بالکل صحیح فرمایا مگر پہلے مجھے یہ بتائیں کہ آپ نے یہ کیسے جانا کہ میرا

Marfat.com

نام منظور الٰہی ہے اور میں......"

ایک شرارت آمیز معصوم سی مسکراہٹ قریشی صاحب کے چہرے پر نمودار ہوئی۔

"ہم اپنے قبیلے کے لوگوں کو بغیر تعارف اور ملاقات کے پہچان لیتے ہیں۔"

میں نے پوچھا "قریشی صاحب کا کون سا قبیلہ ہے۔"

جواب تھا "جو آپ کا ہے۔"

میں نے کہا "میں تو قریشی نہیں بلکہ سیدھا سادا جٹ ہوں۔"

قریشی صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا: "چوہدری صاحب یہ برادریاں اور ذاتیں پرانی باتیں ہیں۔ میں اس قبیلے کی بات کر رہا ہوں جس کے کئی نام ہیں۔ کوئی انہیں اہل دل کہتا ہے کوئی اہل درد۔ کچھ لوگ انہیں اہل عشق کے نام سے یاد کرتے ہیں...... مگر ایک بات طے ہے جس معاشرے یا ملک میں یہ لوگ نہ رہیں تو وہاں قحط پڑ جاتا ہے۔"

میں نے کہا "مگر قریشی صاحب دمشق کے قحط نے تو عشق کا بھرکس نکال دیا تھا۔"

چناں قحط سالے شد اندر دمشق
کہ یاراں فراموش کردند عشق

قریشی صاحب نے کہا "بات دراصل یہ ہے کہ غلے کے قحط سے بہت پہلے عشق کا قحط پڑ چکا تھا اور شاعر نے یہ سمجھا کہ قحط نے عشق بھلا دیا ہے جس طرح خالی گھروں پر بھوت قبضہ کر لیتے ہیں اسی طرح عشق سے خالی معاشروں پر طرح طرح کی بلاؤں کا نزول شروع ہو جاتا ہے۔ فرقہ وارانہ فساد، نفرت، قتل و غارت، ہوس و حسد جیسی بلائیں زمین ہموار کرتی ہیں۔ پھر اس زمین سے بھوک، بیماری اور افلاس اگتا ہے۔"

میں نے قریشی صاحب کو اکسانے اور بات کو ذرا طول دینے کے لیے کہا مگر قریشی صاحب غالب تو آپ کی بات سے متفق نہیں لگتا کہتا ہے:

Marfat.com

بلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گل
کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا

قریشی صاحب نے برجستہ کہا مگر غالب یہ بھی تو کہتا ہے:

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزہ پایا
درد کی دوا پائی درد لا دوا پایا

''تو پھر قریشی صاحب سچ کس شعر میں ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''غالب دونوں شعروں میں سچی بات کہہ رہا ہے۔ جب بلبل نے عشق کی بجائے کاروبار شروع کر دیا تو پھر یہ دماغ کا خلل نہیں تو کیا ہے۔''

اس دوران ان کی بیگم چائے لے کر آئیں اور واپس جاتے ہوئے تاکیداً کہہ گئیں کہ عشق پر گرم گرم بحث کے دوران چائے ٹھنڈی نہ ہو جائے۔

واپسی کی اجازت سے پہلے میں نے قریشی صاحب سے پوچھا۔

''اچھا تو قریشی صاحب اب مجھے جھنگ میں کیا کرنا ہوگا۔''

قریشی صاحب نے کہا ''وہی کچھ جو آپ لاہور کے کالج میں کرتے رہے ہیں۔ یہاں کے طلباء انگریزی میں کمزور ہوتے ہیں۔ انہیں پورے ذوق وشوق بلکہ جوش وخروش سے انگریزی پڑھائیں۔ ان کے دل جیتیں یہ محبت کرنے والے لوگوں کا شہر ہے انہیں محبت کے اظہار کا موقعہ تو دیں۔''

میں اجازت لے کر باہر نکلا تو قریشی صاحب ریلوے پھاٹک تک خدا حافظ کہنے آئے۔ پتہ نہیں قریشی صاحب کی باتوں کا اثر تھا یا کیا میں جھنگ کے آسمان کو پہلی بار غور سے دیکھا تو مجھے ایسے محسوس ہوا جیسے ستارے غیر معمولی طور پر روشن ہیں اور بلندیوں سے نیچے اتر آئے

Marfat.com

ہیں۔ چلتے چلتے مجھے میاں محمد کا شعر یاد آیا۔

دردمنداں دے سخن محمد دین گواہی حالوں
جس کنی پھل بدھے ہوون آوے مشک رومالوں

جھنگ میں میرے سات سالہ قیام کے دوران ہی نہیں بلکہ آج تک جبکہ مجھے جھنگ کو خیر باد کہے گیارہ سال گزر چکے ہیں میں نے ان کی محبت بھری باتوں کو حرز جان بنا رکھا ہے۔ ان سے پہلی ملاقات کے بعد میں نے اپنی اداسی کو الوداع کہا اور ان کے مشورے کے مطابق دلجمعی سے اپنے طلباء پر توجہ دینی شروع کی۔ طلباء پر بھی اس کا خاطر خواہ اثر ہوا اور پہلے سے کہیں زیادہ پڑھائی میں دلچسپی لینے لگے۔ ایک دن کلاس میں ایک نظم پڑھاتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ طلباء کی نظریں میرے چہرے کی بجائے چھت کی جانب ہیں۔ میں نے اوپر دیکھا تو میرے سر کے عین اوپر چھت کی کڑیوں کے درمیان ایک چوہے کی دم لٹک رہی ہے مگر چوہا نظر نہیں آرہا۔ اب مجھے طلباء کی کھسر پھسر اور دبی دبی ہنسی کی وجہ سمجھ میں آئی۔ میرے پوچھنے پر طلباء نے بتایا کہ یہ چوہا اکثر انگریزی کے پیریڈ میں وہاں آتا رہا ہے۔ اس مرتبہ کافی دیر بعد حاضری دی ہے ایک طالب علم نے کہا۔

"سر جی میرا بڑا بھائی چار سال پہلے اسی کالج میں پڑھتا تھا وہ بتاتا ہے کہ یہ چوہا اس وقت بھی انگریزی کے پیریڈ میں آتا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ اس چوہے نے اسے انگریزی میں فیل کرایا۔ ورنہ اس نے اب تھانے دار ہونا تھا۔ سر جی اگر آپ اجازت دیں تو ہم اسے مار دیں۔"

میں نے کہا "ٹھیک ہے کوشش کر دیکھو۔"

میری اجازت ملتے ہی لڑکوں نے دروازے بند کر لیے ایک طالب علم نے میز پر چڑھ کر ایک چھڑی سے چوہے کو دھکیل کر نیچے گرا دیا۔ اس کے ساتھ ہی کوئی سیر بھر مٹی کچھ اس طرح گری کہ میرا سر سر چہرہ اور قمیض یک رنگ یعنی خاستر ہو گئے۔ چوہا میز سے چھلانگ لگا کر ایک

Marfat.com

کرسی سے دوسری کرسی پر جاتا اور طلباء نشانے باندھ باندھ کر اس پر اپنے جوتوں کے راکٹ چلاتے۔ اس نے کئی بار دیوار پر چڑھ کر دوبارہ چھت پر جانے کی کوشش بھی کی۔ مگر کوئی نہ کوئی جوتا اسے دوبارہ زمین پر گرا دیتا۔ اسی مارا ماری میں کرسیاں الٹ گئیں اور کمرہ دھول سے بھر گیا۔ آخر ایک پشاوری چپل کا وار کارگر ثابت ہوا اور چوہا مارا گیا۔ دروازہ کھلنے پر طلباء اپنے استاد کی ہیت کذائی دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے میں ایک صاف ستھرے لباس والا وضع دار سا انسان تھا مگر پھر یک بیک ایک تارک الدنیا ملنگ بن گیا۔ میں نے اپنی اوندھی کرسی کو سیدھا کیا اور اس پر بیٹھ گیا۔ جس کمرے میں پہلے مارو مارو کا شور تھا اس کے درودیوار قہقہوں سے گونجنے لگے۔ ان قہقہوں میں کھانسی، آنسو، محبت واحترام سب گڈمڈ ہو گئے تھے۔ جب یہ طوفان تھما تو چند طلباء جلدی واپس آنے کا کہہ کر کلاس سے باہر چلے گئے واپس آئے تو ان کے پاس ایک نیا تولیہ اور ایک نئی صابن کی ٹکیہ تھی۔ پھر ہینڈ پمپ کے نیچے کھڑا کر کے انہوں نے میرا سر دھلایا۔ تولیے سے سر کے بال خشک کیے۔ کہیں سے کنگھا بھی آ گیا۔ غرض میں ایک بار پھر ملنگ سے آدمی جون میں واپس آ گیا۔

اسی شام قریشی صاحب کے ہاں پہنچا انہیں ساری روئیداد سنائی وہ ''سبحان اللہ''۔ ''واہ''، ''خوب'' کہہ کر یہ داستان سنتے رہے پھر کہا ''چوہدری صاحب ایسا خوبصورت ۔اقعہ کسی بڑے شہر کے بڑے کالج می کبھی نہیں ہوسکتا۔ جس طرح پینسلین کی دریافت کسی بے حد صاف ستھری لیبارٹری میں ممکن نہ تھی۔ میں سمجھتا ہوں لوگوں کے دلوں میں محبت کی دریافت کسی نئے براعظم یا نئے سیارے کی دریافت سے زیادہ بڑا معرکہ ہے۔

جھنگ میں میرے سات سالہ قیام کے دوران کچھ سخت مقام بھی آئے مگر قریشی صاحب کی محبت کے سہارے میں ہر مقام سے بخریت وسلامت گزرتا چلا گیا۔ میرے اپنے کالج کی چھوٹی سی لائبریری میں کتابیں چند سو سے زیادہ نہ تھیں۔ مجھے جب بھی کسی کتاب کی ضرورت ہوئی میں قریشی صاحب کی ذاتی لائبریری سے بے دریغ اور اکثر بغیر پوچھے اٹھا لاتا۔ جب

Marfat.com

رات کو پڑھتے پڑھتے آنکھیں تھک جاتیں تو کانوں میں ائیرفون لگا کر کہ بیوی اور بچوں کی نیند خراب نہ ہو ریڈیو پر موسیقی اور خبریں سنتا۔ سردیوں کی ایک یخ بستہ رات تھی اور میں ائیرفون لگائے ریڈیو کی سوئی دائیں بائیں کر رہا تھا کہ ہندوستان کے کسی سٹیشن سے آواز آئی...... کی آواز میں غزل سماعت فرمائیے۔ غزل کس کی تھی اور آواز کس کی سوئی گھماتے ہوئے الفاظ کٹ گئے تھے۔ مطلع تھا۔

''سایہ کوئی لہرائے تو لگتا ہے کہ تم ہو''

ساری رات رنگ رنگ کے سائے کبھی سوتے کبھی جاگتے روشنی دیتے رہے اور گانے والی کی آواز کا شعلہ لپکتا رہا۔ دوسرے دن شام کو گزشتہ رات کی واردات کا قصہ سنانے قریشی صاحب کے ہاں گیا۔ معلوم ہوا وہ کسی کام کے سلسلے میں گھر سے باہر ہیں۔ میں ڈرائنگ روم میں انتظار کرنے لگا۔ جب وہ آئے تو رات پڑ چکی تھی۔ ابھی علیک سلیک ہی ہوئی تھی کہ بتی چلی گئی اور گھپ اندھیر چھا گیا۔ قریشی صاحب کے گھر میں فرنیچر کم اور کتابیں زیادہ تھیں۔ باورچی خانے اور غسل خانے کو چھوڑ کر ہر کمرے میں فرش سے چھت تک چھوٹے بڑے شلفوں پر کتابیں ہی کتابیں نظر آئیں۔ میں نے اس اندھیرے میں باتوں کی بتی جلانے کے لیے رات والی غزل کا مطلع پڑھا۔ تو قریشی صاحب نے لگ بھگ ساری غزل زبانی سنا دی۔ کہنے لگے۔

''یہ جان نثار اختر'' کی خوبصورت غزلوں میں سے ایک ہے۔''

میں نے پوچھا ''کہیں سے اس شاعر کا مجموعہ کلام مل سکتا ہے۔''

کہنے لگے ''ابھی آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔''

اٹھ کر دوسرے کمرے میں جانے لگے تو میں نے کہا۔

''بتی تو آنے دیں۔ اس اندھیرے میں تو ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا۔''

کہنے لگے ''مگر ہاتھ کو کتاب سجھائی دے جاتی ہے۔''

Marfat.com

چند لمحوں میں کتاب لا کر میز پر رکھ دی۔

اس مضمون میں میں نے عمداً قریشی صاحب کے علمی اور تحقیقی کارناموں کا ذکر نہیں کیا۔ تحریک پاکستان اور حیات قائداعظم پر ان کی تصنیفات ملک کے نامور قائدین اور علماء سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ علامہ اقبال پر ان کا تحقیقی کام مستقبل کے محقق کے لیے گراں قدر سرمایہ ہے۔ لگ بھگ سولہ سال بعد میں نے جھنگ میں گزارے سات سالوں کی یادوں کو قریشی صاحب کے حوالے سے آواز دی ہے۔ اس عرصے میں خدا معلوم کتنا پانی پلوں کے نیچے سے گزر چکا ہے کئی پل تو آج خستہ حال اور ویران کھڑے ہیں کہ ان کے نیچے بہنے والے پانی وقت کے صحرا میں جذب ہو کر ہمیشہ کے لیے غائب ہو چکے ہیں۔ نہ دریاؤں کو دوام ہے نہ پلوں کو مقام۔ بس ایک دریا جو سدا رواں دواں رہے گا محبت کا دریا ہے۔ سمیع اللہ قریشی کا دل بھی ایک ایسا ہی دریا ہے۔ آخر میں قریشی صاحب کا پسندیدہ شعر بھی جسے وہ روح دیوان حافظ کہتے ہیں۔ سن لیں۔

خلل پذیر بود ہر بنا کہ مے بینی
بجز بنائے محبت کہ خالی از خلل است

Marfat.com

میرا رفیق کار...... میرا پرنسپل

ایس۔ ایم شفیق

تھوڑی دیر کی بات ہے مگر زیادہ دور کی بات نہیں جب پروفیسر صاحب گوجر خان کی اونچی نیچی، ناہموار گھاٹیوں سے اتر کر ''میدان جھنگ'' میں تشریف لائے۔ یہ زمانہ کوئی آج سے تیس بتیس سال پہلے کا ہوگا میں ان سے کوئی دوڈھائی سال پہلے جھنگ گورنمنٹ کالج آ چکا تھا۔ سٹاف روم میں ملاقات ہوئی۔ پہلی ہی ملاقات میں گھل مل گئے۔ نہایت معقول، وضع دار، پروقار لباس میں ملبوس (ہاں وہ سوٹ اور ٹائی بمع سفید قمیض جو کئی سال سے چل رہی تھی اور کئی سال تک چلتے ہوئے دیکھا۔ اب پتہ نہیں اس کا کیا ہوا) سنجیدہ بھی اور باغ و بہار طبیعت کے مالک بھی۔ عین جوانی کے عالم میں۔ ہماری لطیفہ گوئی کی محفل میں جو خالی پیریڈ میں چوہدری یعقوب، چوہدری اکبر اور یہ خاکسار اکثر لگایا کرتے تھے میں شامل ہو کر قابل قدر اضافہ کیا اور خوب رونق لگا کرتی تھی جس کو یاد کر کے اب بھی خوش ہو لیتے ہیں۔ یہ تھا ہمارا پہلا تعلق پھر پروفیسر صاحب اپنی علمی، ادبی، ثقافتی سرگرمیوں میں مصروف ہو گئے۔ پروفیسر ایم اے خان کا زمانہ تھا۔ کالج کی تعمیر نو (سرگرمیوں کے لحاظ سے) ہو رہی تھی۔ پروفیسر صاحب میں پڑھنے پڑھانے، لکھنے سکھانے کا شوق دن بدن ترقی کرتا گیا۔ حتیٰ کہ آپ کا شمار ملک کے نامور دانشوروں میں ہونے لگا۔ آپ نے قومی اور بین الاقوامی سیرت اور سکالرز کانفرنسوں میں شرکت کر کے نہ صرف جھنگ کا نام ہی روشن کیا بلکہ ثواب دارین بھی حاصل کیا۔ پروفیسر

Marfat.com

موصوف ایک بہت اچھے استاد ہونے کے علاوہ ایک شاعر، ادبی محقق، نقاد اور مصنف بھی ہیں۔ ان کے قلم سے متعدد کتب تصنیف ہوئیں۔ لاتعداد طلبہ نے علم کا فیض پایا۔ چند ایک نے پی۔ ایچ۔ ڈی بھی کیا۔ جو ہمیشہ جاری رہے گا انشاء اللہ۔ پروفیسر صاحب کی علمی، ادبی، ثقافتی سرگرمیوں کا احاطہ کرنا میرے بس کی بات نہیں ہے۔ مجھے اپنی اس کم مائیگی کا احساس ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ کھیل کے ساتھ دلچسپی ان کی واضح تھی۔ لہذا انہیں کالج کی کبڈی ٹیم انٹر اور ڈگری دونوں کا انچارج بنا دیا گیا۔ جو انہوں نے خوب نبھایا۔ ہمارے کالج کی ٹیم نے بورڈ اور یونیورسٹی کے مقابلوں میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ مہ و سال گزرتے گئے۔ یہ ہمہ تن اپنے کام میں مصروف اور میں اپنے کام میں مگن۔ گورنمنٹ کالج جھنگ کی تاریخ کو بھاگ لگتے رہے یہ خطہ زمین زرخیز بلکہ مردم خیز تو تھا ہی نم پیدا کرنے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اس علمی درسگاہ نے علمی، ادبی، ثقافتی اور کھیل کے میدان میں فقید المثال کامیابیاں اور کامرانیاں حاصل کیں اور گورنمنٹ کالج جھنگ ان کے دور میں ایک مثالی درسگاہ بن گیا کیونکہ اسی دور میں پانچ ایم۔ اے کلاسز کا اجراء ہوا اور ملک کی اہم شخصیات نے کالج کا دورہ کیا۔

تقریباً ربع صدی کی خوبصورت رفاقت کے بعد پروفیسر موصوف اسی کالج میں بطور پرنسپل تعینات ہوئے۔ اس وقت میری ریٹائرمنٹ میں تقریباً چھ سات سال باقی تھے اور ان کے نو دس سال بحیثیت پرنسپل ان کی علمی، ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں اور صلاحیتوں کا جائزہ لوں تو یہ مضمون بہت زیادہ لمبا ہو جائے گا لیکن میں یہاں پر موصوف کی انتظامی استعداد اور کھیل کی ترویج و ترقی میں دلچسپی سے متعلقہ امور پر ہی کچھ عرض کروں گا۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ قریشی صاحب سے پہلے بڑی بڑی ''قد آور'' شخصیات بطور پرنسپل رہ چکی تھیں۔ جن کی گراں قدر خدمات کو کسی طرح بھی بھلایا نہیں جا سکتا بلکہ وہ جھنگ اور گورنمنٹ کالج جھنگ کے لیے تاریخ ساز بنیں۔ ان کے نام گرامی نہ لینا بڑی بے انصافی ہوگی جن میں پروفیسر ڈاکٹر سید نذیر احمد، پروفیسر ایم۔ اے خان، پروفیسر نصیر الدین

Marfat.com

قریشی، پروفیسر ایم اے سعید، پروفیسر تقی الدین انجم اور پروفیسر جناب عبدالستار چاولہ (مرحوم) پھر ڈاکٹر شعیب کے بعد قریشی صاحب یہ ایک بڑا چیلنج تھا کیونکہ ان تمام حضرات نے کالج کے ترقی کے سفر میں قابل قدر اضافہ کیا تھا اور اتفاق سے قریشی صاحب اور اس راقم الحروف کے پاس ان سب کا تجربہ، خوبیاں اور خامیاں آنکھوں کے سامنے تھیں اور دل میں یہ تمنا اور امنگ تھی کہ تمام سابقہ ریکارڈ بہتر سے بہتر بنائے جائیں اور ارتقاء کے منازل طے کرنے میں ذرہ بھر بھی کمی نہ ہونے پائے۔ چنانچہ مولا کریم نے توفیق دی۔ خوبیاں اور خامیاں ہر انسان میں ہوتی ہیں۔ شروع شروع میں قریشی صاحب نے بہت زیادہ احتیاط اور جھجک سے کام لیا، پھر آہستہ آہستہ ہاتھ کھلتا گیا، پھر وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیئے جن کی مثال نہیں ملتی۔

طلبہ اور طالبات کی عمر، قد اور تجربہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے مختلف گروپوں میں ستر 70 کے قریب یونٹس پہ مشتمل سالانہ کھیلیں کروانا اور چھٹی پوزیشن تک انعام دینا۔ یہ ایک ایسا ریکارڈ ہے جو کوئی تعلیمی ادارہ یا کوئی دوسرا ادارہ، اس کی مثال پیش کرنے سے فی الحال تو قاصر ہے۔ آئندہ کا تو پتہ نہیں۔

چھبیس 26 گیمیں اور انٹر اور ڈگری کی علیحدہ علیحدہ ٹیمیں بنانا تاکہ طلبہ کو اپنی اپنی استعداد کے مطابق اور پسند کے مطابق، جگہ اور موسم کے مطابق اپنے آپ کو صحت مند مشاغل میں مصروف رکھا جاسکے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ یہاں یہ بات بتانا ضروری خیال کرتا ہوں کہ پنجاب یونیورسٹی (21) مختلف کھیلوں کا انعقاد کرتی ہے۔ گورنمنٹ کالج جھنگ نے 20 کھیلوں میں شرکت کی اور Maximum Participatuion کا اعزاز جیتا۔ فیصل آباد بورڈ 14 تا 15 مختلف کھیلوں کا انعقاد کرتا ہے۔ جن تمام میں گورنمنٹ کالج جھنگ کی شمولیت بطریق احسن ایک یقینی امر رہا ہے۔ ضلعی، صوبائی، قومی اور بین الاقوامی کھیلوں میں طلبہ کی شرکت بلاشبہ ایک امتیاز رہا ہے اور ان مقابلوں کا انعقاد گورنمنٹ کالج جھنگ کے میدان کھیل ہی کرتے

Marfat.com

رہے ہیں۔ یہ بات بھی باعث افتخار ہے یہ مختصر سا جائزہ اس بات کی توثیق کر دے گا اور بات واضح ہو جائے گی کہ قریشی صاحب واقعی ایک بڑے منتظم اور سپورٹس کی ترویج و ترقی کے لیے بہت بڑے مدد معاون ہیں بلکہ ان کی ذات ایک Multi Dimentional Pensonality ہے۔ جس کے کئی پہلو ہیں اور اگر Judiciously تجزیہ کیا جائے تو ایسے Man of the Principle کی مدت ملازمت میں توسیع کر کے ہمارے پیارے پاکستان کی تعلیم پر مہربانی کی جائے، میں اسلامیہ کالج، لاہور کے سٹاف اور طلبہ کو مبارکباد کے ساتھ حالی کے ایک شعر کی طرف توجہ دلاتا ہوں:

کھیتوں کو دے لو پانی اب بہہ رہی ہے گنگا
کچھ کر لو نوجوانوں اٹھتی جوانیاں ہیں

کیونکہ قریشی صاحب بھی مستقبل قریب میں ریٹائر ہو رہے ہیں، اس عظیم درسگاہ کو عظیم سے عظیم تر بنانے کے لیے محترم قریشی صاحب کے لیے دعا کے ساتھ اجازت چاہتا ہوں۔

Marfat.com

ہمارے محسن

روایت: باباحاجی احمد بخش
تحریر: راناغلام شبیر

(تقریباً تین سال قبل راقم السطور نے کالج ہذا کے معمر ملازم حاجی احمد بخش سے ملاقات کی اور کالج سے وابستہ ان کی یادوں کو الفاظ کے قالب میں ڈھالا اور مذکورہ تحریر گورنمنٹ کالج جھنگ کے علمی، ادبی مجلہ کارواں کے لیے مجلس ادارت کو دی۔ معلوم ہوا کہ کارواں اشاعت کے آخری مراحل میں ہے جس کی بنا پر ''گورنمنٹ کالج جھنگ کی کہانی'' شامل اشاعت نہ ہو سکی۔ موجودہ شمارہ بھی قدرے تاخیر سے شائع ہو رہا ہے۔ دریں اثناء مایہ ناز سکالر اور نامور ادیب پروفیسر سمیع اللہ قریشی صاحب نے گورنمنٹ کالج جھنگ کے پرنسپل کی حیثیت سے چارج سنبھالا جس کے بعد کالج کی علمی، ادبی اور ہم نصابی سرگرمیوں میں ایک نئی روح پیدا ہوگئی۔ بعد میں حاجی احمد بخش نے بصد اصرار اس بات پر زور دیا کہ ان کی بیان کردہ روایات اور واقعات میں پروفیسر سمیع اللہ قریشی صاحب کے بارے میں ان کے تاثرات بھی شامل کیے جائیں۔ اگرچہ موجودہ شمارہ بھی طباعت کے آخری مراحل میں تھا لیکن ہم ان کی پیرانہ سالی اور کالج سے پینسٹھ سالہ وابستگی اور بے لوث محبت کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے ان کے خیالات حرف بحرف پیش کر رہے ہیں)۔

اواخر 1963ء میں پروفیسر سمیع اللہ قریشی صاحب لیکچرار کی حیثیت سے گورنمنٹ کالج گوجرخان سے تبدیل ہو کر گورنمنٹ کالج جھنگ تشریف لائے۔ ہمارا ان کے ہاں آنا جانا ہوا۔

Marfat.com

میری بیٹی احمد بانو قریشی صاحب کی شاگرد بنی اور اسی کالج سے اس نے گریجویشن کی۔ اس وقت میری بیٹی گریڈ سترہ میں ملازم ہے اور محکمہ تعلیم میں تدریسی خدمات انجام دے رہی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ قریشی صاحب کا میری بیٹی کے مستقبل کی تعمیر اور تعلیمی ترقی میں بہت حصہ ہے، انہوں نے ہر مرحلے پر ہماری مدد کی۔ میرا بیٹا رحمت اللہ گورنمنٹ کالج جھنگ میں لیبارٹری اسسٹنٹ کی حیثیت سے کام کر رہا ہے، وہ قریشی صاحب کے حسن سلوک اور بزرگانہ شفقت کی باتیں گھر سناتا ہے تو فرط شکر اور ماضی کی حسین یادوں کے تصور سے میری آنکھیں چمک اٹھتی ہیں۔ میں جب کالج جاتا ہوں قریشی صاحب مجھ سے کالج کی پرانی باتیں سنا کرتے ہیں اور 1926ء سے لے کر اب تک کے واقعات کے بارے میں مجھ سے پوچھتے ہیں۔

قریشی صاحب کو اس کالج میں خدمات انجام دیتے چھبیس برس مکمل ہو گئے ہیں۔ ان کا وسیع حلقہ احباب ہے۔ ان کے شاگردوں کی کثیر تعداد وطن عزیز میں مختلف شعبہ ہائے زندگی میں خدمات انجام دے رہی ہے، وہ اسلام کے شیدائی اور سچے محب وطن ہیں وہ نہایت شریف آدمی ہیں۔ انہوں نے کبھی پارٹی بازی میں حصہ نہیں لیا وہ مطالعہ کے بے حد شوقین ہیں ان کی ذاتی لائبریری میں کثیر تعداد میں نادر کتب موجود ہیں۔ دانشوروں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ کانفرنسوں میں جاتے رہتے ہیں۔ ان کے عالمانہ مضامین اور وقیع تحقیقی مقالات پر انہیں انعامات بھی ملتے رہتے ہیں۔ ان کی کچھ کتابیں بھی چھپ چکی ہیں لیکن مجھے ان کے نام یاد نہیں، فروری 1987ء میں جب پروفیسر سمیع اللہ قریشی صاحب گورنمنٹ کالج جھنگ کے پرنسپل بنے تو ہم سب گھر والے مبارکباد پیش کرنے ان کی رہائش گاہ پر گئے۔ وہ بڑے تپاک سے ملے اور ہماری بے حد عزت کی۔ پرتکلف چائے اور پھلوں سے ہماری تواضع کی میرے نواسوں کے ساتھ بہت محبت سے پیش آئے۔

قریشی صاحب نے طویل عرصہ تدریسی خدمات انجام دی ہیں وہ علمی اور ادبی کاموں میں مشغول رہتے ہیں۔ طلباء کو زیور تعلیم سے آراستہ کرتے ہیں۔ کبھی کسی افسر یا ماتحت کو ان

Marfat.com

سے کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی۔ ان کی علمی فضیلت کی وجہ سے سبھی ان کا حد درجہ احترام کرتے ہیں۔

قریشی صاحب مرنجاں مرنج شخصیت کے حامل ہیں اور جذبہ ہمدردی سے سرشار ہیں۔ گورنمنٹ کالج جھنگ کے اکثر پروفیسر صاحبان ان کے شاگرد ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ نوجوان اساتذہ اپنے تجربہ کار اور شفیق قائد کی قیادت میں طلباء کا یہ کاروان منزل مقصود تک پہنچانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ آج جب میں کالج سے گزرتا ہوں تو کالج کو شاہراہ ترقی پر گامزن دیکھ کر میری خوشی کی انتہا نہیں رہتی۔ قریشی صاحب کے زمانے میں جو بہت بڑی عمارتیں اور پرنسپل کی کوٹھی تعمیر ہوئی ہے۔ وہ بلاشبہ ترقی کی جانب ایک بڑا اقدام ہے۔ اساتذہ اور طلباء کی اتنی بڑی تعداد میں نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ کالج کی کایا ہی پلٹ گئی ہے۔ اس علاقے کے طلباء کو اب ذرہ سے آفتاب بن جانے کے مواقع میسر ہیں۔ یہ سب کچھ پروفیسر سمیع اللہ قریشی صاحب کی معجز نما شخصیت کا کمال ہے۔ ضلع جھنگ میں فروغ علم و ادب کے لیے قریشی صاحب کی مساعی اب زر سے لکھنے کے لائق ہیں۔

میری دعا ہے کہ یہ عظیم ادارہ علم کی ضیاپاشیوں سے تا ابد اذہان کو مستنیر کرتا رہے۔

Marfat.com

اَن مٹ نقوش

محمد صدیق صادق

بے آواز قدموں چلتے زندگی کے شام وسحر انسان کو دھیرے دھیرے اس کے ماضی سے جدا کر دیتے ہیں۔ مگر ماضی کی کچھ خوشگوار یادیں' کچھ تاثرات اور کچھ نقوش اس گہرائی تک انسان کے اندر اتر کر اس کے وجود میں یوں سما چکے ہوتے ہیں کہ گردش شام وسحر ان پر اثر انداز ہو سکتی ہے نہ وقت کی گرد انہیں دھندلا پاتی ہے کہ یہ لمحے اس کی شخصیت کی تعمیر کا حصہ بن کر اس کے اندر تحلیل ہو چکے ہوتے ہیں۔ دو نسلوں کے استاد پروفیسر سمیع اللہ قریشی کی ہمہ جہت ہمہ گیر اور محبتوں بھری شخصیت کا نقش ایک ایسا ہی انمٹ نقش ہے جو میرے وجود کے اندر آج بھی اتنا ہی تازہ ہے جتنا چالیس برس پہلے تھا۔

آنکھوں میں آج بھی وہ تصویر اپنے سارے رنگوں' ساری جزئیات کے ساتھ محفوظ ہے جب اکتوبر 1963ء کی گیارہ تاریخ کو کالے رنگ کے سفید دھاریوں والے بھلی تراش کے سوٹ میں ملبوس ایک وجیہ' پروقار شخص' چشمے کے پیچھے گہری ذہین آنکھیں اور چہرے پہ پیار بھری مسکراہٹ لیے چھ برقعہ پوش طالبات اور سولہ طلباء پر مشتمل تھرڈ ائیر کے کلاس روم میں آیا تھا۔ پہلا لیکچر سورہ آل عمران کے شان نزول اور بنیادی مضامین پر تھا۔ پڑھانے اور سمجھانے کا کیسا سادہ اور فطری انداز تھا اور الفاظ کا نہایت خوبصورت انتخاب! سماعت کے راستے اتر کر ایک ایک لفظ یوں ذہن میں پیوست ہوتا گیا کہ چالیس برسوں کا بُعد بھی انہیں دھندلا نہ سکا!

Marfat.com

قرآن اور استحکام پاکستان پر لیکچر کا اختتام ہوا تو اس پہلی کلاس کے پہلے دن کا پہلا سوال جو میں نے پوچھا وہ تھا:

استحکام پاکستان کے حوالے سے سورہ آل عمران ہمیں کونسی بنیاد فراہم کرتی ہے؟

تین لیکچروں پر پھیلے جامع، مدلل اور فکر انگیز جواب کے ذہن میں محفوظ چند اقتباسات سے ان کی قرآن فہمی، وسعت مطالعہ، ملت کا درد اور پاکستان سے لگاؤ کا اندازہ ہو سکے گا:

''رسول عربی، نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میری امت قرآن کے ساتھ وابستہ رہے گی تو اس کا وقار مجروح ہو گا نہ کبھی یہ انتشار و فرقہ بندی اور بے یقینی کا شکار ہو گی اس لیے کہ اسلام کے بنیادی عقائد سادہ، سہل اور ہر کسی کے لیے قابل عمل ہیں۔ یہ ازلی ابدی دین نہ رسمیات کا مجموعہ ہے نہ مزاج میں صنمیاتی ہے۔ یہ دین فطرت اپنی اصل میں ایک صحت مند رویہ ہے جسے پیغمبر اسلام نے دنیا کے سامنے اپنے قول و فعل سے پیش کیا ہے...... آج اسلام کے بنیادی اصولوں، سادہ عقائد اور رویوں کی بازیافت ضروری ہے جس کے لیے اللہ کی ذات پر مطلق ایمان، رسول اکرمؐ کے سادہ رویوں کی کامل اتباع اور قرآن پاک سے رہنمائی لازم ہے۔ اسی سے فروعیات کی جڑ کٹ سکتی ہے جو ملت اسلامیہ میں انتشار و بے یقینی کا باعث ہیں۔''

سوال کے دوسرے حصے استحکام پاکستان کے حوالے سے جو کچھ انہوں نے کہا بہت طویل ہے۔ اس کی خوبصورت جھلک بعد میں کہی گئی ان کی ایک نظم کے چند اشعار میں دیکھئے:

''آج تمہارے سامنے میں اس دھرتی کی گلرنگ نمود کی سچی شہادت دینے
بس اس ایک امید پہ آیا ہوں کہ
تم سب سندھی سارے بلوچی
سارے پنجابی اور سارے سرحد کے غیور افغانی

Marfat.com

سارے پاکستانی
بے معنی مت جانو فریب نہ سمجھو
اس دھرتی کی نمود کو اک آسیب نہ سمجھو
میں جو ہجرت رت کا آپ مسافر تھا
تم میری گواہی
اپنے دل کے ورق پہ اس کو رقم بھی کرنا
اور اسے آنے والی نسلوں تک بھی پہنچاتے رہنا
اپنے وطن کو ہر ظالم کے وار سے مل کے بچاتے رہنا
یہ پیغام سناتے رہنا:
ہر ہجرت کے بطن میں شجر جہاد کا بیج نمو پاتا ہے
آنے والی خوش موسم شاداب رتوں میں
یہ مت بھولنا
ہجرت رُت کے جہاد شجر کے بیج تمہیں ہو
اب یہ دھرتی عہد ابد تک ہرگز بانجھ نہ ہونے پائے!
عہد نوی کے زندہ اور تابندہ چہرو تم میں کوئی
اپنی منزل، اپنا مقصد، اپنی مراد نہ کھونے پائے!

1988ء میں بڑے بیٹے عثمان صادق کو ایف۔ایس۔سی کے فسٹ ائیر میں داخل کروانے گورنمنٹ کالج گیا۔آپ بطور پرنسپل ادارہ خدمات سرانجام دے رہے تھے، جان کر بہت خوش ہوئے۔فرنے لگے:

”مجھ پر اللہ کا کتنا بڑا کرم ہے کہ جھنگ دھرتی کی دو نسلوں کی ذہنی سنوار اور تعلیم و تربیت کی منصبی ذمہ داریوں کی ادائیگی کا قابل فخر اعزاز مجھے بخشا جا رہا ہے۔“

Marfat.com

1999ء میں ان کی کتاب ''سرزمین جھنگ: آثار و ثقافت'' پنجاب حکومت سے جو ایوارڈ حاصل کر چکی تھی کو جناح ہال میں ''چناب کریسنٹ'' ایوارڈ پیش کرنے کی سعادت حاصل کی تو فرمانے لگے:

''صادق بیٹے! زندگی میں بہت نیشنل' انٹرنیشنل ایوارڈز' گولڈ میڈلز اور تمغہ جات حاصل کیے مگر اندر کی حقیقی خوشی جو مجھے دو مواقع پر حاصل ہوئی' اس کا اپنا ہی احساس ہے۔ ایک آج اپنے ایک شاگرد سے ایوارڈ وصول کرتے ہوئے اور دوسرے ہائی سکول کے زمانہ طالب علمی میں تحصیل سطح پر فی البدیہہ مضمون نویسی کے مقابلہ میں اول آنے پر دس روپے انعام ملے۔ یہ زندگی کا پہلا انعام تھا' جو خوشی اور Encouragement اس سے ملی وہ آج بھی میرے لیے سرمایہ افتخار ہے جسے کبھی بھلا نہیں پایا۔''

مارچ 2000ء کی سولہ تاریخ کو اپنے دفتر میں مصروف کار تھا کہ ایک طویل خط ملا۔ ہمارے روز افزوں تعلیمی زوال وانحطاط پر گہرے دکھ کے اظہار کے ساتھ ایک مغربی ماہر تعلیم کے حوالے سے اس کا شافی علاج تجویز کیا گیا تھا۔ چند نکات ملاحظہ فرمائیے:

1- تعلیمی عمل کی پہلی مثبت بنیاد' تعلیمی منصوبہ بندی اور اس کے نفاذ کی ذمہ داری پورے اعتماد کے ساتھ اساتذہ پر ڈال دی جائے اور استاد کا انتخاب ہر سطح پر اعلیٰ اور معیاری' فکری اور کرداری رویوں کی روشنی سے کیا جائے اور اس کا معیار ملک کی ہر ملازمت کے معیار سے بلند ہو۔

2- تعلیم کا ملازمتی ڈھانچہ صوبائی کی بجائے وفاقی نوعیت کا ہو۔ ہر صوبے کے اساتذہ دوسرے صوبے میں تبدیل ہوتے رہیں۔ اس سے طلباء اور اساتذہ کے ذہنوں میں موجود صوبائیت' رنگ ونسل اور لسانی تضادات جیسی لعنتیں جو پاکستانیت کے متشکل ہونے کی راہ میں رکاوٹ ہیں' دور ہو سکیں گی اور پھر اساتذہ فرقہ وارانہ' لسانی یا صوبائی پہچان کی بجائے طلباء کے سامنے خود کو صرف پاکستانی استاد کی حیثیت میں پیش کر کے علم ومعلم اور پاکستان کے وقار میں اضافہ کا باعث بنے گا۔

3- ہر سطح پر اساتذہ کا معقول مشاہرہ انہیں ٹیوشن وغیرہ کی ضرورت سے بے نیاز کرنے میں معاون ثابت ہوگا۔

Marfat.com

4- ایسا مربوط طریقہ کار اختیار کیا جائے کہ کسی بھی سیاسی، لسانی یا مذہبی جماعت یا گروہ کو تعلیمی اداروں کے اندر اپنے مالی و مادی وسائل پھیلانے، طلباء کو اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کرنے کا موقع ہی نہ ملے۔

5- سائنس اور ٹیکنالوجی اکیسویں صدی کی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ کالج اور یونیورسٹی کی سطح پر انگریزی کو بطور ذریعہ تعلیم اختیار کیا جائے تا کہ ہمارا طالبعلم بھی بین الاقوامی تعلیمی اور تحقیقی ترقی کے ساتھ قدم بقدم چل سکے۔

فروری 2001ء کی صبح تصوف کے ایک مسئلہ کے سلسلہ میں رہنمائی کے لیے ''النصرت'' پہنچا۔ حسب معمول پدرانہ اپنائیت سے ملے۔ مگر معمول سے ہٹ کر چہرے پر گہرے دکھ کے آثار اور آنکھوں میں تیرتے آنسو اندر کے طوفان غم کا پتہ دے رہے تھے۔ ''یہاں کے رشتہ و پیوند کے نوکیلے خار اندر کے زخموں کا باعث تھے۔ اس کیفیت میں ذہن کی سکرین پر بدھ کا یہ قول ابھرا

''شعور آگہی ایک دائمی دکھ ہے جس کی صلیب پر تمام عمر لٹکنا پڑتا ہے۔''

اور اس لحہ یہ نکتہ میں نے پایا کہ سمیع اللہ قریشی کو ایک بے مثل بین الاقوامی ادیب، شاعر، نقاد، محقق، مفکر، معلم اور دوسروں کے دکھ درد بانٹنے والے انسان کے قالب میں ڈھالنے کے پس پردہ شعور آگہی کا یہی دائمی روگ کارفرما ہے کہ۔

ہر اک کے واسطے ہم کچھ نہ کر سکیں شاید
ہر اک کے واسطے دل تو مگر گداز رہے

Marfat.com

دُکھیوں کا مرہم

راؤ عبدالسلام خان

1964ء سے آج تک اپنی فخر یہ۔ اہم۔ منفرد۔ پسندیدہ محسن' دکھیوں کی مرہم' غیر متعصب انسانوں کے غموں کا مداوا' محقق' مورخ' ممتاز مثبت ادیب' مصنف' خاکسار' سادہ' اعلیٰ ظرف' پروقار شخصیت' قلندر جھنگ "تو" میں اور جھنگ لازم وملزوم' جھنگ میں زندہ جاوید مکمل یونیورسٹی نبھاؤ' مٹھا من ٹھارو' زیادہ سننے والے' اپنی رائے رکھنے والے نہ بکنے والے نہ جھکنے والے' اندر کے کامل وعامل' جمود کو محرک کرنے والے' جاگنے' جگانے' جیو' خوش رہنے اور دوسروں کو خوش کرنے والے' مقدس' لہر کی مٹھاس جوہری کی جانچ کے الفاظ' زیادہ مواد کم الفاظ میں پرونے والے میرے لیے اور آپ سب کے لیے ہر لحہ ہر دور میں اپنی فکری صلاحیتوں کی بدولت مشعل راہ اور اپنی نمود کے طور پر انشااللہ زندہ رہیں گے۔

انہیں میں نے ہر حال میں بہت قریب سے دیکھا ہے اور پھر ہم استاد شاگرد قریب سے قریب ہوتے چلے گئے' حالانکہ نگران یونین کالج اور پریذیڈنٹ کے کبھی بھی تقریباً تعلقات بہتر نہیں رہ سکتے۔

سب سے زیادہ تقریبات کالج میں میرے دور میں میں نے کامیاب ومنفرد کرائیں۔ مشاعرے مباحثے' مقابلہ حسن قرات' دیگر مذاکرے۔

ہنگاموں' احتجاجات' جلوسوں کے دور میں صف اول سے میں گزرا۔

یحییٰ خانی مارشل لائی دور میں بندہ حقیر صدائے احتجاجات بلند کرتا رہا۔

- مجھے بچانے میں صرف انکی شخصیت کارفرما رہی۔

Marfat.com

- ہمیشہ خطوط کے ذریعے مجھے بامعنی۔ بلند حوصلگی کا سبق دے کر بلکہ دوست اور گارڈین کا حق ادا کرتے ہیں۔
- بعض اوقات 1970ء میں ایسے واقعات دکھائی دیئے کہ طلباء کے مفادات پر اپنی ترقی اپنا مفاد بھی داؤ پر لگا دیتے تھے۔
- اعلیٰ ورکر، پراثر مقرر، شاعرِ مانوسِ مسرت ہونے کے ساتھ ساتھ طلباء کے ساتھ ہر سطح پر ساتھ رہتے دکھ، سکھ، کھیل، گھر، ہر جگہ۔
- آپ عہدوں کے محتاج کبھی نہ رہے ہمیشہ آپ اندر سے وہی رہے جو ایک استاد کو ہونا چاہیے۔
- اپنے خصوصی مجھ جیسے تعلقدار کو لائبریری اور کتابوں سے منسلک کر دیتے ہیں۔
- آپ عمدہ، معیاری کتب کے عاشق ہیں۔
- پس منظر اور وضعداری آپ اور آپ کے اہل و عیال میں کمال کی عملاً موجود ہے اور رہے گی۔
- آپ الجھاؤ سے بچاتے ہیں۔
- آپ رابطہ سے پتھر کو پارس اور شخص کو شخصیت بنانے کے ماہر ہیں۔
- اپنے آپ کو ہمیشہ معلم (معمار) مشاہداتی عملی طور پر رکھا۔ اعلیٰ عہدوں کا سہارا لینے کی کبھی کوشش نہیں کی۔
- انتقام لینے کے قائل آپ نہیں ہیں۔
- ایثار، مہمان نوازی آپ میں ہر لحظہ موجود ہیں
- طمع، حرص، تصنّع، تکلف کو عیب سمجھتے ہیں۔
- میرے احساسات میں ہر لمحہ آپ موجود رہتے ہیں۔
- آپ مظہر قدرت ہیں۔
- صاف گو، وضعدار، خوش لباس خوش گفتار ہیں۔

Marfat.com

- کبھی کبھی زوردار قہقہہ لگا کر تمام تھکاوٹوں کا علاج کر لیتے ہیں۔
- آپ کی بدولت کھڑا ہو گیا ہوں اور جینے کا ڈھنگ آیا ہے۔
- آپ گُل بُلبل سے بھی اور تعمیر و ترقی وجدیدیت سے بھی منسلک ہیں۔
- آپ اپنی ذات میں انجمن اور کھرے انسان ہیں۔
- آپ میرے لیے آبِ حیات، حوض کوثر سے کم نہیں۔
- میں اور آپ ہم راز، دم ساز ہیں۔
- دانا دلیر ہیں، حکیمانہ گرجدار آواز بھی کبھی نکالتے تھے۔ اب عمر ڈھل گئی ہے۔
- سب کا اچھا کرنے کی کوشش میں مگن رہتے ہیں صلہ اللہ کریم سے لیتے ہیں۔
- واقعی آپ نے جھنگ کو لاہور دیا، آپ جھنگ اور جھنگ آپ ہیں۔
- آپ نے گرمی، سردی، خزاں، بہار، سفر، حضر پردیس، گھر، دفتر، باغ، بازار ہر جگہ بلکہ کئی بار میرے غریب خانہ پر آ کر مجھے سکون اور اپنائیت دی۔
- آپ نے میرے لیے آرنلڈ کا کام کیا۔
- باجی نصرت آپ کے تذکرہ کے بغیر کم ظرفی اور میری زندگی کی کتاب نامکمل ہے۔ آپ فاطمہ بنت عبداللہ، لیڈی سکاؤٹ متواضع کمال ترین، باعتماد ذہین، دکھیوں کا مکمل عملی سہارا، ناداروں مستحقوں کی خفیہ مدد و حوصلہ دینے والی اعلیٰ سیرت خاتون بلکہ سچ تو یہ ہے کہ میرے والدین کا صدمہ انہوں نے اپنے میٹھے رویے اور حوصلہ دلانے سے بھلا دیا ہے۔ جھنگ میں قریشی صاحب کے بارے میں میری دلی گہرائیوں میں جو آپ کی خدمات کے باعث مقام ہے وہ الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔
- مجھے آپ باجی، منصور، تیمور تمام جگر گوشے چاند کی طرح بھاونت اور میرا سکون ٹھنڈک حوصلہ ہیں آپ ہمیشہ انشا اللہ خوش رہیں گے۔

Marfat.com

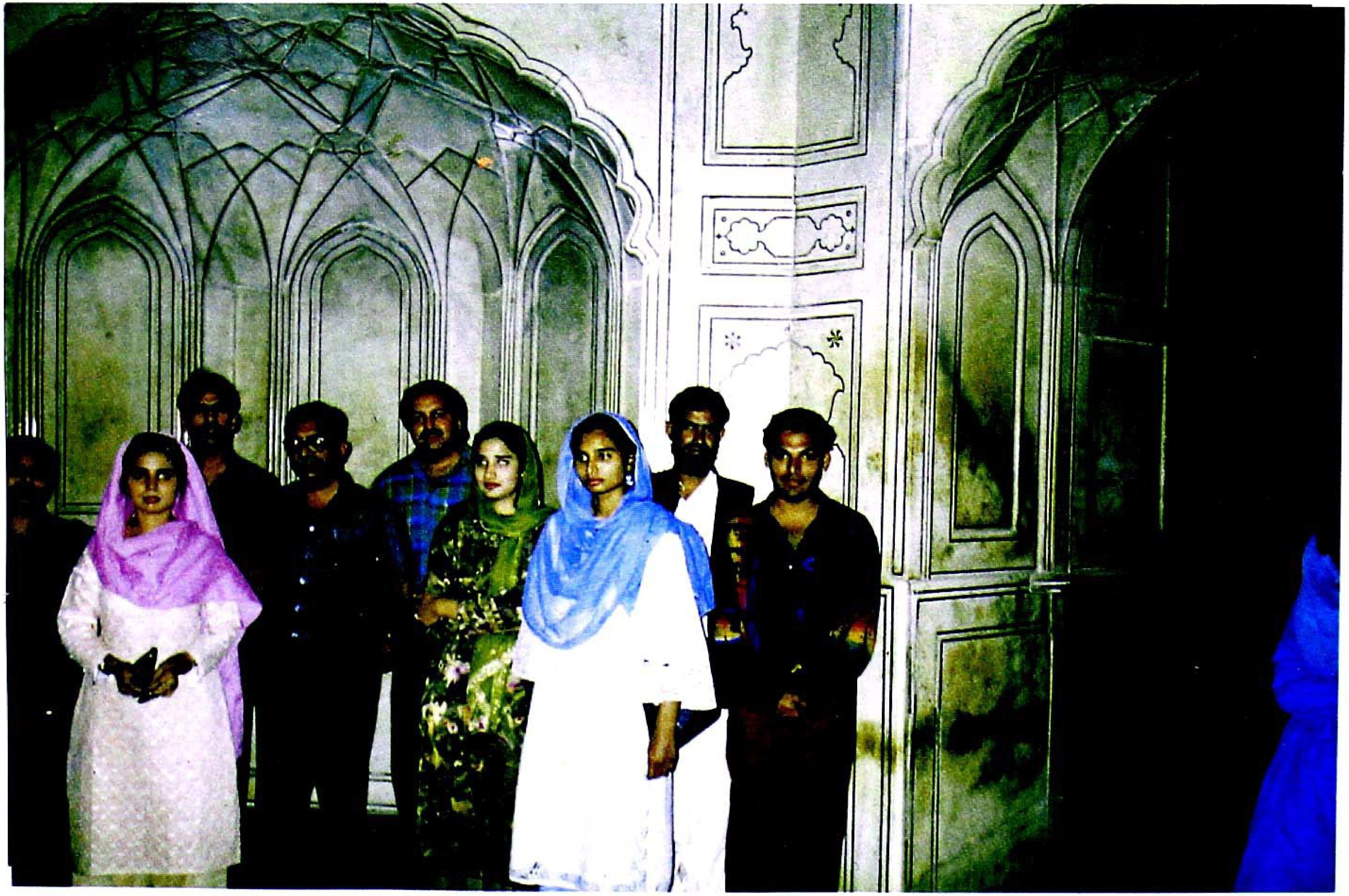

مقبرۂ جہانگیر میں اسلامیہ کالج کے طلبا اور طالبات کے ساتھ

Marfat.com

گورنمنٹ اسلامیہ کالج لاہور میں شعبۂ انگریزی کے اساتذہ طلباء اور طالبات کے ہمراہ

Marfat.com

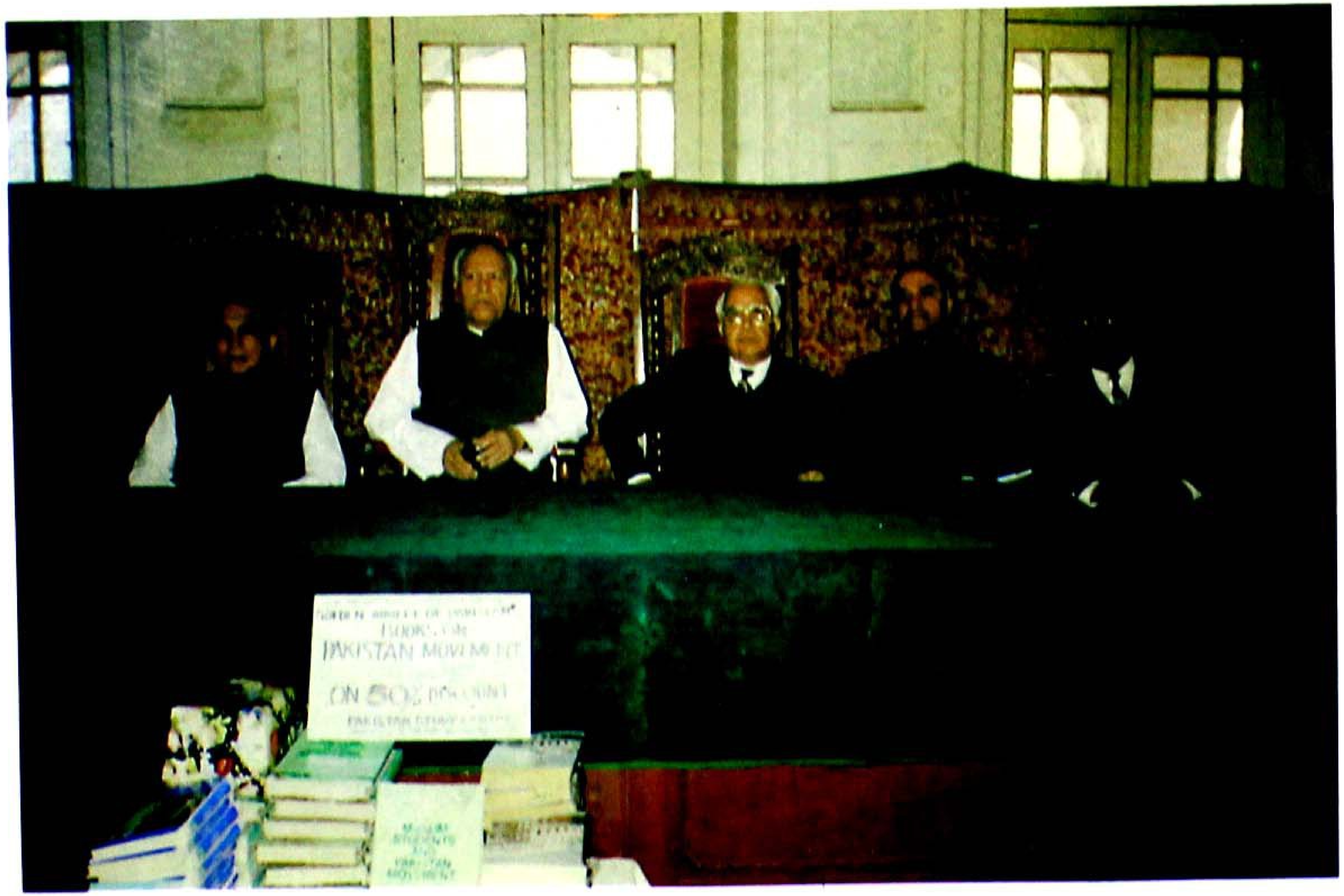

اسلامیہ کالج لاہور حبیبیہ ہال میں تین وائس چانسلرز (اولڈ بوائز) کے ہمراہ

Marfat.com

کانووکیشن 1972ء گورنمنٹ کالج جھنگ میں ڈاکٹر عبدالسلام کے ساتھ

Marfat.com

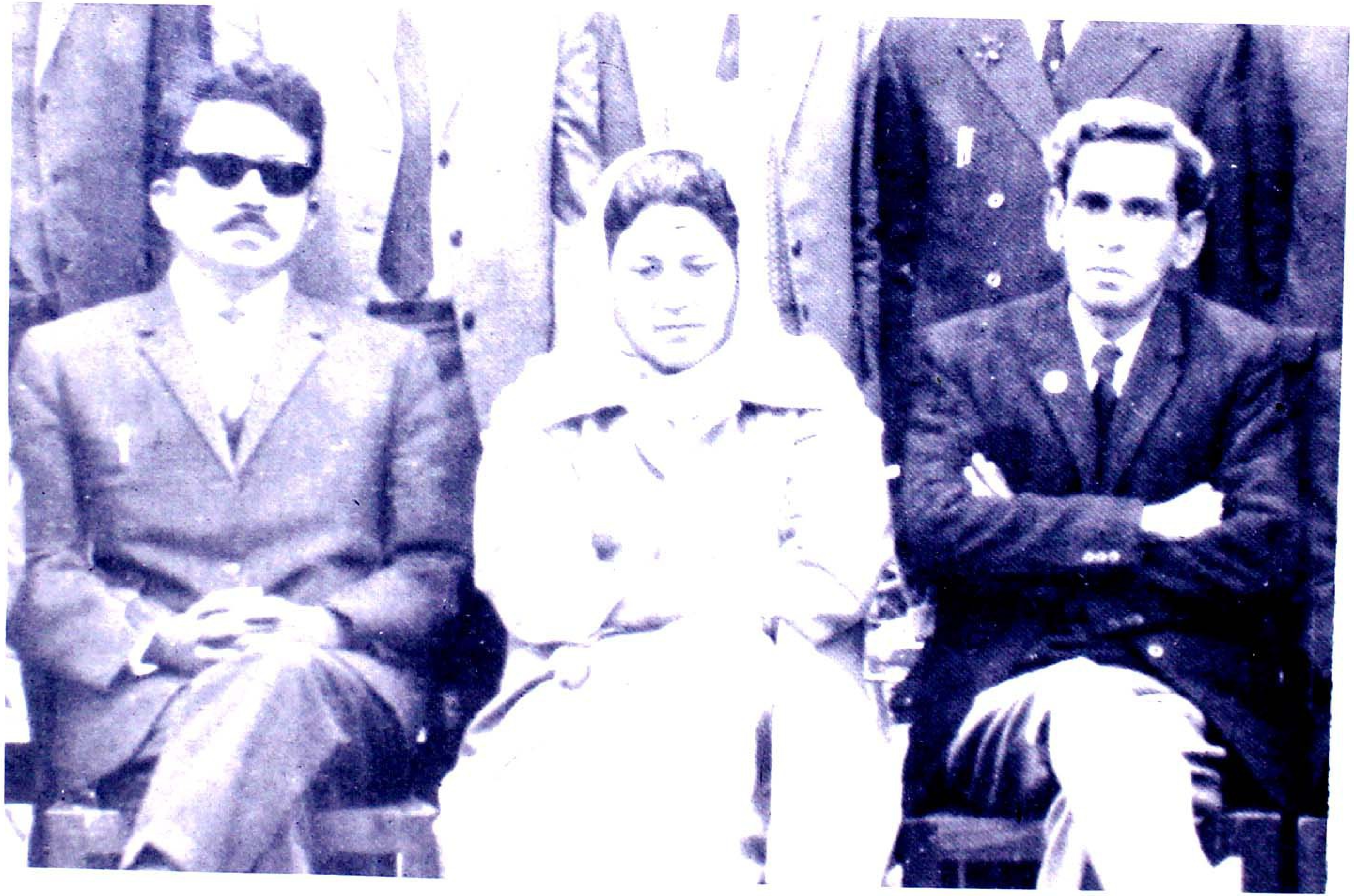

1971ء گورنمنٹ کالج جھنگ کانووکیشن کے بعد مہمانِ خاص محترمہ بانو قدسیہ کے ہمراہ

Marfat.com

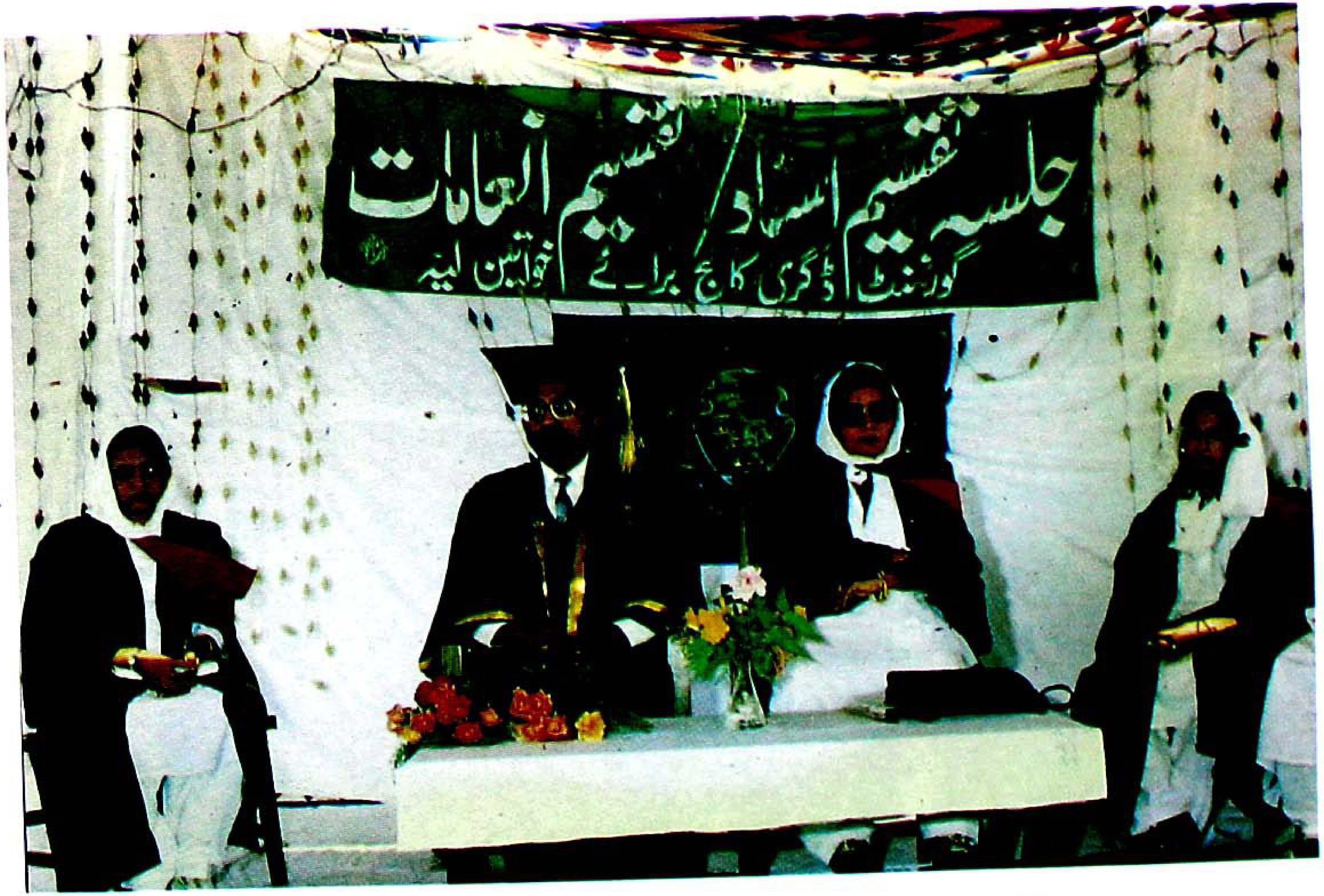

گورنمنٹ کالج برائے خواتین لیہ میں جلسۂ تقسیم اسناد کی صدارت کرتے ہوئے

Marfat.com

اسلامیہ کالج لاہور میں پروفیسرز اور طلباء کے ساتھ

Marfat.com

بھوربن میں ڈویژنل ڈائریکٹرز کے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے

Marfat.com

ہر دلعزیز، علم دوست استاد

آصف علی شاہد

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ مختلف شخصیات کا ذکر ان کے مداح ان کی زندگی کے بعد بڑی شدومد کے ساتھ کرتے ہیں تاکہ نسل نو ان شخصیات کے نظریات، رویوں اور تجربوں سے مستفید ہو کر اپنے لیے راہ عمل متعین کر سکے لیکن میں نے اپنی زندگی میں ایسی شخصیتوں کو شاذ و نادر ہی دیکھا ہے کہ جو بقید حیات ہوتی ہیں مگر ان کی زندگی کے مختلف گوشوں پر رائے زنی کر کے احباب اپنا قرض اتارتے ہیں۔

پروفیسر سمیع اللہ قریشی صاحب اللہ تعالیٰ انہیں تادیر سلامت رکھے، ان کی علمی، تعلیمی، ادبی خدمات اور ان کا روزمرہ کا معاشرتی کردار کتابی شکل میں سامنے آنا ان کی ہر دلعزیزی اور علم دوستی کا بین ثبوت ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ ان کی شخصیت میں شفقت و محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ ان کی شخصیت سے متعلق جستجو اور تحقیق کرنا نیز ان کی علمی کاوشوں کی حوصلہ افزائی کر کے اس سے رہنمائی حاصل کرنا پروفیسر برادری کا فرض بنتا ہے۔ سمیع اللہ قریشی صاحب کے ایک شفیق اور بہترین استاد ہونے میں تو کوئی کلام نہیں ہے لیکن کسی کو روایتی قسم کی سزا دینا اور سختی سے نمٹنا ان کے مزاج کا حصہ نہیں ہے۔ اگر میں یہ کہہ دوں کہ وہ زہر کی بجائے گڑ دینے کے قائل ہیں تو غلط نہیں ہوگا۔

Marfat.com

میرا ان سے نیاز مندی کا رشتہ کالج کے زمانہ ہی سے چلا آ رہا ہے۔ ان کے مزاج کا دھیما پن، محتاط رویہ ان کی شخصیت کا طرہ امتیاز ہے۔ بطور پرنسپل (سربراہ ادارہ) انتظامی معاملات پر گرفت کرنے کا ان کا اپنا طریقہ کار تھا۔ وہ روایتی سختی کی بجائے نرم خوئی اور ناصحانہ انداز سے کام لے کر مقصد تک پہنچ جانے کی کوشش کرتے تھے۔ اگرچہ ان کا یہ طریقہ انتظامی حوالہ سے ان کی کمزور گرفت سے تعبیر کیا جاتا تھا مگر میں اس رائے سے اتفاق نہیں کر پا رہا کیونکہ وہ حکمت و مصلحت کے دامن کو کسی صورت بھی چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتے ہیں۔ پروفیسر برادری میں ان کا علمی مقام کسی سے مخفی نہیں ہے۔ مذہب، تاریخ، ادب کے علاوہ پنجابی شاعری اور نثر نگاری کے حوالہ سے ان کی نظریاتی گہرائی کا اعتراف نہ کرنا بخیلی تصور کیا جائے گا۔

میں نے پروفیسر سمیع اللہ قریشی صاحب کو بطور استاد، بطور پرنسپل، بطور ڈائریکٹر کا لجز ایک جیسا پایا۔ انکساری ان کی شخصیت کا لازمی جزو بن گئی ہے۔

میں پورے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ سمیع اللہ قریشی صاحب کی انفرادی و اجتماعی زندگی انسانی ہمدردی کے جذبات سے عبارت ہے۔ ان کے تخیل کی پرواز نہایت بلند ہے اور بنیادی طور پر وہ ایک بہترین استاد، محقق اور ناصح ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو ان کی علمی و ادبی خدمات سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی توفیق بخشے۔

Marfat.com

ان کا دم غنیمت ہے

شہباز احمد گجر

قحط الرجال کے اس دور میں صورتحال بڑی تکلیف دہ ہوگئی ہے کہ زندگی کے جس میدان میں بھی کوئی لائق اور بہتر انسان موجود ہوتا ہے اس کی ناقدری ایک عام سی بات بن گئی ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اب کیفیت کی بجائے کمیت کا زمانہ آ گیا ہے۔ ملاوٹ' کھوٹ نہ صرف مادی اشیاء تک محدود ہیں بلکہ انسانی افکار و کردار میں بھی زہر کی سی تیزی کے ساتھ سرایت کر گئی ہے۔ سستی شہرت' سطحی پن' اکثر افراد کی شخصیت کا حصہ بن گیا ہے۔ اچھی خاصی جانی پہچانی شخصیات ملمع کاری کی وبا سے نہیں بچ سکی ہیں۔ آج میں جس شخصیت کے متعلق خامہ فرسائی کر رہا ہوں وہ اپنی ذات میں ایک مکتب ہے' میری مراد پروفیسر سمیع اللہ قریشی صاحب ہیں جو کہ ایک درویش منش انسان ہیں اور سستی شہرت سے کوسوں دور ہیں۔ ان کو میں بلا جھجک واقعی ایک اچھا استاد کہہ سکتا ہوں۔ آج جبکہ ہمارے معاشرے میں تعلیم تو ہے مگر علم نہیں ہے' ڈگری تو ہے مگر دانائی مفقود ہے' ذہانت تو ہے مگر دانش مندی عنقا ہے۔ اس گئے گزرے دور میں بڑی معذرت کے ساتھ کہوں گا کہ مذکورہ تکلیف دہ صورتحال کی ذمہ داری بڑی حد تک اساتذہ پر ہے۔ پروفیسر سمیع اللہ قریشی صاحب ایک ایسے جامع کمالات استاد ہیں جن پر بلاشبہ اساتذہ برادری فخر کر سکتی ہے میں ذاتی طور پر ان کی علمی وجاہت کا نہ صرف معترف ہوں بلکہ عقیدتمند بھی ہوں۔ پروفیسر سمیع اللہ قریشی صاحب بیک وقت ایک ماہر تعلیم' بہترین استاد' شاعر' نثر نگار

Marfat.com

اور علم پرور شخصیت ہیں۔ ان کی شخصیت علمی کمالات، شخصی اوصاف سے مالا مال ہے ان کی زندگی کے تمام شعوری لمحات نوجوان نسل کو علم کے نور سے مزین کرنے اور ان کو آدمی سے انسان بنانے میں صرف ہوئے ہیں، ان کی خوبیاں اور وصف بحیثیت مجموعی دوسروں کو نکھارنے اور سدھارنے کا باعث بنی ہیں۔ ان کی خدمات کو احاطہ تحریر میں لانا بلاشبہ ایک کارخیر ہے کیونکہ وہ ایک محقق اور عالم گرانسان ہیں۔ میرے نزدیک ان کی شخصیت کو اگر چہار جہتی کہہ دیا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ ان میں وسیع نظری اور رواداری کا عنصر دور سے نظر آتا ہے۔

پروفیسر سمیع اللہ قریشی صاحب کی ایک خصوصیت مجھے بطور خاص پسند آئی ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی ریٹائرمنٹ کے بعد کوئی کاروبار شروع نہیں کیا اور نہ ہی کوئی سطحی سا تعلیمی ادارہ کھول کر نوجوانوں کے معاشی استحصال کا سلسلہ شروع کیا بلکہ علم وادب میں مستغرق ہو کر نئی نسل کے لیے قابل لحاظ علمی سرمایہ فراہم کر رہے ہیں۔ ان کی علمی کاوشیں اساتذہ کے لیے مشعل راہ ہیں۔ انہوں نے علم تجارت نہیں بنایا بلکہ پیغمبروں کی میراث ہی سمجھا ہے۔ ان کا کردار دور حاضر کے علمی تاجروں کے لیے تازیانہ ہے۔

پروفیسر سمیع قریشی صاحب کو اپنی تعلیمی ارشادات میں طبقاتی نظام تعلیم کے مضر اثرات کا بطور خاص ذکر فرمانا چاہیے تاکہ ملک کے نظام تعلیم کا قبلہ درست ہو سکے اللہ تعالیٰ پروفیسر سمیع اللہ قریشی صاحب کی زندگی میں برکت دے۔

Marfat.com

پیکرِ محبت

محمد اظہر کریم

سمیع اللہ قریشی صاحب لوگ جنہیں ماہر تعلیم کے طور پر جانتے ہیں میں انہیں ماہرِ تعلیم سے زیادہ ایک صوفی سمجھتا ہی نہیں مانتا ہوں۔ سمجھنے اور ماننے میں بھی ایک فرق ہوتا ہے۔ بہت سی باتیں سمجھی تو جاتی ہیں مگر مانی نہیں جاتیں۔ سمجھنے کے لیے عقل چاہیے اور ماننے کے لیے عشق عقل کی جہاں انتہا ہوتی ہے عشق کی وہاں سے ابتداء ہوتی ہے۔

موسم بہار کی ایک صبح قریباً دس بجے میرے ایک قریبی دوست علی اکبر نقوی نے میری خواہش کو مدِنظر رکھتے ہوئے گورنمنٹ کالج جھنگ کے برآمدہ سے گزرتے ہوئے کہا کہ آج آپ کی ملاقات پروفیسر سمیع اللہ قریشی صاحب سے کروانا ہے جو ہاکی گراؤنڈ کی سبز ریشم نما گھاس پر کرسی جمائے بیٹھے تھے۔ میں ذہن میں مختلف اندیشوں اور توقعات کے ساتھ ان کے پاس پہنچا اور سلام کرنے کے لیے جونہی ہاتھ آگے بڑھایا وہ فوراً کرسی سے اٹھے کھلے بازوؤں و مسکراتی پیشانی کے ساتھ استقبال کیا۔ ان کی اس قدر رخندہ پیشانی اور روشن آنکھوں سے محسوس ہو رہا تھا کہ یہ کوئی عام شخص نہیں ہے۔ ایسے شخص سے مل کر کوئی بھی خالی دامن واپس نہیں لوٹ سکتا۔ پھر یہی شخص محبوب کے پیکر میں ڈھلتا گیا۔ جب کسی سے محبت ہوتی ہے تو پھر اس سے متعلقہ لوگ بھی محبوب ہونے لگتے ہیں۔ مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپ کے شاگردوں کے ساتھ ساتھ آپ کے اساتذہ سے بھی فیض یاب ہوا۔

Marfat.com

مجھے لے گئی نہ کہاں کہاں
وہ جو روشنی تھی کہیں کہیں

خوش نصیب ہیں اہل جھنگ کہ انہیں ہر دور میں صوفیانہ صفات والی شخصیات میسر رہیں جو طالبانِ ہدایت کے لیے مینارۂ نور کی حیثیت رکھتی ہیں۔ آپ جھنگ کی زمین پر جاری فیوض و برکات کا ایسا چشمہ ہیں جو مسلسل چالیس برس سے اسے سیراب کر رہا ہے۔ میں نے ہمیشہ ان کے روزمرہ معمولات میں سنتِ نبوی ﷺ کا مکمل پرتو دیکھا۔

یومِ آزادی کے حوالہ سے اس وقت کے سب سے بڑی اشاعت والے اخبار روزنامہ امروز نے میری پہلی تحریر شائع کر کے بہت عزت بخشی۔ میں مزید راہنمائی کے لیے اس اخبار کو ساتھ لیے آپ کے سول لائنز والے گھر حاضر ہوا۔ ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلا تو دیکھا کہ ایک صوبر سا شخص ہاتھ میں برش تھامے دیواروں کو سفیدی کر رہا ہے۔ اس کے سفیدی سے بھرے ہاتھوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اس کام کا ماہر نہیں ہے مجھے آج ان کی موٹے شیشوں والی عینک پر پڑے چونے کے وہ دھبے یاد ہیں جو خود کام کرنے کی سنت ادا کرنے کی دھن میں حائل نہیں ہو رہے تھے۔ پھر چند لمحوں کے بعد ایک ادنیٰ طالب علم کی خاطر اپنی تمام مصروفیت کو چھوڑا اندر چائے تیار کرنے کا کہہ کر پاس بیٹھ گئے اور اس قدر حوصلہ افزائی فرمائی کہ یہی راہنمائی میرے لکھنے کی تحریک کے لیے بنیاد بنی۔

24 مارچ 2002ء میرے گھر دار السکینہ لاہور تشریف لائے میں نے اپنے ماں باپ کے بعد پہلی مرتبہ کسی کے ہاتھ کا بوسہ لیا تو تسکین کی کیفیت میں اس محاورہ کے معنی واضح ہو گئے کہ چیونٹی کے گھر نرائن کیسے آتا ہے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بعض راز ہوش کی بجائے سکون کی مدہوشی میں کھلتے ہیں۔

سمیع اللہ قریشی صاحب کا شمار ایسے ہی اساتذہ میں ہوتا ہے جن کے لیے سکندر اعظم نے

Marfat.com

کہا تھا کہ ”میرے والدین مجھے آسمان سے زمین پر لے آئے مگر میرے اساتذہ پھر مجھے زمین سے آسمان کی بلندیوں پر لے گئے۔“

آپ کی شخصیت میں تین جہتیں محبت، محنت اور توکل ہم آہنگ دکھائی دیتی ہیں۔ اسی لیے آپ کی ذات میں جھانکنے والوں کو سہ منشور مثلثی کی مانند قوسِ قزح کے ساتوں رنگ دکھائی دیتے ہیں جو اصل میں یک سنگ ہیں۔ جو محبت کا رنگ ہے۔ جو صوفی کا ڈھنگ ہے۔ محبت ایسی کہ ہر ملنے والے میں یہ احساس پیدا کر دے کہ آپ سب سے زیادہ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ آپ نے سب سے زیادہ محبت اپنی شریکِ حیات سے کی۔

محنت اس قدر کہ آنکھوں کی بینائی انتہائی کم ہونے کے باوجود مسلسل پڑھنے اور لکھنے کا کام جاری ہے اور تخلیقات کا فیض جاری کیے ہوئے ہیں۔

توکل ایسا کہ بحیثیت پرنسپل کسی سازش کے تحت آپ کو انتہائی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ میں اس دوران کالج سے ملحقہ آپ کے گھر حاضر ہوا اور آپ کو کمال درجہ مطمئن پایا۔ فرمانے لگے میں نے اپنا معاملہ اپنے اللہ کے سپرد کیا ہوا ہے وہ ہر بات جاننے والا اور بہتر کارساز ہے، پھر ہم نے دیکھا کہ تنزلی کی بجائے آپ کے لیے ترقی کے راستے کھلتے گئے۔ ڈائریکٹر آف کالجز بنے تاریخی ادارہ گورنمنٹ اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور سے بطور پرنسپل ریٹائرڈ ہوئے، سمیع اللہ قریشی صاحب بہت علمی اور عملی شخصیت ہیں مگر ایک حقیقت سے لاعلم ہیں کہ لوگ ان سے کتنی محبت کرتے ہیں۔ چاہے جانا فطری خواہش ہے بہت خوش نصیب ہوتے ہیں وہ لوگ جنہیں اس قدر چاہا جائے، اللہ تعالیٰ آپ کو بہت دیر سلامت رکھے آپ یونہی محبتیں تقسیم کرتے اور چاہتیں سمیٹتے رہیں۔

Marfat.com

ہمارے قریشی صاحب

مہر محمد نواز خان سیال

پروفیسر سمیع اللہ قریشی سے میری جان پہچان طویل عرصہ سے ہے۔بحیثیت ساتھی استاد اور بحیثیت پرنسپل بھی میں نے انہیں بطور انسان مہربان بطور پروفیسر شفیق ورفیق اور بطور ایڈمنسٹریٹر اصولوں اور قوانین وضوابط کی پاس داری میں کسی قدر سخت گیر مگر اصول پسند پایا۔ پروفیسر سمیع کا علم کافی وسیع ہے وہ انگریزی اردو عربی پنجابی زبانوں میں مہارت تامہ کے حامل ہیں۔

وہ خطہ جھنگ کے علمی ادبی سماجی حلقوں میں خاصے مقبول ومشہور ہیں۔وہ ملکی سطح پر متعدد انعامات حاصل کر چکے ہیں۔

ان کا مطالعہ اسلام نہایت عمیق اور دقیق نوعیت کا ہے جس موضوع پر چاہیں آزمالیں۔وہ پورے اتریں گے۔

تحریر وتقریر میں ید طولیٰ رکھتے ہیں ان کے قلم میں بلا کی قوت ہے انداز تخاطب، محققانہ۔ ادیبانہ اور خطیبانہ ہے۔نہایت مخلص وفادار اور غمگسار دوست کے اوصاف اپنائے ہوئے ہیں۔ جب کوئی ایک بار شرف ملاقات سے فیض یاب ہوتا ہے تو وہ ان کا گرویدہ بن جاتا ہے اور اس کا جی کرتا ہے کہ دوبارہ کب محبت ورفاقت نصیب ہوگی؟ گفتگو میں زبردست مٹھاس پائی جاتی ہے زبان شائستگی کا لباس پہنے ہوئے ہوتی ہے کئی معروف کتابوں کے مصنف ہیں۔

رب تعالیٰ انہیں تندرست رکھے اور وہ صحت والی لمبی عمر پائیں۔آمین۔

Marfat.com

جھنگ کی پہچان

امتیاز بانو

جناب سمیع اللہ قریشی کا نام علمی وادبی حوالے سے قومی سطح پر کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ بات درس وتدریس کی ہو یا شعروادب کی آپ کی شخصیت ہر حوالے سے اپنا ایک مقام رکھتی ہے۔آج جب وہ اپنا عرصۂ ملازمت مکمل کر کے ریٹائرڈ ہونے والے ہیں یادوں کے افق پر کئی بیتے چاند ابھر آئے ہیں۔مسافر آتے جاتے رہتے ہیں لیکن سوچتی ہوں کہ تعلیمی دنیا میں یہ خلاء کیسے پر ہوگا اب کون ہوگا جو اپنے رویوں کی حلاوتیں بانٹے گا لیکن پھر خیال آتا ہے کہ خلاء تو پر ہو جاتے ہیں۔وقت سب سے بڑا مرہم ہوا کرتا ہے۔ایسا ہوتا رہا ہے ہوتا رہے گا۔دریا چلتے رہتے ہیں۔وقت کا دھارا رواں دواں رہتا ہے کسک سی اٹھتی ہے کہ زخم مندمل ہونے پر نشان کیوں نہیں مٹتے۔آؤ مل کر شاخ وقت پر بیٹھے ہوئے پنچھی سے پوچھیں لیکن اس کو اس سے کیا اس نے تو اڑتے رہنا ہے۔

سمیع صاحب گفتگو کے بادشاہ ہیں۔ان کی زبان میں اتنی لطافت اور شرینی ہے کہ سننے والا ان کے الفاظ کے اتار چڑھاؤ میں کھو جاتا ہے۔مجھے یاد ہے آج سے کئی سال پہلے سمیع صاحب کے ساتھ جھنگ کے جناح ہال میں ایک شام منائی جا رہی تھی۔بہت سے لوگ ان کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈال رہے تھے۔ان میں محترم چاولہ صاحب جو اس وقت فیصل آباد کالجز کے ڈائریکٹر تھے۔انہوں نے اپنے مقالے میں کہا کہ۔

"جب میں جھنگ کالج کا پرنسپل تھا اور سمیع صاحب وہاں پڑھاتے تھے۔تو میں سوچتا کہ نوجوان استادوں کی موجودگی کے باوجود ہر طالب علم ان کے گن گاتا پھرتا ہے۔چھوٹا بڑا، سب ان کی شاگردی میں بہت خوش ہیں۔سبھی ان سے پڑھنے پر بضد ہیں۔اس کی کیا وجہ

Marfat.com

ہے؟ کیا جادو ہے اس شخص کے پاس۔ ایک دن ہوا یوں کہ ان کو بتائے بغیر میں ان کی کلاس کے باہر جا کر کھڑا ہو گیا۔ قریشی صاحب نے پڑھانا شروع کیا (اگرچہ میں قریشی صاحب کو نظر نہیں آ رہا تھا) یہ بولتے چلے گئے اور میں سنتا رہا۔ یہ پڑھاتے رہے میں کھڑا رہا۔ ان کے انداز نے مجھ پر بھی جادو کر دیا۔ پینتالیس منٹ گزرنے کے باوجود میں وہیں کھڑا رہ گیا۔ کافی دیر کے بعد کسی کی آواز سے چونکا تو واپس دفتر آ گیا مگر میرا دل ابھی بھی یہ کہہ رہا تھا کہ کاش قریشی صاحب پڑھاتے رہتے اور میں سنا رہتا۔ اس دن مجھ پر یہ عقدہ کھلا کہ ہر بچہ ان کا شیدائی کیوں ہے اور یہ شخص نہ صرف گفتگو کا بادشاہ ہے بلکہ ایک عظیم استاد بھی ہے۔"

سمیع اللہ قریشی ایک منفرد استاد اور مخلف دوست ہیں۔ ان کی ذات کے بارے میں لکھتے ہوئے میرا قلم میری عقیدت کا ساتھ نہیں دے رہا اس لیے کہ عقیدت بہت زیادہ ہے۔ لفظ بہت تھوڑے اور چھوٹے ہیں۔ ان کی شخصیت تو ایک پہاڑ ہے جسے احاطے میں لانا بہت مشکل ہے۔ آخر میں صرف اتنا کہوں گی کہ مجھے فخر ہے کہ یہ ہستی میرے ہی شہر کا باسی ہے۔ ان کا نام لیے بغیر میرے شہر کا تعارف ادھورا ہوگا۔

اے نگہبان وطن تیرا نگہبان ہو خدا
شہر کے لوگ تیرے حق میں دعا کرتے ہیں

حالانکہ مجھے لڑکا ہونا پسند نہیں ہے لیکن پتہ نہیں کیوں آج دل چاہ رہا ہے کہ میں لڑکا ہوتی۔ میں پڑھ رہی ہوتی اور سمیع اللہ قریشی فلسفے کے استاد ہوتے اور سقراط پڑھا رہے ہوتے۔ جس کو سچ کہنے پر زہر کا پیالا پینا پڑا تھا میں سنتی رہتی وہ بولتے رہتے۔ گھنٹی کی اواز بھی کانوں کو سنائی نہ دیتی۔ کاش ایسا ہوتا۔

Marfat.com

بس ایک دو باتیں

نوید اختر

اپنی کم علمی کے باعث ادبی حوالے سے سمیع اللہ قریشی صاحب کے اصل مقام سے ناواقف ہوں۔ میں اتنا ضرور جانتی ہوں کہ وہ عظیم انسان، ایک مشفق استاد، ان تھک منتظم اعلیٰ اور اچھے شاعر ہیں۔ پکے اور سچے مسلمان ہیں۔ انہوں نے حمد و نعت میں عقیدت اور بندگی کا ثبوت دیا ہے اور میں ان کی کس قدر احسان مند ہوں کہ جب سمیع صاحب نے میری توجہ ''مجید امجد'' ایک مطالعہ کی طرف دلائی۔ جہاں وہ ''مجید امجد یادوں کے دریچے میں'' مسکرا رہے ہیں۔ مجھے بہت اچھا لگا مجھے میرے بچپن میں لے گئے اور چاندنی چوک پوری آب و تاب سے چمکتا نظر آیا۔

سمیع صاحب کی دعائیں اکثر و بیشتر دوستوں کے ذریعہ سے مجھ تک پہنچتی رہیں اور میں اچھی خواہشات کے خزانے پا کر پھولتی گئی بلکہ پھولے نہ سماتی۔ میں جانتی تھی کہ میں اتنی توجہ، پیار اور شفقت کی بالکل اہل نہ تھی میرے تایا ابو ''امجید امجد'' کے وہ بہت مداح ہیں اس سلسلہ میں ان کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ وہ مجھے بھی اکثر مختلف چیزوں سے آگاہ فرماتے رہتے۔ سمیع صاحب سے سرسری ملاقاتیں میری لیے یادوں کا انمول خزانہ ہیں۔ وہ مجھے ہمیشہ کچھ نہ کچھ لکھنے کو کہتے رہے لیکن میری کاہلی اور کم علمی نے میری راہ روکی۔ مگر آج ٹوٹی پھوٹی چند سطور لکھے بغیر نہیں رہ سکی ہوں۔

Marfat.com

سمیع صاحب کے ساتھ میری پہلی ملاقات 1984ء میں ہوئی جب میں سپرنٹنڈنٹ ہو کر جھنگ آئی۔ کمرہ امتحان اور اس کے تمام امور سے ناآشنا اور بالکل غیر سنجیدہ سی جھنگ میں سپرنٹنڈنٹ بنا صرف اس لیے منظور کیا کہ چند دن گھر پر گزار سکوں گی۔ تب سمیع صاحب انسپکٹر تھے۔ نہایت خوش اخلاق مشفق اور مددگار ثابت ہوئے جب بھی کمرہ امتحان میں تشریف لاتے بہت قیمتی اور انمول خیالات سے نوازتے۔ ادب کے بہت سے پہلوؤں تک رسائی ہوئی۔ مجید امجد سے لگاؤ کے باعث ان کی بہت سی باتیں بتاتے۔ کچھ عرصہ بعد جب میرا ٹرانسفر بھکر سے جھنگ ہوا تو میں اکثر ان کے کالج جاتی۔ ان سے ملاقات ہوتی۔ ان کی راہنمائی میں وہاں کی لائبریری سے استفادہ کرتی رہی۔ اسی دوران میں سخت بیمار ہوگئی۔ میری مزاج پرسی کے لیے کئی بار فون کیا۔ ان کے یہ الفاظ آج بھی میرے کانوں میں رس گھولتے ہیں۔ زندگی کا قرینہ دیتے میں جینے کی امنگ اور حوصلہ عطا کرتے ہیں۔ ان کے یہ خوبصورت الفاظ زندگی کی کھٹن راہ میں منزل کا نشان بن جاتے ہیں۔ ''دیکھو اندر سے نہیں ٹوٹنا۔'' یہ زندگی کرنے کا ایک اچھوتا پیغام ہے۔

Marfat.com

ایک انسان شناس

محمد شریف اشرف

اس مانوس اجنبی میں بڑی انفرادیت اور جاذبیت تھی۔ تقریر کے دوران میں نے درمیانی قطاروں میں۔ ذرا سا ایک طرف ہو کر اسے بیٹھے ہوئے دیکھا۔ یوں لگا جیسے کوئی گیانی پورے منظرنامے کو اپنے اندر جذب کر رہا ہو! تقریر کے دوران تیرتی ہوئی نگہ ڈالنے کی گنجائش ہوتی ہے۔ وہی غالب والی۔

وہ اک نگہ جو بظاہر نگاہ سے کم ہے

ورنہ لفظ و معنی کا باہمی ربط اور خیالات کا سلسلہ ٹوٹنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ نگہ آنی جانی ہوئی۔ میں نے گفتگو کا تسلسل جاری رکھا اور کچھ روز پہلے کے تکلیف دہ اور ساتھ ہی خوش گوار واقعہ کو پنجاب پولیس کے رویہ میں ایک حیران کن تبدیل قرار دیتے ہوئے اس کا کریڈٹ متعلقہ پولیس آفیسر کے علاوہ ڈی آئی جی پولیس کو دیا جو حال ہی میں تبدیل ہو کر آئے تھے اور اتفاق یہ تھا کہ وہ نہ صرف شعر و ادب سے علاقہ رکھتے تھے بلکہ شعر کہتے بھی تھے اور واقعی رات کے پچھلے پہر جنگلات سے ڈھکے ہوئے دریائی علاقے میں کسی پولیس پارٹی کا کام نشاط انگیز نہیں تھا...... یہ ہماری بپتا تھی جس کے سبب ڈیرہ غازی خان کے سرکٹ ہاؤس میں ڈویژن بھر کے انتظامی اور پولیس افسروں نمائندہ اور چیدہ لوگوں کا ایک اچھا خاصہ اجتماع ترتیب دیا گیا تھا تاکہ پولیس آفیسر (متعلقہ) کو تعریفی اسناد اور نقد انعام سے نوازا جائے...... ہوا یوں کہ میں

Marfat.com

نے اس منفرد سفر سے واپسی پر ڈی آئی جی کو ایک خط لکھا جس میں پولیس کے رویہ میں اس قابل تحسین پہلو کو تحریک دینے کے لیے کچھ تجاویز پیش کیں جس پر اس تقریب کا انعقاد ہوا اور اس حوالے سے پروفیسر سمیع اللہ قریشی کے ساتھ ہمارے معنوی رشتے کی تجدید اور شخصی رابطے کی ابتداء ہوئی۔

معنوی رشتے کی تجدید اس طرح کہ پروفیسر قریشی صاحب کی کچھ تحریریں اس سے پیشتر میری نظر سے گزری تھیں ان میں سے کچھ ایسی فکر انگیز اور پر مغز تھیں کہ ان کے معنوی سحر اور اثر آفرینی نے ہمارے شوق مطالعہ کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا...... دوسرے روز صبح کے قریباً نو بجے پروفیسر قریشی صاحب کا رقعہ ملا کہ ملاقات ہونی چاہیے۔ میں کالج جاتے ہوئے ڈائریکٹر کالجز کے کمرے میں داخل ہوا تو وہی مانوس اجنبی جو گزشتہ رات درمیانی قطار میں ذرا سا ایک طرف ہو کر ایک موثر اکائی بنے بیٹھے تھے۔ محبت اور اپنائیت کی پوری کلیت کے ساتھ میری طرف بڑھے۔ بغل گیر ہوئے اور اپنی صدارتی نشست چھوڑ کر میرے پہلو میں کرسی نشین ہوئے۔ یہ تھی پہلی ملاقات جو پروفیسر سمیع اللہ قریشی سے دوستی اور دل داری کے طویل سلسلہ کا سبب بنی۔

پروفیسر سمیع اللہ قریشی تہ دار مگر واضح شخصیت کے مالک ہیں۔ ان کی ذات میں محبوبیت کی حدود کو چھوتے ہوئے اپنی طرف متوجہ کرنے کے کئی پہلو ہیں۔ گفتگو میں سلیقہ مندی اور اعتماد کا توازن ان کے سوچے سمجھے لہجے میں مزید نکھار پیدا کرتا ہے۔ ان میں دل داری ایک ایسا قرینہ ہے کہ مخاطب مجوب ہونے کی بجائے ان پر کھلتا چلا جاتا ہے عینک کے موٹے شیشوں سے جھانکنے والی ان کی نگاہیں عمودی اور افقی سفر ایک ساتھ طے کرتی ہیں اور یوں ان سے ملنے والا پہلی سی ملاقات میں اپنائیت کے خوش گوار رشتوں کی گرفت میں آ جاتا ہے۔ لفظوں اور جملوں کو موقع و محل کی مناسبت سے طول دے کر وہ اپنی بے پناہ معلومات میں اشتراک کی دعوت دیتے ہیں بغیر بوجھ کے نامحسوس استفسار اور استفہام ان کے عالمانہ پندار کا مظہر ہے

Marfat.com

ملاقات کیا ہوتی ہے گویا مطالعہ کے لیے ایک مکتب سامنے آتا ہے اور مکالمہ کے ساتھ ساتھ اکثر دفترِ معانی کھلنے لگتا ہے۔

پروفیسر قریشی سے ملنے، انہیں سننے اور سنانے کے علاوہ میں نے انہیں پڑھا بھی ہے۔ ان سے ملاقاتوں میں ان سے رسم وراہ میں ان کے شخصی برتاؤ میں ان کے انتظامی رویہ میں ان کی تحریروں، تقریروں اور کتابوں میں قریشی صاحب دانش وآگہی اور تعلیم وتدریس کی دنیا کا گراں قدر اور کمیاب اثاثہ ہیں۔ علمی اور ادبی حوالے سے ان کی تحقیقی اور تخلیقی کاوشوں کا ایک اپنا اعتبار ہے اور منفرد حسن ہے۔ ثنائے خواجہ، یزداں گزاشتیم، حضور رسالت مآب کی مدح وثناء کا حق یزداں ہی ادا کرسکتا ہے کہنے والے نکتہ سنج شاعر غالب کی نفسیات غم لکھنے کے ساتھ سیرت نبوی کے منہاج پر قلم اٹھانا پروفیسر قریشی کا حصہ ہے۔ یہ ہمت طلب اور بہت بڑا کام بقول اقبال۔

مقامِ شوق تیرے قدسیوں کے بس کا نہیں

انہیں کا کام ہے یہ خبر کے حوصلے میں زیادہ شوقِ فضول وجراتِ رندانہ سے بھی آگے ایک اعلیٰ درجے کی وجدانی حوصلہ مندی سے تکمیل ہوسکتا ہے اور اس طرح کی وجدانی حوصلہ مندی پورے انسان کا مطالبہ کرتی ہے جس کا وجود اس عالمی گاؤں Global Village میں آہستہ آہستہ ناپید ہوتا جا رہا ہے۔ پروفیسر سمیع اللہ قریشی کا دم غنیمت ہے۔ خدا انہیں سلامت رکھے۔

جدید عہد میں خاص خاص شعبوں میں خصوصی مہارت Specialization حاصل کرنے کے میلان سے علم نے حیرت انگیز ترقی کی ہے لیکن میرا احساس ہے کہ اس سے انسانی شخصیت کی مختلف جہتوں میں توسیع وکشاد بھی متاثر ہوئی ہے۔ صدیوں پہلے ایک عالم بالعموم حیات وکائنات کے ہمہ جہت اور پہلو دار کل کو کسی حد یا کسی خاص حد تک جاننے والے کو کہتے ہیں۔ جس کے لیے حکیم کا لفظ استعمال ہوتا تھا یعنی اہلف اگر صاحب دانش یا حکیم ہے تو سائنس، ریاضی، فلسفہ، منطق، فلکیات، طب کی طرح وہ شعر وادب، اور دینی علوم سے بھی

Marfat.com

بہرہ ور ہو گا اس لیے اس کشادہ مزاج شخصیت کی کئی علمی جہتیں ہوتی تھیں۔ یہ صورت حال اب کے بڑی حد تک مفقود ہے لیکن پروفیسر سمیع اللہ قریشی کی طرح اب بھی کہیں کہیں وہ شخصیتیں مل جاتی ہیں جن کی حیثیت ایک جامع تہذیبی اور ثقافتی اکائی کی ہوتی ہے۔ پروفیسر قریشی علمی تنوعات کا خوبصورت مرقع ہیں۔ زبان وادبیات کے وہ استاد ہیں۔ ان کا نصابی مضمون عربی ہے لیکن فارسی، اردو، انگریزی پر بھی انہیں یکساں عبور حاصل ہے۔ اور ان کی ادبیات کا وہ کامل شعور رکھتے ہیں۔ پاکستانی زبانوں پنجابی، سرائیکی، پوٹھوہاری، ہندکو، سندھی، پشتو، بلوچی اور براہوی کے شعری سرمایہ اور ان کی عارفانہ فکری اساس کے سرچشموں سے وہ کما حقہ واقف ہیں۔ تاریخ، مذہب اور ثقافت کا مطالعہ وہ انسانی پس منظر میں اس طرح کرتے ہیں کہ حیات وکائنات کی جھڑپ میں انسان کی موجودگی ایک موثر جوہری قوت کے طور پر مسلم رہے۔ اقبال اور فلسفہ وجودیت ہو کہ غالب کی نفسیاتِ غم، سیرت نبوی کے منہاج ہوں کہ ان کے داستان شناسی، کے ضمن میں لکھے گئے مقالات پروفیسر سمیع اللہ قریشی کو آپ انسان شناسی کی ارفع کوشش میں مصروف پائیں گے۔ آدمیت، احترام آدمی، ان کا وظیفہ حیات ہے۔ انسان کو انسان سے روشناس کرانا۔ اسے ایک دوسرے کے قریب تر کرنا۔ اخوت اور یگانگت کے رشتوں کو فروغ دے کر عزت اور وقار کے ساتھ موجود سے مطلوب کی طرف قدم بڑھانا، جہاں محبت اور امن ہو۔ ان کی تحقیق اور تخلیق۔ دونوں کا مشترک آدرش اور متفقہ نصب العین ہے۔

Marfat.com

کچھ یادیں کچھ باتیں

خدیجہ ریاض

پروفیسر سمیع اللہ قریشی 1993ء تا 1995ء لگ بھگ دو برس ڈیرہ غازی خان ڈویژن میں بطور ڈائریکٹر تعلیمات کالجز تعینات رہے۔ آپ ایک ہمہ گیر شخصیت کے مالک ہیں۔ میں نے انہیں بطور منتظم، بطور استاد، بطور افسر اعلیٰ، بطور باپ اور بطور انسان بہترین پایا۔ آپ گوناگوں خوبیوں کے مالک ہیں۔ بطور ڈائریکٹر تعلیمات کالجز ڈی جی خان ڈویژن میں انہیں بے پناہ مصروفیات کا ہر وقت سامنا تھا لیکن ایسے علم دوست انسان تھے کہ اپنی مصروفیات میں وہ لکھنے پڑھنے کا کام کام بھی بطریق احسن انجام دیا کرتے اور ڈی جی خان کے تمام مردانہ وزنانہ کالجز میں وقتاً فوقتاً اپنا مطبوعہ پیغام پرنسپلز کو بذات خود بھجوایا کرتے تھے ان کے پیغامات علم کا خزانہ، وطن دوستی، نظم وضبط اور مستقبل کی باقاعدہ پلاننگ کی نصیحت پر مشتمل ہوتے تھے جنہیں پڑھ کر ہر انسان inspire ہوتا اور حیرت ہوتی کہ اپنی بے پناہ مصروفیات میں سے کیسے انہوں نے وقت نکالا اور اپنا پیغام شائع کروا کر اپنی نگرانی میں پچیس 25 پرنسپل خواتین وحضرات کو بھجوایا۔

آپ قائداعظمؒ کے پیغام اتحاد، ایمان اور تنظیم کی زندہ مثال ہیں۔ خود صبح سے لے کر شام تک ڈائریکٹریٹ میں موجود رہتے اور تمام پرنسپلز سے توقع رکھتے تھے کہ وہ بہترین خطوط پر اپنے اداروں کو چلائیں۔ ڈاک بہت جلد اور بروقت نکالتے اور اپنے ماتحتوں سے توقع کرتے کہ وہ بھی ڈاک بروقت ارسال کردیں۔

Marfat.com

انگریز افسروں میں جو بھی خوبیاں میں نے سن رکھی ہیں یا پڑھ رکھی ہیں وہ ان میں بدرجہ اتم موجود پائیں میں نے اپنی زندگی میں ان سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ وقت کی پابندی، نظم و ضبط، لکھنا لکھانا، ڈاک کی بروقت ترسیل اور اپنے فرض کو احسن طریق پر پورا کرنے کی کوشش کرنا میں نے انہی کی شخصیت سے متاثر ہو کر سیکھا ہے۔

کسی انگریز کا مقولہ ہے کہ لباس شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے میں نے قریشی صاحب کو لباس کے بارے میں بڑی نفیس طبیعت کا مالک پایا، ہر تقریب اور ہر موقع کی مناسبت سے لباس پہنا کرتے اور لباس کے بارے میں بہت محتاط رہتے تھے۔

کالجز میں نصابی سرگرمیوں کے علاوہ ہم نصابی سرگرمیوں کی بھی ترویج چاہتے تھے اور اکثر ان تقریبات کی سرپرستی فرمایا کرتے تھے۔ لکھنا تو ان کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا خود بہت اچھا لکھتے ہیں بہت پائے کے ادیب ہیں اور اگر کہیں اچھا لکھا ہوا پڑھنے کو مل جائے جی کھول کر داد بھی دیتے ہیں ان کی حوصلہ افزائی سے میں نے بھی بہت کچھ لکھنا شروع کر دیا۔

اگر کام ڈسپلن سے نہ ہوتا اور ضابطے اور قاعدے کی خلاف ورزی ہوتی تو بہت جلد غصہ میں آ جاتے۔ مجھے یہاں پر ان کا ایک واقعہ یاد آ رہا ہے کہ ہمارے کالج میں ایک دفعہ آئے تو گیٹ میں نیا آدمی چوکیدار تھا۔ اس نے ڈائریکٹریٹ کی جیپ دیکھ کر بھی ان سے سوال جواب شروع کر دیئے اور گیٹ کھولنے سے انکار کر دیا جس پر آپ بہت خفا ہوئے اور اسے فوری طور پر معطل کر دیا لیکن چند ہی دن بعد اس کے معافی مانگنے پر اسے فوری طور پر Reinstate بھی کر دیا۔ جس قدر جلد غصہ آیا اسی قدر جلد اتر بھی جاتا تھا۔ اپنے ماتحتوں سے کمال مہربانی سے پیش آتے اور ہر ایک کے مسائل میں ذاتی دلچسپی لیتے۔ جب تک کسی بھی شخص کا مسئلہ حل نہ ہو جاتا چین سے نہ بیٹھتے۔ اپنے وسائل میں رہ کر ہر پرنسپل کی ہر ممکنہ مدد فرمایا کرتے۔

ڈیرہ غازی خان ڈائریکٹریٹ میں انہوں نے اپنی شخصیت کے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ میرے خیال میں ان کے جانے کی کمی برسوں تک محسوس کی جاتی رہے گی۔ ابھی تک آپ

Marfat.com

کی شخصیت کا خلا پر نہیں ہو سکا ہے۔ اگر افسران ان جیسا رویہ اپنا ئیں اور ان کی طرح محب وطن ہوں تو ہم کبھی نا کام نہیں ہو سکتے۔ میری زندگی میں وہ ایک یادگار شخصیت ہیں۔ میں نے ان کی ذات سے بہت کچھ سیکھا ہے جو تمام زندگی میرے لیے سرمایہ ہو گا۔ خدا انہیں ہمیشہ صحت و توانائی اور طویل زندگی عطا کرے تا کہ وہ اسی شوق و لگن اور جستجو سے ملک و قوم کی خدمت کرتے رہیں۔

Marfat.com

ہمارے ڈائریکٹر صاحب

سعیدہ بانو خان

بعض لوگ کہتے ہیں۔ اگر صبح صبح اخبار نہ پڑھیں تو دن ادھورا معلوم ہوتا ہے لیکن میرے ساتھ ایسا ہرگز نہیں البتہ اخبار کی ورق گردانی ضرور کرتی ہوں۔ 1993ء اگست کی کوئی انیس بیس تاریخ ہوگی۔ اخبار کی ایک خبر نے چونکا دیا۔ وہ خبر تھی پروفیسر سمیع اللہ قریشی کی ڈیرہ غازی خان ڈویژن میں بطور ناظم تعلیمات (کالجز) تعیناتی۔ جو کوئی انہونی بات تو نہیں تھی۔ البتہ کسی قدر چونکنے والی بات ضرور تھی۔ ان کے پیشرو کو ابھی یہ منصب سنبھالے ہوئے ایک مہینہ بھی پورا نہیں ہوا تھا۔ خبر پڑھتے ہی دل سے دعا نکلی۔ خدایا ناظم صاحب باہر سے تشریف لا رہے ہیں۔ وہ اس ڈویژن کو پسماندہ ہونے کے ناطہ دیگر سرکاری ملازمین کی طرح کالا پانی نہ سمجھیں بلکہ دلجمعی سے کام کریں اور اس ڈویژن کے لیے مبارک ثابت ہوں۔ شاید یہ قبولیت کی گھڑی تھی جو خدا سے مانگا ویسا ہی ناظم اس پسماندہ ڈویژن کی آبیاری کے لیے ہمیں ملا۔

28 اگست 1993ء ہمارے نئے ناظم تعلیمات پروفیسر سمیع اللہ قریشی نے گورنمنٹ کالج ڈیرہ غازی خان میں پرنسپل صاحبان کی میٹنگ طلب کی۔ جس میں تمام پرنسپل صاحبان نے حاضر ہونا تھا اور ہوئے بھی۔ یہ میٹنگ کیا تھی۔ گویا ناظم صاحب اور پرنسپل صاحبان کا تعارف تھا۔ قریشی صاحب نے جس خوبصورت اور میٹھے لہجہ میں ہم سب کا ڈیرہ غازی خان آنے پر شکریہ ادا کیا۔ وہ ان کی اعلیٰ ظرفی کا ثبوت تھا جو تاحیات یاد رہے گا۔ یہ ہمارے لیے پہلا موقع

Marfat.com

تھا جو ہماری اتنی پذیرائی ہوئی۔ اپنی تعارفی تقریر پروفیسر صاحب نے کچھ اس انداز سے کی جس سے ان کے تعلیمی دور سے لے کر ناظم تعلیمات تک "جذبہ حب الوطنی' اعلیٰ مدبر، بلند پایہ ادیب، تحقیق ومطالعہ سے لگاؤ، شاعری اور قائدانہ صلاحیتیں روز روشن کی طرح عیاں ہوگئیں۔

پروفیسر صاحب نے اپنے پیشے کے بارے میں بتایا کہ میں اس پیشہ یعنی معلمی میں حادثاتی طور پر نہیں آیا بلکہ میں نے سوچ سمجھ کر یہ پیشہ اختیار کیا ہے۔ مجھے کبھی یہ گلہ نہیں ہوا کہ حالات مجھے یہاں لائے ہیں میں اس طرف آنا چاہتا تھا اور میرا یہ پیشہ میرے مزاج کے مطابق ہے میں بلکہ ہم سب اصل میں پہلے پروفیسر اور بعد پرنسپل یا ناظم تعلیمات وغیرہ وغیرہ ہیں اور میری اسی چیز نے مجھے اپنا ایک انداز تربیت بخشا ہے جس کی وجہ سے میں آج اس مقام پر آپ کے سامنے ہوں۔

جذبہ حب الوطنی کو لیجیے تو آپ اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ انہوں نے خود کہا۔ اس ملک کو جتنی قربانیاں دے کر ہم نے حاصل کیا ہے۔ میں خود اس کا گواہ ہوں۔ اگرچہ بہت چھوٹا تھا میں اس وقت لیکن ہر بات ایسے معلوم ہوتی ہے جیسے کل ہی سب کچھ ہوا ہو۔ اس وجہ سے مجھے اس کے چپے چپے سے پیار ہے اور اس ملک کا ہر گوشہ میرا گھر ہے ڈیرہ غازی خان جہاں میں پہلے کبھی نہیں آیا تھا لیکن اب آیا ہوں تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ازل سے یہاں ہوں اور آپ سب لوگ میرے بھائی اور بہنیں ہیں۔ میں اپنے گھر میں رہتے ہوئے جو فرائض منصبی مجھے سونپے گئے ہیں۔ ان کو بطریق احسن پورا کرنے کی کوشش کروں گا۔ جس میں آپ لوگ میرے ساتھ میرے بازوؤں کا کام دیں گے پھر فرداً فرداً سب پرنسپل صاحبان نے اپنا اپنا مختصر تعارف کرایا۔ ازاں بعد آپ نے مرد پرنسپل صاحبان اور خواتین پرنسپل سے الگ الگ ان کے مسائل سنے اور کہا۔ اگر آپ کو کوئی مسئلہ درپیش ہو آپ لوگوں کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ آپ کا بڑا بھائی دفتر میں موجود ہے۔ آپ ایک خط ڈال دیں انشاءاللہ آپ کے تمام مسئلے حل ہوکر رہیں گے اور واقعی پروفیسر صاحب نے ایسا ہی کیا۔ پورے دو سال ہر مسئلہ کالج

Marfat.com

میں ہوتے ہوئے حل ہو گیا۔

علم کا شوق اور مادرِ علم سے محبت کا جذبہ اجاگر کرنے کے لیے پروفیسر صاحب نے اس بات پر زور دیا کہ آپ لوگ بحیثیت ایک استاد اور بحیثیت ایک پرنسپل اپنے اداروں کے طلباؤ طالبات میں علم کا شوق اور مادرِ علمی سے محبت کا جذبہ پیدا کریں۔ سب سے بڑا ہتھیار وہی ہوتا ہے جو محبت کے ذریعے اپنے تمام کام کرتا ہے۔ جب تک مادرِ علمی سے محبت نہیں ہوگی۔ اس وقت تک ہملوگ اپنے علم سے وہ نتیجہ حاصل نہیں کر سکیں گے جو ہماری ملکی ضرورت ہے۔ محبت وہ جذبہ ہے یا وہ ہتھیار ہے جس سے بڑے بڑے معرکے سر کیے جا سکتے ہیں۔ اسی جذبہ کے تحت اپنے فرائض جو آپ کو سونپے گئے ہیں خود بھی پورے کریں اور اپنے اساتذہ اور طلباء سے بھی پورا کرانے کی کوشش کریں۔ نصابی سرگرمیوں کے ساتھ ہم نصابی سرگرمیوں کو جنہیں عام طور پر غیر نصابی سرگرمیاں کہا جاتا ہے۔ اس کی طرف توجہ دیں۔ اپنے اداروں میں کالج مونوگرام کو نمایاں جگہ جو راستے میں رکاوٹ بھی نہ بنے اور آنے والے کی پہلی نظر اس پر پڑے وہ بنوائیں۔ کالجوں میں مختلف نمائشوں کا اہتمام کریں تاکہ طلباء میں پڑھائی کے ساتھ ساتھ زندگی کے دوسرے پہلو نمو پائیں۔ غرضیکہ انہوں نے اپنی تعارفی تقریر میں ''نرم دم گفتگو گرم دم جستجو'' کے مصداق تمام باتیں اس طرح کیں جو ہمارے دلوں پر نقش ہو گئیں اور ان سے ہم لوگوں نے وہ کچھ سیکھا جو اس سے پہلے کسی ناظم نے نہیں بتایا تھا۔

یہ اس ڈویژن کی خوش بختی تھی جو پروفیسر سمیع اللہ قریشی جیسا بلند کردار، خوش گفتار، علم کا رسیا، اسلام کا شیدائی اور تحقیق سے دلچسپی رکھنے والا ناظم بڑے عرصے بعد ملا جن کی رہنمائی میں اس ڈویژن نے دو سالوں میں وہ کارہائے نمایاں دکھائے جو گزشتہ گیارہ سال میں نہ دکھا سکے۔ پروفیسر صاحب کا انداز گفتگو بے حد سلجھا ہوا اور شستہ ہے۔ دوسروں سے بھی شائستگی والی گفتگو پسند کرتے ہیں۔ اس کی ایک مثال ہے۔ ایک دفعہ کچھ لوگ دفتر میں آپس میں مصروف گفتگو اور ایک دوسرے کو جھوٹا ثابت کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ آپ کو انکا انداز گفتگو کچھ

Marfat.com

اچھا نہیں لگا اور کہا کہ آپ پڑھے لکھے لوگوں کو ایسے نازیبا الفاظ استعمال نہیں کرنے چاہئیں۔ آپ ایسے بھی کہہ سکتے ہیں کہ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ کام بھی بن جائے اور بات بھی شائستہ ہو۔ خود بھی اچھی گفتگو کرتے اور دوسرے سے بھی وہی توقع رکھتے۔ یہ تو تھا ان کے سمجھانے کا انداز۔

پروفیسر صاحب نے اپنے آپ کو صرف دفتر تک محدود نہیں رکھا بلکہ ڈویژن کے ہر کالج میں چاہے اس کا فاصلہ کتنا ہی زیادہ ہو۔ وہاں بروقت خود پہنچے تاکہ موقع پر جا کر مسائل دیکھیں اور ان کا حل اس کے مطابق کریں۔ کچھ ایسے مسائل جن میں فنڈز وغیرہ کی کمی ہوتی تو وہاں کے مخیّر حضرات سے خود مل کر ان کے مسائل حل کراتے۔ ایسی محبت اور نرمی سے گفتگو کرتے کہ نہ دینے والا بھی دل کھول کر دیتا۔ ان کے اس طرزِ گفتگو اور انداز سے تمام اداروں نے بہت کچھ سیکھا۔

پروفیسر صاحب کی ہم نصابی سرگرمیوں کی ترغیب نے اپنا اثر دکھایا اور ہر کالج میں نصابی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ ہم نصابی سرگرمیاں عروج پر تھیں۔ کسی کالج میں پاسنگ آؤٹ، کہیں مینا بازار، کہیں مشاعرہ، کہیں کانووکیشن، کہیں سالانہ کھیلیں، کہیں یومِ پاکستان اور کہیں سنگ بنیاد کی تقریب جہاں کہیں وہ پروگرام ہوتا۔ ہر ادارے کی خواہش ہوتی۔ پروفیسر صاحب کو مدعو کریں۔ آپ نے بھی ان سب کی خواہش کا احترام کیا اور اپنی گوناگوں مصروفیت میں سے وقت نکال کر اداروں کی حوصلہ افزائی کی اور اس تقریب کی رونق کو دوبالا کیا۔ تقریب اور قریشی صاحب لازم وملزوم رہے۔ جہاں کوئی پروگرام ہوتا، قریشی صاحب کو مدعو کرنا ادارے کی اولین خواہش ہوتی۔

پھول کھلتے ہیں تو ہم سوچتے ہیں
تیرے آنے کے زمانے آئے

تقریب ختم ہونے کے بعد اپنے تاثرات اس کمال سے بیان کرتے کہ محفل پر چھا

Marfat.com

جاتے۔ تقریر کا فن تو قریشی صاحب پر جیسے ختم۔ ایسا محسوس ہوتا کہ جیسے وہی کارروائی خوبصورت انداز میں دوہرائی جا رہی ہو۔

پروفیسر سمیع اللہ قریشی ایک دردمند دل رکھنے والی شخصیت ہیں۔ انہوں نے افسر و ماتحت کا کبھی کوئی فرق نہیں رکھا۔ ہر ایک کے درد کو اپنا درد سمجھا اور ہمیں بھی ایک دوسرے سے میل ملاپ اور باہمی تعاون کی تلقین کی۔ ہماری ایک سینئر پرنسپل صاحبہ کا اپریشن ہوا۔ خود اس کی بیمار پرسی کے لیے گئے اور ہم سب کو کہا آپ کی بہن بیمار ہیں۔ لہذا آپ سب فون پر یا خط لکھ کر ان کا حال ضرور دریافت کریں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی پرنسپل کسی مجبوری کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکتا تو ان کے نمائندے سے حال دریافت کرتے اور پھر فون کر کے خود بات بھی ضرور کرتے۔

ان کی سب سے بڑی خوبی اور خوبصورت بات کتاب سے محبت، کتاب سے عشق کی حد تک لگاؤ ہے جس کالج میں جاتے سب سے پہلے اس کالج کی لائبریری کا جائزہ لیتے۔ اگر ہر مضمون میں کتابوں کا تناسب برابر ہوتا تو بہتر۔ ورنہ یہ کہہ دیتے اس مضمون میں کتابیں کم ہیں یا آپ کی کتابوں کا ذخیرہ بہت اچھا ہے۔ ہر فرد اساتذہ، طلباء کو اچھی کتابوں کے پڑھنے کی تلقین کرتے۔ اگرچہ خود اسلامیات کے پروفیسر ہیں مگر انہوں نے اپنے علم کو صرف وہاں تک محدود نہیں رکھا۔ بلکہ ان کی نظر ادبیات، سیاسیات، تاریخ، عمرانیات، ملک کی تہذیبی نشو و نما پر بہت گہری ہے۔ سیاسی شخصیات میں قائداعظم اور شاعروں میں غالب، علامہ اقبال، فیض، آرٹ میں چغتائی آرٹ کے شیدائی ہیں۔ آپ ایک بلند پایہ ادیب اور شاعر بھی ہیں۔ اردو، انگریزی، پنجابی میں لکھتے ہیں اور خوب لکھتے ہیں۔ تحقیق سے بہت زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں۔ تحقیقات کر کے کئی کتابیں لکھی ہیں۔ جو کچھ تحقیقات کر کے لکھا اس پر انعام حاصل کیا۔

پروفیسر صاحب کی کتنی ہی مصروفیات زیادہ ہوں لیکن سوتے وقت مطالعہ کی عادت اور کچھ نہ کچھ پڑھنا ان کا شعار ہے۔ پڑھے بغیر سو نہیں سکتے۔ اس مطالعہ میں سے کچھ ایسی چیزیں جس کو چاہتے دوسروں تک پہنچائیں وہ بذریعہ غیر رسمی خط تمام ڈویژن کے پرنسپل صاحبان کو

Marfat.com

روانہ کرتے اور اس میں پیغام دیتے کہ یہ پیغام مجھ سے آپ، آپ سے اساتذہ تک، اساتذہ سے طلباء تک پہنچے۔ میں نے ان کے تمام پیغامات جو مجھ تک پہنچے۔ وہ اپنے طلباء اور رفقائے کار تک ضرور پہنچائے۔ پروفیسر صاحب کہتے ہیں وہ گھر گھر نہیں لگتا جس میں کتاب نہ ہو۔ اس کا منہ بولتا ثبوت ان کے گھر میں ان کی اپنی لائبریری ہے۔ پروفیسر صاحب کی بہت اچھی لائبریری ہے اور اس میں ہر موضوع پر نادر کتاب موجود ہے۔ جس کو دیکھ کر پروفیسر صاحب کے ذوق کی داد دی جاتی ہے اور دل خوش ہوتا ہے ایسی نادر کتابیں تو بعض بڑی بڑی لائبریوں میں بھی نہیں ہیں۔

کتب پڑھنے اور لکھنے کی تلقین بھی کرتے ہیں ان کا انداز گفتگو ایسا ہے کہ ہر کوئی متاثر ہوتا ہے۔ خاص طور پر میں نے تو بہت ہی زیادہ اثر لیا ہے پڑھنا اور لکھنا اپنا شعار بنایا ہے لکھنے کا پہلا تجربہ آپ کے سامنے ہے۔

سنتے آئے ہیں نام کا شخصیت پر بہت اثر ہوتا ہے جس کا منہ بولتا ثبوت پروفیسر سمیع اللہ قریشی ہیں۔ ہر ایک چھوٹے بڑے کی بات بڑے غور سے سنتے ہیں۔ مکمل خیر خواہی اور اعانت کرتے ہیں اور اس خیر خواہی اور اعانت کے سبب ہی آج تک جب کہ آپ کو یہاں سے تبدیل ہوئے قریباً سات ماہ کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اس کے باوجود اس ڈویژن کے تمام پرنسپل، پروفیسر صاحبان اداروں کے طلباء وطالبات اور جن جن سے یہاں پر آپ کا رابطہ رہا ہے۔ وہ آپ کو بڑے اچھے انداز میں اور اکثر مواقع پر خاص طور کسی فنکشن پہ یاد کرتے ہیں اور اگر کوئی مسئلہ ہو تو معاونت چاہتے ہیں یعنی گورنمنٹ اسلامیہ کالج (ریلوے روڈ) لاہور سے جا کر حاصل کرتے ہیں کیونکہ گریڈ بیس ملنے پر آپ کو وہاں تبدیل کر کے تعینات کیا گیا ہے۔

ہر سربراہ ادارہ کو پروفیسر صاحب تلقین کرتے رہے۔ آپ لوگ اپنے کالجوں کے میگزین ہر سال چھپوایا کریں۔ وہ کالج جن کی تعداد طلباء بہت کم ہے اور فنڈز اجازت نہیں دیتے۔ وہ کالج نامہ ہی چھپوالیا کریں۔ ان کی اس خواہش کا احترام بھی بعض کالجوں نے خوب

Marfat.com

خوب کیا۔ اچھی بات اور اچھے انداز میں کہی ہوئی بات اثر ضرور کرتی ہے۔ سو ہمارے ڈویژن میں بھی ایسا ہی ہوا۔ گورنمنٹ کالج تونسہ نے کالج نامہ چھپوایا۔ خواتین کالجوں میں کوٹ ادو، جام پور اور لیہ والوں نے میگزین چھپوائے۔ بقول پروفیسر صاحب کالج نامے اور میگزین ادارے کی شناخت ہوتے ہیں اور جب کسی ادارے نے کچھ کر دکھایا یا مذکورہ بالا اداروں نے کچھ کوشش کی اور آپ نے ان کی جتنی حوصلہ افزائی کی اس سے باقی لوگوں نے بھی جرات کی اور میگزین چھپوائے۔ گورنمنٹ کالج راجن پور کی پہلی اشاعت ''رودکوہی'' اور گورنمنٹ کالج برائے خواتین کروڑ لعل عیسن کی پہلی اشاعت ''ندا'' پروفیسر سمیع اللہ قریشی کی معاونت کا نتیجہ ہے۔ ان دونوں کالجوں کو آپ نے ایوارڈ بھی دیئے۔

پروفیسر صاب کے اہل خانہ پر بھی ان کی گہری چھاپ رہی ہے۔ ان کی اہلیہ باجی نصرت بھی دردمند دل رکھتے ہیں اور سگھڑ خاتون ہیں۔ ان کو ملنے اور ان کے گھر جا کر ان کے گھر کا اسلوب حیات، خاطر داری، وضع داری، تہذیبی رکھ رکھاؤ اور معاشرتی آداب کا مظاہرہ دیکھ کر بہت خوشی ہوتی ہے۔ پروفیسر صاحب کے جگر پارے بھی اپنی مثال آپ ہیں۔ بڑے پرخلوص اور محبت کرنے والے ہیں۔ یہ سب کچھ پروفیسر صاحب کی تربیت کا نتیجہ ہے۔

پروفیسر صاحب کے دوٹوک انداز میں بات کرنے کا چلن بہت اچھا لگتا ہے۔ آپ طبقاتی اونچ نیچ کو غیر اسلامی فعل سمجھتے ہیں جہاں تک پروفیسر صاحب کے اپنے مضمون کا تعلق ہے وہ اس کے ماہر ہیں اسلامی تہذیب پر جتنے بہرہ ور ہیں اور اپنے علم کو جس انداز سے دوسروں تک پہنچاتے ہیں وہ بہت کم لوگوں سے ملتا ہے۔

غرضیکہ پروفیسر سمیع اللہ قریشی جیسے بلند کردار علم کے مینار، انسان دوست شخصیت کے بارے میں جتنا کچھ بھی تحریر کیا جائے کم ہے۔ خداوند کریم انہیں ہمیشہ ہمیشہ خوش رکھے۔ (آمین)

Marfat.com

میرا صاحب

ریاض احمد خان

میں مسمی ملک ریاض احمد ڈرائیور راجن پور گرلز کالج سے مورخہ 93-10-26 کو ٹرانسفر ہو کر ڈیرہ غازی خان میں بطور ڈرائیور نظامت تعلیمات کالجز کی جیپ پر آیا جہاں کے سربراہ ڈائریکٹر پروفیسر سمیع اللہ قریشی تھے۔ جن کے ساتھ میں نے چودہ ماہ گزارے۔ اب انہی کی مہربانی اور احسانات کی وجہ سے میں گرلز کالج ڈی جی خان میں بطور ڈرائیور اپنی ڈیوٹی سرانجام دے رہا ہوں کیونکہ پروفیسر صاحب اپنے ہوتے ہوئے مجھے گرلز کالج ٹرانسفر کرا گئے تھے کیونکہ مجھے گردے میں پتھری کی تکلیف تھی۔ اکثر میں درد کی وجہ سے دوران سفر ان کو پریشان کیا کرتا تھا مگر پروفیسر صاحب جب میری تکلیف کو دیکھتے تو فوراً کسی ڈاکٹر کے پاس لے جاتے اور جیسے اپنے بیٹوں کے ساتھ رویہ تھا میرے ساتھ بھی وہی بیٹوں جیسا خیال رکھتے تھے۔ دوران سفر میرا ہر قسم کا خیال رکھتے تھے کبھی بھی کسی چیز کی کمی محسوس نہیں ہونے دیتے۔ اپنے گھر میں کھانا خود میرے لیے لاتے تھے پانی بھر کر دیتے تھے۔ میں دل میں شرمسار ہوتا کہ گریڈ 20 کا آفیسر میری لیے کھانا وانا پانی بھر کر دیتا تھا۔ ایسے عظیم انسان کی میں جتنی تعریف کروں بہت کم ہے اللہ جل شانہ ان کو ہمیشہ خوش وخرم شاد آباد رکھے لیکن میری مجبوری تھی کہ درد کی وجہ سے ان سے عرض کی کہ صاحب کسی کالج میں ٹرانسفر کرا دیں۔ انہوں نے خود تکلیف برداشت کی تھی مگر میرا ٹرانسفر کر دیا تھا۔ ان کو احساس تھا کہ ریاض احمد خان خاندانی آدمی ہے اچھا ہے انہوں نے

Marfat.com

ان چودہ ماہ میں میرا بڑا ہی خیال رکھا۔ ان کے اہل وعیال نے بھی مجھے اپنا بیٹا سمجھا تھا۔ بڑا خیال رکھتے تھے۔ میں کبھی بھی ٹرانسفر نہ کراتا کیونکہ پروفیسر سمیع اللہ قریشی جیسے ڈائریکٹر دوبارہ ڈی.جی خان میں نہیں آسکتے۔ وہ تو فرشتہ سیرت انسان ہیں میں ہر لمحہ ان کے لیے دعا کرتا ہوں کہ پروفیسر صاحب ہمیشہ شاد وآباد رہیں۔ انکی مجھ پر بڑی مہربانی اور احسانات ہیں جو میں کبھی نہ بھلا پاؤں گا۔ ان کے ساتھ میرے جو سفر گزرے ہیں وہ میری زندگی کے حسین ترین سفر ہیں۔

اللہ جل مجدہ ان کو خوش رکھے۔ آمین۔

ایک بات بھول گیا۔ پروفیسر صاحب جب بھی میرے ساتھ گئے کھانے کے دوران پہلے خود نہیں کھاتے تھے کسی کو کہہ کر پہلے میرے ڈرائیور کو بلاؤ پھر میں کھانا کھاؤں گا یا پھر اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے۔

میں نے بڑے بڑے آفیسر اب تک دیکھے ہیں مگر یہ فرشتہ سیرت انسان مجھے ڈھونڈنے سے نہیں ملے گا۔

ایک بات اور یاد آگئی سفر میں آپ حضرت خواجہ غلام فرید رحمتہ اللہ علیہ کی کافیاں سنا کرتے تھے۔ دو تین کافیاں کیسٹ میں بھری ہوئی تھیں۔ وہ بار بار لگاتے اور خاموش سنتے رہتے تھے۔ پھر کہتے لگتا ہے مجھ پر بارش ہو رہی ہے۔ جس کالج میں جانا ہوتا جو وقت دے رکھا ہوتا کہتے میں عین وقت پر کالج کے دروازے پر ہونا چاہتا ہوں۔ ایسا ہی ہوتا ایسا ہی کرتے جس جگہ جاتے خوب بھاگ دوڑ پڑ جاتی تھی۔ زمانہ کالج میں پروفیسر کہا کرتی تھیں یہ اچھا افسر ہے عین وقت پر آجاتا ہے مگر آپ ناراض نہیں ہوتے تھے۔ اللہ انہیں جہاں رکھے خوش رکھے۔

Marfat.com

پروفیسر سمیع اللہ قریشی: ایک پیاری شخصیت

سلیم احمد صدیقی

پروفیسر سمیع اللہ قریشی...... سبحان اللہ! اُن کا نام لیتے ہی ایک خوش لباس، خوش اطوار، متواضع، ملنسار، مرنجاں مرنج، منکسر المزاج، مہربان اور دھیمی طبیعت سے رچی شخصیت دھیان میں آ بستی ہے اور آپ اس شخصیت کے کچھ دیکھے کچھ ان دیکھے سحر میں گم ہو جاتے ہیں۔ میں خود کو خوش نصیب سمجھتا ہوں کہ انہوں نے اپنی خوبصورت ملازمت کا آخری سال اسلامیہ کالج، لاہور کے پرنسپل کی حیثیت سے ہمارے ہاں گزارا جہاں میں اس وقت پوسٹ گریجویٹ شعبہ انگریزی کے سربراہ کی حیثیت سے اپنے فرائض منصبی ادا کر رہا تھا۔ انہوں نے پہلی ہی ملاقات میں میرا دل موہ لیا اور اس بات میں قطعاً کوئی مبالغہ نہیں کہ انہوں نے رفتہ رفتہ وائس پرنسپل سے لے کر کالج کے چوکیدار تک ہر کس و ناکس کا دل موہ لیا تھا! وہ اتنی نرمی اور خلوص کے ساتھ آپ سے گفتگو کرتے ہیں کہ آپ ان کی محبت کے اسیر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے!

قریشی صاحب کی ایک اہم صفت مختلف مثبت اور تعمیراتی کاموں کے سلسلے میں اُن کی سیماب پائی ہے جسے بروئے کار لاتے ہوئے انہوں نے خاصے عرصے سے نیم منجمد اور ہم نصابی سرگرمیوں کے لحاظ سے نیم مردہ کالج میں زندگی کی ایک نئی روح پھونک دی۔ تمام سوسائٹیوں کے اجلاس باقاعدہ ہونے لگے، تمام ٹیموں نے کھیلوں کی پریکٹس شروع کر دی اور ان تمام سرگرمیوں میں نہ صرف کالج کے اساتذہ اور طلبا باقاعدہ شریک ہونے لگے بلکہ بعض

Marfat.com

اوقات باہر سے معززین بھی شریک ہونے لگے۔

کالج کے اساتذہ میں نظم و ضبط پیدا کرنے کا ان کا اپنا ایک رومانی طریق کار تھا۔ کالج راؤنڈ کے دوران جب وہ کسی کلاس میں پروفیسر کو غیر حاضر پاتے تو اس کی کلاس میں چلے جاتے اور درس و تدریس کا سلسلہ کسی نہ کسی حوالے اور موضوع سے شروع کر دیتے۔ اگلے روز جب متعلقہ پروفیسر صاحب موصوف کو پتا چلتا تو وہ خود ہی آئندہ کے لیے اپنے رویے کو بہتر بنا لیتے۔

طلبا۔ کے تعلیمی اداروں میں پکنک یا تعلیمی اور تفریحی ٹورز زندگی کا ایک خوبصورت حصہ ہوتے ہیں۔ جب بھی کبھی ایم۔ اے انگریزی کے طلباء و طالبات کسی تفریحی/تعلیمی دورے پر جاتے تو قریشی صاحب نہ صرف دفتری مراحل کو ہم سب کے لیے آسان تر بنا دیتے بلکہ ہمارے ساتھ جا کر عملی طور پر شفقت اور محبت کا مظاہرہ فرماتے۔ ایک دفعہ مجھے یاد کر کے کہنے لگے کہ اگر طلبا و طالبات ایک مختصر سے دورے پر جہانگیر کے مقبرے چلے چلیں تو کیسا رہے گا؟ چنانچہ ایک پروگرام ترتیب دیا گیا جو شرکاء کو مدتوں یاد رہے گا۔ اسی طرح کالج میں ایک بار "شام افسانہ" منانے کا اہتمام کیا گیا جس میں کالج کے افسانہ نگار طلبا طالبات اور اساتذہ کرام نے اپنی نگارشات پڑھیں۔ شرکا کو وہ تقریب بھی اب تک یاد ہے!

قریشی صاحب میں ایک اور بہت اچھی بات جو میں نے دریافت کی' یہ تھی کہ کسی کام یا منصوبے کا ان کے خیال سے گزر ہوا تو انہوں نے چھوٹی سی' چٹ پر ایک رقعہ لکھ کر اس وقت چپڑاسی کے ہاتھ متعلقہ فرد کو بھجوا دیا اور یہ رقعہ عموماً اس طرح شروع ہوا کرتا تھا "یار! اگر یوں کر لیا جائے تو کیسا رہے گا۔" ایسے پرنسپل اور رفقائے کار اب کہاں ملیں گے؟

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آپ کے وجود کی برکت سے پورا کالج زندہ ہو گیا تھا' کہیں مشاعرہ برپا ہے' کہیں مباحثہ ہو رہا ہے' کسی شام کو کھیلوں کا مقابلہ ہو رہا ہے۔ کالج گزٹ بہ التزام شائع ہونے لگا تھا اور قریشی صاحب کے یکسالہ قیام کے دوران کالج میگزین کریسنٹ

Marfat.com

کے دو شمارے نکلے۔ (یہ ایک جملہ معترضہ سمجھ لیں کہ اس کے بعد آج تک یعنی 2002ء کے مئی تک چھ سات سال ہونے کو آئے لیکن ایک بھی شمارہ نہیں نکلا)!

اپنے قلیل قیام کے دوران انہوں نے اپنے تمام رفقائے کار اور ماتحتوں کے دل اپنی مٹھی میں کر لیے تھے۔ ہر ایک سے حسب حال گفتگو فرماتے تھے اور اس کے دکھ سکھ میں شریک رہتے تھے۔ اسی زمانے میں میں نے اپنے ایک بیٹے اور بیٹی کی شادی کی۔ مجھ سے موصوف بعد ازاں بڑی محبت سے پوچھا کرتے تھے "سناؤ یار! بیٹی کی طرف سے ٹھنڈی ہوا آ رہی ہے نا؟" دلجوئی اور محبت کا یہ انداز میں نے صرف قریشی صاحب کے کردار میں پایا!

قریشی صاحب کو جھنگ واپس گئے کئی سال ہونے کو آئے لیکن ان سے خلوص و محبت کا وہ سلسلہ ابھی تک قائم ہے اور اللہ نے چاہا تو جیتے جی قائم رہے گا۔ جب کبھی قریشی صاحب لاہور تشریف لاتے ہیں تو خاکسار کو شرفِ ملاقات بخشتے ہیں اور میں ان کی شفقت پا کر نہال ہو جاتا ہوں اور اللہ پاک کا شکر ادا کرتا ہوں۔

قریشی صاحب کی ریٹائرمنٹ کی (الوداعی) پارٹی میں میں نے ایک نظم سنائی تھی۔ ممکن ہے کہ وہ نظم ان کی ذاتی یادداشتوں کے خانے میں کہیں رکھی ہو۔ اگر رکھی ہے تو میری خواہش ہے کہ قریشی صاحب اس کی ایک فوٹو کاپی میری اس ٹوٹی پھوٹی نثر کے اختتام پر لگوا دیں تا کہ ان کی شخصیت کے بارے میں اس خاکسار کا تاثر اور واضح ہو کر سامنے آ سکے۔

Marfat.com

عزیز و محترم پروفیسر سمیع اللہ قریشی صاحب کی نذر!

سلیم احمد صدیقی

مرے ہم نوا، مرے ہم نفس، مرے پرنسپل
تری نذر ہیں، ہوئے ٹوٹے پھوٹے جو شعر کل
مجھے ہے یقین، تجھے اس سے بے خبری سہی
سرِ شاخِ نُور و سرور و دانش و آگہی
ابھی علم و فضل کے اور پھل کئی آئیں گے
کئی آ چکے ہیں پرنسپل، کئی آئیں گے
مجھے لگ رہا ہے کہ تجھ سا کوئی نہ آئے گا
مرا دل کسی میں وہ حسنِ شوق نہ پائے گا
جو مِلا ہے تیرے جمالِ سادہ مزاج میں
جو رچا ہے یاں ترے ایک سال کے راج میں

وہ حسین دن بھی رہے گا یاد مجھے سدا
کہ تو شہ درے کے لیے رفیقِ سفر بنا
وہاں سارا دن رہے مقبرہ جہانگیر میں

Marfat.com

تری گفتگو کہ گندھی تھی شکر و شیر میں
وہاں ایم۔اے کے سبھی لڑکے لڑکیاں ساتھ تھے
وہاں خوب سیر کے ہم سبھی نے لیے مزے
وہاں کھانے پینے کے بعد خوب ہی گپ لگی
کبھی بوتل اور کبھی چائے، اور کبھی شاعری

اک عجب سا رنگ لیے وہ ''شامِ فسانہ'' تھی
کہ جو پڑھنے والوں کی تربیت کا بہانہ تھی
وہ مشاعرہ بھی اِسی قبیل کی چیز تھا
کہ وہ ہم سبھوں کے لیے جو حسنِ تمیز تھا

مرے دل پہ نقش رہیں گی تیری وہ شفقتیں
نہیں بھول پاؤں گا میں وہ تیری رفاقتیں
ترا دھیرے۔ دھیرے وہ دھیمے لہجے میں بولنا
وہ ہر ایک لفظ کو اپنے ذہن میں تولنا
وہ عجیب پیار سے ہم سے کہنا کہ ''صاحبو!
نہ ہو زحمت اس میں جو کوئی تو کبھی یوں کرو''
مرے شانے پر وہ رفاقتوں سے بھری تھپک
کوئی شک نہیں مجھے یاد آئے گی دیر تک!

ترا پیار سے مرا ذاتی نام پکارنا

Marfat.com

مرے حسنِ ذوق کو چاندنی سے نکھارنا
ترے سارے لفظ محبتوں میں بسے ہوئے
ترے سب خیال نفاستوں سے سجے ہوئے
مرے بیٹے بیٹی کے بارے میں ترا پوچھنا
کہ "ہوا ہے ٹھنڈی ہوا کا کوئی دریچہ وا؟"

مرے شعبے میں کبھی تیرا آنا وہ پیار سے
وہاں ساتھ بیٹھ کے چائے پینا وقار سے
وہ بٹھا کے پہلو میں پیار سے، کبھی روبرو
وہ نپی تلی سی ادب کے بارے میں گفتگو
کبھی ننھے ننھے سوال چِٹ پہ لکھے ہوئے
مگر التفات کا حُسنِ ذوق لیے ہوئے
نہیں بھول پاؤں گا تیرا تحفہ کتاب کا
کہ یہ کام ہے مرے دین میں تو ثواب کا
کبھی یاد تجھ کو میں کرسکوں یہ لکھا بھی ہے
تجھے دل سے کوئی بھلا سکے، بھلا کیسے ہے

مری اپنے رب سے ہے یہ دعا ترے واسطے
کہ وہ یاں بھی، اور وہاں بھی تیرا بھلا کرے!
تری نذر میری عقیدتوں کے نصاب سب!
تری نذر میری محبتوں کے گلاب سے!

Marfat.com

ہمارے نئے سربراہ ادارہ

چوہدری نورالحسن

پروفیسر سمیع اللہ قریشی نے بطور پرنسپل اسلامیہ کالج 21 جون 1995ء کو چارج سنبھالا مگر میری ان کی ملاقات یکم ستمبر 1995ء کو ان کے دفتر میں ہوئی۔ پہلی ملاقات چند منٹوں پر مشتمل تھی مگر پہلا تاثر یہ تھا کہ ایک پڑھی لکھی علمی شخصیت کالج میں بطور پرنسپل کے آئی ہے اور ایسا معلوم ہوا کہ ہمارے پاکستان میں جو کچھ تہذیب باقی ہے اس کا وہ سرمایہ ہیں آہستہ آہستہ آپ سے ملاقاتوں میں آپ کی شخصیت کے اور پہلو آشکار ہوتے گئے۔ فرسٹ ایئر کے طلبہ سے خطاب فرمایا تو قائد اعظمؒ سے محبت وعقیدت کا بے پناہ اظہار فرمایا میں نے اپنے رفقاء کار سے عرض کیا کہ ''یہ پہلو ہم سب سے مشترکہ ہے۔''

علم الدین سالک ہسٹری سوسائٹی کا پہلا فنکشن جب اکیس ستمبر کو فزکس تھیٹر میں منعقد ہوا تو معلوم ہوا کہ تاریخ کے مضمون سے بڑا ہی پرانا اور دائمی لگاؤ ہے۔

دراصل آپ کی شخصیت تو ایک ہمہ پہلو شخصیت ہے کوئی موضوع لے لیا جائے تو اس پر فی البدیہہ کافی دیر تک گفتگو سے واضح ہو جاتا ہے کہ آپ کالج کے لیے ایک عظیم سرمایہ ہیں۔ میرے نزدیک آپ بلند پایہ ادیب، بے لاگ نقاد، وسیع النظر عالم، بلند پایہ شاعر اور اعلیٰ درجے کے سخن فہم انسان ہیں جیسا کہ ان کی بہت ساری تصانیف سے واضح ہے۔

اس کے علاوہ بے شمار مضامین ''جھنگ ثقافت'' کے حوالے سے مجلس ترقی ادب کے

Marfat.com

رسالہ ''صحیفہ'' میں چھپ چکے ہیں تقریباً آٹھ مضامین سیرت پر مختلف قومی کانفرنسوں میں پڑھے اس ضمن میں ''انٹرنیشنل کانفرنس آف مسلم ورلڈ سکالرز'' خاص طور پر قابل ذکر ہے جس میں آپ نے شرکت کی۔ آپ اپنی تحقیق میں نئے نئے پہلو تلاش کرتے رہتے ہیں ایک بہت ہی منفرد اور نئے topic پر آپ نے اسی کانفرنس میں اپنا مقالہ ''مسلمانوں کی صنعت پارچہ بانی کی تاریخ'' پیش کیا جسے بہت پسند کیا گیا۔

سب سے زیادہ جس چیز نے آپ کے بارے میں مجھے متاثر کیا ہے وہ آپ کا انداز تکلم ہے کوئی بھی شخص خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، آپ بڑی عزت اور دھیمی آواز سے گفتگو کرتے ہیں۔ کام کسی کا ہو یا نہ ہو بندہ پوری طرح خوش اور تسلی کے ساتھ واپس جاتا ہے۔ طلبہ سے بڑی شفقت اور پیار سے بات کرتے ہیں اور طلبہ میں تو بڑے ہر دلعزیز ہیں۔ آپ اسلامی اقدار کی حامل شخصیت ہیں۔ کبر و نخوت کو بالکل ناپسند کرتے ہیں۔ پروفیسر حضرات سے گفتگو میں بڑے خلوص محبت اور گرم جوشی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ خوش باشی اور زندہ دلی ان کی خاص خوبیاں ہیں۔

پروفیسر کالج کے مسائل کے علاوہ ذاتی مسائل بھی آپ سے Discuss کرتے ہیں جنہیں حل کرنے میں آپ بڑی گرم جوشی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ پروفیسر سعید اختر زیدی کے والد کی وفات پر نمازِ جنازہ میں شرکت فرمائی اور مکمل تجہیز و تکفین تک موجود ہے۔ یہ ان کی شرافت اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل کا نمونہ ہے۔

بندہ کے ساتھ بڑی شفقت اور محبت سے پیش آتے ہیں۔ میرے مسائل میں دلچسپی کا یہ عالم ہے کہ میری چھوٹی بیٹی کے ''تحقیقی مقالے'' کے سلسلہ میں اپنی ذاتی لائبریری سے مواد فراہم کیا اور اکثر اخباروں کے تراشے فراہم کیے تاکہ میں اپنی بیٹی کی مدد کر سکوں۔

آج کل کے ماحول میں بطور پرنسپل کام کرنا بڑا ہی مشکل کام ہے پرنسپل شپ ''فشارِ خون'' کا باعث بنتی ہے مگر آپ بڑے صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتے ہیں اور طلبہ سے بڑی

Marfat.com

شفقت اور محبت سے پیش آتے ہیں اور کوئی برے سے برا طالب علم آج کل کے ماحول کے مطابق گستاخی کی جرات نہیں کر سکتا۔

آپ کی بڑی خواہش ہے کہ ''اسلامیہ کالج'' کو اس کے پرانے مقام پر لایا جائے لہذا آپ نے تعلیم کے ہر پہلو پر توجہ دی ہے مگر ہم نصابی سرگرمیوں کو خاص طور پر زندہ کر دیا ہے۔ کالج کی مختلف ''سوسائیٹیز'' کے تحت علمی تقریبات منعقد ہو چکی ہیں۔ ''ہسٹری سوسائٹی'' نے دو اعلیٰ فنکشن کیے اور 21 جنوری 1996ء کو طلبہ قدیم کو دعوت دے کر پرانی روایت کو زندہ کیا جس کے تحت جناب مجید نظامی مدیر نوائے وقت، سابقہ وائس چانسلر جناب منیر الدین چغتائی، سابقہ وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی جناب پروفیسر رفیق احمد خان، سابقہ وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور جناب عبدالقیوم کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ قدیم طلبہ نے جو فنکشن ہسٹری سوسائٹی کے تحت کیا بندہ ناچیز اور سید اختر زیدی کا ماتھا چوم کر مبارکباد دی۔

خاکسار کو آپ کے ساتھ تناول طعام کا شرف بھی حاصل ہے۔ آپ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدنظر رکھ کر بہت تھوڑی خوراک کھاتے ہیں۔

میری اور میرے تمام رفقاء کار کی خوش قسمتی ہے کہ ہم آپ کے زیر سایہ ہر معاملہ میں راہنمائی حاصل کر رہے ہیں میں آپ سے پہلے 31 مارچ 1996ء کو ریٹائرڈ ہو جاؤں گا جب کہ آپ بھی 5 جون 1996ء کو ریٹائرڈ ہو جائیں گے آپ جیسے آدمی کو حکومت کو کبھی ریٹائرڈ نہیں کرنا چاہیے۔ کالج کی ترقی اور فلاح کے لیے آپ کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

میری خدا سے دعا ہے کہ خدا آپ کو صحت کامل اور حیات خضری عطا فرمائے تا کہ کالج کی ترقی اور بھلائی کے لیے اس مختصر سے عرصہ میں بہت سا کام کر سکیں۔ آمین!

Marfat.com

نگہ بلند، سخن دل نواز

مسلم عباس سید

گورنمنٹ اسلامیہ کالج کے پرنسپل کی شخصیت پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے محسوس کر رہا ہوں کہ پروفیسر سمیع اللہ قریشی کے صفحۂ باطن پر نقوس اخلاص کچھ اس طرح مرتسم ہیں کہ ان کا چہرہ پہچاننے میں کسی اہل نظر کو ذرا بھی تامل نہ ہوگا۔ میں نے ایک ہی ملاقات میں محسوس کر لیا کہ اس دورِ قحط الرجال میں ابھی کچھ ایسی شخصیات موجود ہیں جن کی برکت پاک باطنی سے رفع شکایتِ بے اعتنائی پوری طرح ممکن ہے۔

میں تقریباً بیس سال تک اسلامیہ کالج میں انگریزی کا استاد رہا ہوں۔ اس دوران کم وبیش آٹھ پرنسپل دیکھے مگر میں وثوقِ کامل کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ پروفیسر موصوف ایک بالکل ممتاز ومنفرد شخصیت کے حامل ہیں۔ انتہائی ناقدانہ طبیعت کے باوجود میں آپ پر کسی قسم کی حرف گیری نہ کر سکا بلکہ یوں کہوں گا کہ میں ان کے حسنِ اخلاق پر اکثر متحیر و دائمی معتقد ہو گیا۔

میں مناسب سمجھوں گا کہ کچھ دیر اور آپ کو زحمت گفتگو دوں۔ پروفیسر موصوف سن رسیدہ، واقف احوال، انتہائی کار آزمودہ انسان ہونے کے باوجود اپنی گفتگو میں سادہ مزاجی سے لے کر صاف دلی تک قرون اولیٰ کے مسلمانوں کا پیکر دکھائی دیئے۔ میں نے محسوس کیا کہ میں سو سال پہلے کے کسی شمس العلماء سے مل رہا ہوں۔

پروفیسر سمیع اللہ قریشی کی شخصیت کے چند نمایاں پہلو کچھ یوں ہیں۔

Marfat.com

صاف گوئی وسادہ دلی، انسیت واخلاص واخوت، تعاون تلطف وہم نوائی، حلم ومتانت وبردباری، انصاف پسندی وعدل گستری، انطباقِ ظاہر وباطن، عاجزی وانکسار وفروتنی۔

میں حیران ہوں کہ معاشرتی اقدار کی عام زبوں حالی کے اس عصر حاضر میں جناب موصوف کس طرح محفوظ ومامون رہے۔ مجھے اکثر یہ احساس ہوا کہ ان کی تربیت ذہن کے اصلی ماخذ کا پتہ لگاؤں اور ان کے مزاج کے معیارِ تناسب کے اسباب کو ڈھونڈوں مگر مشاغل حیات کی جولانیاں کہاں فرصت کشمکش کی اجازت دیتی ہیں تاہم اس کے پیچھے ان کے حسن تربیت اور خاندانی وضع داریوں کو ضرور دخل ہوگا۔

میں نے اکثر دیکھا ہے کہ کسی بھی طالب علم کی درخواست کو شرف قبولیت بخشنے میں پروفیسر موصوف نے تامل نہ کیا اور اپنے رفقائے کار میں یوں گھل مل گئے کہ امتیاز من وتو کو یکسر ختم کر دیا۔ آج ان تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے مجھے محسوس ہوتا ہے کہ امانت اعتراف سے قلب حزیں سبک ودوش ہوا۔ کاش ہمارے صاحبان منزلت وارباب مرتبت عہدۂ قیادت کو تمکنت ونخوت کا ذریعہ نہ سمجھیں بلکہ اسے خدمت واخوت کی توفیقِ الٰہی قرار دیں۔ شاید علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے ایسے ہی مرد مسلماں کے لیے فرمایا تھا۔

نگہ بلند سخن دل نواز جاں پرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیے

Marfat.com

ہمیں تو حیران کر گیا وہ

ظفر الحق چشتی

ذکر ایک مانوس اجنبی کا ہے جو باد صبا کے جھونکے کی طرح آیا اور رنگ برنگے پھول کھلا کر چلا گیا اس مانوس اجنبی کا نام پروفیسر سمیع اللہ قریشی ہے جو اسلامیہ کالج لاہور میں باد صبا کے جھونکے کی طرح آئے اور چلے گئے اسلامیہ کالج مسلمانان ہند کی نشاۃ ثانیہ کی عظمت رفتہ کا ایک کھنڈر بن چکا ہے۔ جسے اب دیکھ کر یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ ''کھنڈر بتا رہا ہے عمارت عظیم تھی''

دیدنی ہے شکستگی دل کی
کیا عمارت غموں نے ڈھائی ہے

اسلامیہ کالج لاہور جس کی فضا اقبال وقائد، ڈاکٹر تاثیر، مولانا مودودی، عبداللہ یوسف علی جیسی عظیم شخصیتوں کی خوشبو سے رچی بسی رہا کرتی تھی۔ اَسّی کی دہائی سے مسائل بہ زوال رہا ہے اور اب دیکھنے والے کہتے ہیں اور وہ یہ کہنے میں حق بجانب ہیں:

''زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن''

لیکن میں نے نوے کی دہائی کے چند لمحے ایسے بھی دیکھے ہیں جب عقابوں کے اس نشیمن میں ایک اجنبی عقاب جھپٹنے پلٹنے اور پلٹ کر جھپٹنے کے عمل میں مصروف رہا اور پھر جلد ہی زاغوں کی صحبت سے اسے نجات بخش دی گئی۔

موسم گرما کی تعطیلات گزار کر کالج پہنچے تو معلوم ہوا کہ کوئی پروفیسر سمیع اللہ قریشی اسلامیہ کالج کے نئے پرنسپل کی حیثیت میں آئے ہیں اس سے پہلے وہ ڈیرہ غازیخان میں ڈائریکٹر

Marfat.com

ایجوکیشن اور پوسٹ گریجویٹ کالج جھنگ کے پرنسپل رہ کر آئے ہیں پروفیسر شارب مرحوم نے بتایا کہ میں ان سے ملا ہوں وہ اچھی شخصیت کے مالک ہیں ان سے مل لیں لیکن میں نے حسب عادت یہ فتویٰ صادر کیا کہ یہ بھی کوئی ''نشرل'' پرنسپل ہوگا اور پھر نئے پرنسپل سے ملنا کوئی ایسا ضروری بھی نہیں اور پھر بات آئی گئی ہوگئی۔

پھر دوسرے تیسرے دن اطلاع ملی کہ نئے پرنسپل کالج کے طلباء سے تعارفی خطاب کر رہے ہیں بادل نخواستہ میں بھی پنڈال میں پہنچا نئے پرنسپل پروفیسر سمیع اللہ قریشی پنڈال میں تشریف لائے ان کے دائیں بائیں محترم پروفیسر نورالحسن چودھری اور کالج کے ہیڈ کلرک جناب عبدالسلام تھے ساتھ ہی امور طلباء کے انچارج چودھری طالب حسین اور دیگر پروفیسرز بھی تھے۔

میں پروفیسر سمیع اللہ قریشی کو پہلی مرتبہ دیکھ رہا تھا پہلی نظر ان کے چہرے اور وجود پر پڑی تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں اس شخص کو برسوں سے تلاش کر رہا ہوں مجھے آج تک ان لمحوں پر افسوس ہے جو میں نے اس سے ملنے میں دیر کرنے میں ضائع کر دیئے۔

قریشی صاحب اس دن ڈبل بریسٹ سوٹ میں ملبوس تھے سرخ رنگ کی ٹائی باندھ رکھی تھی اور ان کے ہاتھ میں چھڑی تھی یہ چھڑی ضعفِ پیری کے سہارے کے لیے نہ تھی بلکہ بزرگوں کی عظمت روائیوں اور قدروں کو زندہ رکھنے کا ایک بہانہ تھی ایک لمحے کے لیے میری نظروں کے سامنے بے شمار شخصیتیں مسکراتی ہوئی گزر گئیں مجھے آج بھی اچھی طرح یاد ہے میں نے اس دن علامہ اقبال کو دیکھا وقار الملک کو دیکھا حالی کو دیکھا اور کئی ایسی شخصیتوں کو بھی دیکھا جن کے نام میں نہیں جانتا پروفیسر صاحب کے ہاتھ میں چھڑی دیکھ کر پہروں میرے ذہن میں اقبال کا یہ مصرعہ گونجتا رہا:

''عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد''

اس کے بعد ایک دن پروفیسر نورالحسن چودھری مجھ سے کہنے لگے تم سے پرنسپل صاحب ملنا چاہتے ہیں انہیں تم سے کوئی کام ہے خیر میں ان کے ساتھ پرنسپل آفس پہنچا۔ قریشی صاحب مولانا حالی کی طرح مجھ عاجز و ناقص کو اٹھ کر گلے لگا کر ملے۔ مسکراہٹ تو ان کی جاگیر خاص ہے کام تو انہیں میرے ساتھ کیا ہو سکتا تھا بس چودھری نورالحسن صاحب نے میرا تعارف کچھ اس

Marfat.com

انداز سے کرایا تھا کہ قریشی صاحب نے کالج کی فلاح و بہبود کے لیے مجھے اپنا بہترین رفیق سمجھا اور بے شمار کام میرے سپرد کردیئے پھر قربتیں بڑھ گئیں وہ مجھ پر بے حد اعتماد کرنے لگے وہ اعتماد کرنا جانتے ہیں اور اعتماد کرنا بڑے آدمیوں کا شیوہ ہے کمزور انسان اعتماد نہیں کرسکتا قریشی صاحب مجھ سے بہت محبت کرتے تھے اور کرتے ہیں میرے ساتھ ان کا لگاؤ شفقت و محبت کا امتزاج تھا وہ میری بیکار اداؤں سے بھی پیار کرنے لگے تھے مجھے دیکھ کر فرمایا کرتے کھلے گریبان اور چڑھی ہوئی آستین ظفر الحق چشتی کی خاص ادا ہے۔ محبت تو وہ بھی اب مجھ سے بہت کرتے ہیں وہ لاہور آئیں تو یہ نہیں ہوسکتا کہ مجھ حقیر سے ملاقات نہ ہو ریٹائرمنٹ کے بعد انہوں نے جو پہلا خط مجھے لکھا اس میں لکھا کہ جب چائے پیو تو ایک پیالہ میرے نام کا بھی میز پر رکھ لیا کرو۔ ان کی محبتوں اور شفقتوں کا ذکر از کار ختم کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ •

قریشی صاحب نے اسلامیہ کالج میں ایک برس سے بھی کم وقت کا عرصہ گزارا ہے لیکن اس مختصر ترین عرصے میں بھی انہوں نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں ان کی ایک طویل فہرست ہے کام کرنے کے حوالے سے وہ ایک جناتی شخصیت کے مالک ہیں میں 1987ء سے اسلامیہ کالج لاہور میں ہوں ان سولہ سترہ برسوں میں کریسنٹ کی اشاعت صرف پانچ مرتبہ ہوئی پانچ مجلوں میں دو مجلے قریشی صاحب کے نو دس ماہ کے عرصے میں شائع ہوئے اور قریشی صاحب کے جانے کے بعد یعنی چھ سال کے اس طویل عرصے میں ایک بھی ''کریسنٹ'' شائع نہ ہوسکا اس کے علاوہ انہوں نے کالج گزٹ کے اجراء کو بھی باقاعدہ بنایا شمع تاثیر کا مشاعرہ، نعتیہ مشاعرہ، شام افسانہ، کتب سیرت کی نمائش، دیگر علمی و ادبی مجالس میں علماء اور دانشوروں کے لیکچرز کا اہتمام لائبریری کی خستہ کتابوں کی جلد بندی ان کے علمی و ادبی کارناموں کا مظہر ہیں۔ سائنس بلاک کا افتتاح، حبیبہ ہال اور لائبریری کی تزئین و آرائش، جدید فرنیچر اور دریوں کی خریداری، کمپیوٹر لیب اور جدید کمپیوٹرز کی خریداری کالج کی روئنگ کلب کے لیے دو نئی کشتیوں کی خریداری، کالج گراؤنڈ کی تزئین و تشکیل وغیرہ ان کے دیگر اہم کارنامے ہیں 21 جنوری 1996ء کو انہوں نے طلبائے قدیم کا ایک یادگار اجلاس منعقد کیا جس میں تین وائس چانسلر شامل ہوئے غرض ان کے دورانیے کا کوئی دن بھی اور کوئی لمحہ بھی کسی مہم سے خالی نہیں ہے سب سے اہم بات یہ ہے کہ ان کے پاس ''نیا گان کہن'' کا ''اخلاص عمل'' تھا ان کے سینے میں

Marfat.com

ایک تڑپ تھی وہ اسلامیہ کالج کی عظمت رفتہ کی تلاش میں تھے انہوں نے مجھ سے کئی مرتبہ اپنی اس دلی خواہش کا اظہار کیا وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ "علامہ اقبال" نے اپنی ذاتی لائبریری جو اسلامیہ کالج لاہور کو عطیہ کے طور پر دی تھی اسے اسلامیہ کالج سول لائنز سے واپس لیا جائے اس مقصد کے لیے وہ ایک منصوبہ بھی بنا چکے تھے لیکن......! کاش انہیں اسلامیہ کالج لاہور کا تاحیات پرنسپل بنا دیا جاتا۔اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔

میں پروفیسر سمیع اللہ قریشی کی شخصیت پر بہت کچھ لکھنا چاہتا ہوں مجھے ایک ایک لفظ کی تحریر میں روحانی لذت حاصل ہو رہی ہے۔قریشی صاحب اسلامیات کے پروفیسر تھے۔

لیکن وہ "کل" کی طرف مائل تھے ہم نالائقوں کی طرح جزئیات میں بٹے ہوئے نہیں تھے بلکہ ہم میں سے اکثر اساتذہ کو تو اپنا مضمون بھی نہیں آتا قریشی صاحب اسلامیات، اردو زبان و ادب انگریزی زبان و ادب، تاریخ، جغرافیہ، فلسفہ اور نفسیات پر گہری نظر رکھتے ہیں اور ان کی معلومات ان مضامین کے بارے میں ان مضامین کے پروفیسروں سے کہیں زیادہ ہیں اردو زبان و ادب سے تو انہیں گہرا شغف ہے قرۃ العین حیدر کے تو وہ عاشق ہیں۔

میں نے ہمیشہ قریشی صاحب کا احترام کیا ہے اس لیے نہیں کہ وہ میرے پرنسپل تھے بلکہ اس لیے کہ وہ بہت عالم فاضل انسان ہیں قریشی صاحب ایک اچھے شاعر اور اچھے نعت گو بھی ہیں ان کی نظم نگاری پر میں ایک مقالہ لکھ چکا ہوں ان کی شاعری کے تین مجموعے شائع ہو چکے ہیں غالب پر ان کی تنقید کی ایک کتاب ان کے ناقدانہ شعور کی ترجمان ہے سیرت النبیؐ پر بھی ایک کتاب لکھنے کا اعزاز انہیں حاصل ہے شہر جھنگ پر ان کی کتاب کو انعام مل چکا ہے وہ پنجابی اور اردو زبان میں تخلیق کی کامل صلاحیت رکھتے ہیں ان کی تقریر بھی ان کی تحریر کی طرح بڑی موثر ہے۔

قریشی صاحب سمندر کی طرح بہت گہرے انسان ہیں ان کی طبیعت میں بڑا تواضع اور خاکساری ہے میں نے انہیں کلرکوں، قاصدوں، مالیوں اور عملہ صفائی کے لوگوں کا بھی احترام کرتے دیکھا ہے تواضع کا تو مفہوم ہی یہی ہے کہ انسان بڑا ہو اور چھوٹوں کے سامنے عجز و انکسار اور خاکساری اختیار کرے سعدی نے کیا خوب کہا ہے:

Marfat.com

تواضع زگردن فرازاں نکوست
گدا گر تواضع کند خوئے اوست

میں نے تو ایسے پرنسپل بھی دیکھے ہیں جو پروفیسروں کے ساتھ تو تکار کر کے نفسیاتی تسکین حاصل کرتے ہیں غالب نے شاید ایسے پرنسپلوں کے لیے ہی کہا ہے:

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے
تمہی کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے

میں قریشی صاحب کی مدح سرائی نہیں کر رہا نہ ہی ان کے مناقب بیان کرنے کا ارادہ ہے وہ فرشتہ یا معصوم نہیں ہیں جو لوگ ان کے قریب ہیں وہ جانتے ہیں کہ وہ "پورے آدمی" ہیں اور یہی ان کی عظمت ہے۔

قریشی صاحب بہت کم عرصے ہمارے ساتھ رہے اب وہ اسلامیہ کالج چھوڑ کر جا چکے ہیں لیکن ان کی معطر یادوں سے میرا دل معمور ہے میں مجید امجد کا یہ شعر ان کی نذر کرتا ہوں:

اک پل بھی کوئے دل میں نہ ٹھہرا وہ رہ نورد
اب جس کے نقش پا ہیں چمن در چمن پڑے

Marfat.com

نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو

جاوید انجم

میں ایک ڈراڈرا سا دکھی انسان ہوں۔ جانے کون کون سے خوف کیسے کیسے غم میری جان کو کھائے جاتے ہیں، کبھی کچھ نہ ملنے کا غم تو کبھی کچھ کھو جانے کا خوف۔ گئے برس کسی کے آنے کا خوف تھا۔ تو اب کے برس کسی کے جانے کا غم۔ آنے والے کے بارے میں سنا تھا کہ سیل بے پناہ ہے۔ سب کچھ بہا کر لے جائے گا۔ بادِ سموم کا جھکڑ ہے کہ سانس لینا دوبھر کر دے گا مگر وہ آیا تو ایسا نہیں تھا۔ وہ کوئی طوفان بلاخیز نہیں وہ تو زم زم کا حیات بخش دھارا ہے۔ ندی کی وہ لہر ہے جس پر ہوا کا گماں ہوتا ہے۔ صحراؤں میں بھٹکنے والا کوئی بگولہ نہیں بلکہ نسیم سحر کا وہ جھونکا ہے جو دامن کو صرف ہلا کر اپنے ہونے کا احساس دلاتا ہے۔

خلاق اعظم نے کچھ حمیدہ اوصاف و اقدار کو یکجا کیا تو ایک فرد تخلیق ہوا۔ علم و حلم کے اس مظہر کا نام سمیع اللہ قریشی قرار پایا۔ اسلامیہ کالج لاہور کا پرنسپل سمیع اللہ قریشی میرا پرنسپل۔ پروفیسر سمیع اللہ قریشی۔

"نگہ بلند سخن دلنواز جاں پرسوز"

وہ یقیناً بلند نظر ہے۔ معجز بیان دل تپیدہ رکھتا ہے جہادِ زندگی کا یہ سکندر دلوں کو تسخیر کرتا ہے لیکن یہ فتح وہ سپاہ سے نہیں نگاہ سے حاصل کرتا ہے۔ کشورِ جاں کو مسخر کرتا ہے مگر دلیل قاہری سے نہیں رموز دلبری سے۔ وہ ایسا سکندر ہے جو طنطنہ سکندری نہیں، دبدبۂ قلندری رکھتا ہے۔

Marfat.com

کشادہ دل اور فراخ پیشانی والے پروفیسر سمیع اللہ قریشی صاحب کی چال میں ایک پرشکوہ ٹھہراؤ اور گفتار میں ایک گہرا رچاؤ ہے۔ وہ چلتے ہیں تو یقین کے ساتھ، بات کرتے ہیں تو یقین کے ساتھ، ایک ایسا یقین جو سچائی کی دلیل ہوا کرتا ہے۔ قریشی صاحب ایک سچے انسان ہیں وہ اتنے سچے ہیں جتنا سچا ایک مردِ خلیق ہوا کرتا ہے۔ گویا یہ محکم یقین یہ سچائی اور یہ اخلاق حسنہ ہی پروفیسر صاحب کے اجزائے ترکیبی ہیں۔ جنہوں نے انہیں ایک سکون عطا کیا ہے۔ پروفیسر صاحب کے چہرے پر بسا ہوا یہ سکون کسی طوفان کا پیش خیمہ نہیں کہ طوفان سے پہلے سکون نہیں سکوت طاری ہوتا ہے بلکہ یہ تو جوار بھاٹا کے بعد والا سکون ہے۔ جو روح کی گہرائیوں میں اترتا چلا جاتا ہے۔

ایک محفل میں پروفیسر صاحب کے کردار و گفتار کے محاسن کا تذکرہ چل رہا تھا کہ پروفیسر نیاز مرزا ادائے خاص سے گویا ہوئے کہ اس باب میں قریشی صاحب نقش ثانی ہیں۔ نقش اوّل پروفیسر حمید احمد خان تھے۔ کہنے لگے ایک مدت پہلے کالج کی فضاؤں کو خان صاحب کے حلقۂ اثر میں دیکھا۔ اب ایک زمانے کے بعد جب پروفیسر سمیع اللہ قریشی کو دیکھا تو بصارتوں اور بصیرتوں کو وہی خنک سا نور ملا جیسے مدبر الامر نے نقش اول کو نقش ثانی قالب بخش دیا ہو۔ پروفیسر حمید احمد خان کو قریشی صاحب کے روپ میں ایک بار پھر کالج کی فضاؤں کو اجالنے کے لیے دنیا میں بھیج دیا ہو۔

خروش آموز بلبل ہو گرہ غنچے کی وا کر دے
کہ تو اس گلستان کے واسطے بادِ بہاری ہے

پروفیسر سمیع اللہ قریشی اہلِ کتاب بھی ہیں اور صاحب کتاب بھی۔ انہوں نے سات عدد کتب تصنیف کی ہیں۔ ان میں سے کچھ کے بارے میں نزول کا گمان ہوتا ہے۔ ''حضوری دی حیاتی'' ان میں سے ایک ہے۔ کتاب حجم کے لحاظ سے مختصر مگر معنوی اعتبار سے خاصی وزنی

Marfat.com

ہے۔ انداز بیان حکیمانہ ہونے کے باوجود عام فہم اور دل نشین ہے چھوٹے چھوٹے فقروں میں بڑی بڑی باتیں کہی گئی ہیں جیسے پوری کتاب ایک خاص جذب کی کیفیت میں تحریر کی گئی ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ جیسے جو کچھ کہا جا رہا ہے آنکھوں دیکھا ہے۔ شمائل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ایک فقرہ دیکھیے۔

''ٹور وچ وقار سی، مونہہ اتے سیانف تے پیار دا جھلکارا پیندا سی''

مدحت شاہ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہنے کے لیے۔ ذہن رسا نہیں۔ دل مبتلا چاہیے۔ اور پروفیسر سمیع اللہ قریشی مبتلائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

احترام آدمیت پروفیسر صاحب کے نزدیک عبادت کا درجہ رکھتا ہے۔

داور حشر مجھے تیری قسم عمر بھر میں نے عبادت کی ہے

قریشی صاحب بے گمان عابد شب زندہ دار ہیں آپ ان سے ملنے ان کے دفتر چلے جائیں۔ یا یونہی سر راہے ملاقات ہو اتنے احترام اور محبت سے پیش آئیں گے کہ آپ خود اپنی نگاہوں میں محترم ٹھہریں گے پروفیسر صاحب لائبریری میں اکثر تشریف لایا کرتے ہیں اور پھر کتابیں انہیں اپنے اندر یوں سمو لیتی ہیں کہ ان کا خود اپنے سے بھی رابطہ منقطع ہو جاتا ہے۔ وہ کتابوں کا صرف مطالعہ ہی نہیں کرتے بلکہ یوں لگتا ہے جیسے کوئی قیمتی شے ڈھونڈ رہے ہیں۔ انہیں یقیناً حکمت و دانش کے ان موتیوں کی تلاش رہتی ہے۔ جنہیں مسلمان کہیں گم کر بیٹھے ہیں۔ وہ ان اسباب و علل کی جستجو میں مصروف رہتے ہیں۔ جو قوموں کے عروج و زوال کا باعث بنتے ہیں۔ انہیں یقین ہے کہ ہماری کھوئی ہوئی منزل کی راہ کتب خانوں سے ہی ہو کر گزرتی ہے۔

تحریک و تعمیر پاکستان میں اسلامیہ کالج کے کلیدی کردار کے پیش نظر پروفیسر صاحب کو کالج اور کالج کی لائبریری کے ساتھ ایک خاص وابستگی ہے۔ وہ کالج اور لائبریری کو مکمل و منفرد دیکھنا چاہتے ہیں۔ 1958ء میں جب اسلامیہ کالج کی تقسیم کے وقت لائبریری کا بٹوارہ ہوا۔ تو

Marfat.com

پروفیسر ایرک سپرین، پروفیسر یوسف جمال انصاری، پروفیسر حمید احمد خان، پروفیسر اختر الدین، پروفیسر منہاج الدین اور پروفیسر یامین جیسے اساتذہ لائبریری کی تمام ترعمدہ کتب اسلامیہ کالج سول لائنز کے لیے چھانٹ لے گئے۔ گویا نصف صدی تک ذرہ ذرہ جمع ہونے والا یہ خزانہ پل بھر میں کالج سے چھن گیا۔ انہی میں وہ ذخیرہ کتب بھی شامل تھا جو علامہ اقبال نے ازروئے وصیت اس کالج کی لائبریری کو عطاء کیا تھا میرا یقین ہے کہ اس وقت اگر پروفیسر سمیع اللہ قریشی جیسا کتاب شناس پرنسپل کالج میں موجود ہوتا تو یہ بندربانٹ نہ ہوئی ہوتی لیکن یہ ایسا ہی ہونا تھا اور جب کہ قریشی صاحب کے آنے سے کالج اور لائبریری کی تزئین نو کا سلسلہ چل نکلا ہے تو آنے والے کے جانے کا دھڑکا لگ گیا ہے۔

میں کتنا ڈرا ڈرا سا دکھی انسان ہوں۔ ہر وقت کوئی نہ کوئی غم ،کوئی نہ کوئی خوف میری جان کو کھائے جاتا ہے۔ کبھی کچھ کھو جانے کا غم تو کبھی کسی کے چلے جانے کا خوف۔ سنتا ہوں وہ ریٹائرڈ ہو رہے ہیں مگر سوچتا ہوں کہ استاد بھی کیا ریٹائرڈ ہوتا ہے؟

Marfat.com

مسافر کی واپسی

سیدہ فرّخ گیلانی

ہم کتنے بھولے ہیں جنہوں نے پھولوں کو رنگوں میں تقسیم کر رکھا ہے ورنہ پھول تو پھول ہوتا ہے خوشبو کے سفر کی مانند جو رنگوں سے بے نیاز ہے۔ میں نے جب بھی اس خوشبو سے یہ پوچھنا چاہا کہ حسن کو کیا نام دوں تو بدلتے موسموں نے مجھے گھور کر دیکھا کہ جیسے میں نے کوئی بہت بڑا جرم کر دیا ہو۔ غالباً وہ یہ بتانا چاہتے تھے کہ حسن کو کسی بھی کیفیت کا اسیر نہیں کہا جا سکتا۔

جناب سمیع اللہ قریشی ایک فرض شناس افسر' خوبصورت الفاظ تراشنے والے ادیب وشاعر' انسان دوست ...... کس حوالے سے بات کروں کیونکہ اُتری ہوئی برسات میں قوس قزح کے رنگ علیحدہ علیحدہ نظر نہیں آتے۔ بادل برس جائیں تو رنگ نکھر جاتے ہیں۔ ریٹائر ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اچھا ہوا کہ دفتر کے جھمیلوں سے جان چھوٹی۔ فکر وفن کا حجرہ آباد ہوا روح کا پنچھی شاد ہوا۔ جھلسی ہوئی رتوں نے یہ احسان بھی کیا کہ پرندوں کی شناخت ہوگئی اب چاہتوں کا دالان ہے اور اُترے ہوئے بلاخوف وخطر کبوتر' میں نہ کوئی ادیب نہ افسر...... ویسے ہی میں نے یادوں کے گنبد میں کھڑے ہو کر صدا دی تو اس دفعہ بازگشت سنائی نہیں دی۔ باقاعدہ جواب ملا۔ خدا کرے یہ توانا لہجہ ہمیشہ سلامت رہے اور ہم جیسے پکارنے والے اپنی جھولیاں مہر وخلوص سے بھرتے رہیں۔

لوگوں کی ہمدردی بجا لیکن یہ شخص کب تک مقید رہتے۔ صحراؤں سے سبزہ زاروں کی

Marfat.com

طرف پلٹ آیا تا کہ یہ بتانے میں کوئی عار محسوس نہ کرے کہ ایک بچے نے سڑک کے کنارے کس طرح مالٹے بیچے اور پھر کہاں تک پہنچا۔ وہی دھیما لہجہ، وہی شعروں کی مٹھاس۔ اللہ کا شکر ہے کہ بستی کا سردار سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے واپس اپنے گاؤں چلا آیا۔ بچا لایا تو صرف دستار اور جہاں رہے اپنی پگ کا بھرم رکھا۔ آج کل کے دور بے حسی میں یہی بڑی بات ہے۔

سب کی محبتوں کا سحاب وہی، میری عقیدتوں کا نصاب وہی، کیا بدلا کچھ بھی تو نہیں، چشمے کا مقام بدلا چٹان تو وہی۔

آنکھوں سے جھانکتے ہوئے تاباں اصول، دل میں مچلتا ہوا عشق رسولؐ ابھی جواں ہے جواں رہے گا۔ لفظ ریٹائرڈ قانون کی کتابوں میں ہوگا۔ مسافر تھکا نہیں تو میں کیسے مانوں؟

ساحلوں پر آرائشی محرابیں بننا شروع ہوگئی ہیں۔ چناب پانیوں پر گو اب بھی تموج ہے لیکن پہلے لہریں بے کل تھیں اب جد میں ہیں۔

فکر و فن کی تازگی میں دیکھنا
اس کو شہر آگہی میں دیکھنا
وہ اسی بستی کا ہے فرخ مکیں
اس کو اس کی سادگی میں دیکھنا

Marfat.com

AN ENCOUNTER WITH MILDNESS

Saif-ul-Haq

Poet, critic, prose-writer, essayist, educationist Prof. Sami Ullah Qureshi is a man of many identities, Born in 1936, he did his M.A. in Arabic from University of the Punjab, one of the most prestigious seats of learning in Indo-Pakistan. Later on, he also earned other degrees: M.A. (Islamic Studies), M.A. (Punjabi Language & Literature) and B.Ed. He joined the Education Department in 1959. Currently he is the Principal of government College, Jhang.

Prof Sami Ullah Qureshi is a writer with a prolific pen. He contributes regularly to the literary and cultural magzines of the country. He has five books to his credit, namely.

(i) Quaid-i-Azam ki shafufta Mazaji (Urdu)

(ii) Fikir-i-Iqbal (Urdu)

(iii) Keyami-i-Pakistan ka Tehzebi Aur Sakafti Pusmanzar (Urdu)

(iv) Sadi Sohni Dharti (Punjab)

(v) Hazoor di Hayati (Punjab)

Besides numberous prizes and awards, these books have earned the accolades of the academic and literary circles of the country. In an age of over-inflated reputations, these books have a merit of their own. His major work is in prose, but essentially he is a poet and, for that matter, a genuine poet.

The prose of Prof. Sami Ullah Qureshi has a special quality of its

Marfat.com

own___ a vitality and individual energy proper to all distinctive prose writers. The words are so deftly manipulated that they do not lose their freshness. His awarness of the single word is quite deep and fresh. Backed up by a philosophic bent of mind and a creative outlook emerges a style of writing that conveys an over whelming sense of conviction. One great thing that goes in his favour is that he makes the readers invdlved his view point, whether they agree with him or not.

Deceptively young looking, he is out spoken, candid and carries himself with a dash of elan. He can discourse competently on any subject under the sun and over his riding passion i.e., literature. These are the days of holy hypocrisy and studpefying rhetoric. But his personality has an air of warmth, sincerity and tenderness. He is known for his mild manners, soft speech, economy of words and aversion for the irrelevant and the frivolous.

When asked about the academic atmosphere of the College, a subtle smile spread on his lips and he made the following observation;

"The students are, on the whole, well-behaved and disciplined; they are eager to learn. The staff is dedicated, giving their all to the institution, best of all, they have the courage to admit their mistakes and put them ritght and ensure that they do not occur again. We cannot ask for more."

The members of the teaching staff as well as students wish Prof. Sami Ullah Qureshi an equally fruitful future.

Caravan 1987

Marfat.com

رفاقتوں کے امین

(جن کے مضامین شامل ہیں)

○ محترم محمد عبداللہ قریشی	والد محترم
○ محترمہ نصرت سلطانہ	اہلیہ
○ سمیرا احتشام	بیٹی
○ امان اللہ قریشی	بھائی۔ وائس پرنسپل کالج آف ایجوکیشن، فیصل آباد
○ ساجد عبداللہ	برادر نسبتی۔ شاگرد، بینکر
○ ڈاکٹر منیر الدین احمد	پروفیسر ہمبرگ یونیورسٹی، جرمنی
○ احمد سعید ہمدانی	ایسوسی ایٹ پروفیسر اردو پرنسپل گورنمنٹ کالج، نوشہرہ
حامد علی ہاشمی	ایم اے ایل ایل بی پبلک ریلیشن آفیسر علامہ اقبال یونیورسٹی، اسلام آباد
○ حکمت ادیب	دوست
○ خیر الدین انصاری	دوست
○ فضل الٰہی خان	فیملی پلاننگ آفیسر، دوست
○ حسن محمود اقبال	ایسوسی ایٹ پروفیسر اردو، گورنمنٹ کالج جھنگ، شاگرد
○ راؤ شرافت علی خاں	ایسوسی ایٹ پروفیسر سیاسیات گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد، شاگرد

Marfat.com

- کوثر سلطانہ — ایسوسی ایٹ پروفیسر اردو
  گورنمنٹ کالج برائے خواتین جھنگ، شاگرد
- نعمت اللہ ہاشمی — اسسٹنٹ پروفیسر شماریات، گورنمنٹ کالج، فیصل آباد
- سید علی اکبر منصور — اسسٹنٹ پروفیسر نفسیات
  پرنسپل گورنمنٹ کالج رائے ونڈ، شاگرد
- محمد انیس انصاری — ایم اے تاجر، شاگرد
- محمد صدیق صادق — ایم اے (اردو، انگریزی) صحافی
- یعقوب علی بٹ — ایسوسی ایٹ پروفیسر انگریزی، گورنمنٹ کالج، جھنگ
- عباس ہادی چغتائی — اسسٹنٹ پروفیسر اردو، گورنمنٹ کالج، جھنگ
- محمد شفیع ہمدم — اسسٹنٹ پروفیسر اردو، گورنمنٹ کالج، جھنگ
- ڈاکٹر محمد اسلم ضیاء — ایسوسی ایٹ پروفیسر اردو، گورنمنٹ کالج جھنگ، شاگرد
- منظور الٰہی — اسسٹنٹ پروفیسر انگریزی ایم اے او
  کالج لاہور، پرنسپل غزالی کالج، جھنگ
- ایس ایم شفیق — ڈی پی ای گورنمنٹ کالج، جھنگ
- حاجی احمد بخش — گورنمنٹ کالج جھنگ کے پرانے ملازم
- ڈاکٹر رانا غلام شبیر — ایسوسی ایٹ پروفیسر اردو، گورنمنٹ کالج، جھنگ
- محمد صدیق — لائبریرین گورنمنٹ کالج، جھنگ
- راؤ عبد السلام — زمیندار ضلع سرگودھا، شاگرد
- آصف علی شاہد — پرنسپل ملت کالج جھنگ، شاگرد
- شہباز احمد گجر — وکیل، جھنگ
- محمد اظہر کریم — شاگرد

Marfat.com

- محمد نواز سیال — اسسٹنٹ پروفیسر معاشیات، گورنمنٹ کالج، جھنگ
- امتیاز بانو بھروانہ — ایسوسی ایٹ پروفیسر فلسفہ
  گورنمنٹ کالج برائے خواتین، جھنگ
- نوید اختر — اسسٹنٹ پروفیسر طبعیات
  گورنمنٹ کالج برائے خواتین، جھنگ
- محمد شریف اشرف — ایسوسی ایٹ پروفیسر فارسی، گورنمنٹ کالج، ڈیرہ غازی خان
- خدیجہ ریاض — ایسوسی ایٹ پروفیسر سیاسیات
  پرنسپل گورنمنٹ کالج برائے خواتین، مظفر گڑھ
- سعیدہ بانو خان — ایسوسی ایٹ پروفیسر جغرافیہ
  پرنسپل گورنمنٹ کالج برائے خواتین، کروڑ لعل عیسن، لیہ
- ریاض احمد — ڈرائیور، ڈائریکٹریٹ، ڈیرہ غازی خان
- سلیم احمد صدیقی — ایسوسی ایٹ پروفیسر صدر شعبۂ انگریزی،
  گورنمنٹ اسلامیہ کالج، لاہور
- چوہدری نور الحسن — ایسوسی ایٹ پروفیسر تاریخ، گورنمنٹ اسلامیہ کالج، لاہور
- مسلم عباس — اسسٹنٹ پروفیسر انگریزی، گورنمنٹ اسلامیہ کالج، لاہور
- ظفر الحق چشتی — اسسٹنٹ پروفیسر اردو، گورنمنٹ اسلامیہ کالج، لاہور
- جاوید انجم — اسسٹنٹ لائبریرین، گورنمنٹ اسلامیہ کالج، لاہور
- سیدہ فرخ گیلانی — اسسٹنٹ پروفیسر انگریزی، ڈپٹی سیکرٹری تعلیم
- سیف الحق — اسسٹنٹ پروفیسر انگریزی اسلامیہ کالج سول لائنز، لاہور

Marfat.com

احترامِ استاد

پروفیسر لالہ ایش کمار

"دہلی یونیورسٹی نے ڈاکٹر عبدالسلام کے اعزاز میں ایک تقریب کا اہتمام کیا سٹیج پر وزیراعظم کے ساتھ ڈاکٹر صاحب فروکش تھے۔ دو تین ہزار سامعین میں کئی وزیروں، سفیروں، امیروں کی صفوں کے بعد...... یہ بوڑھا بھی...... افتاں وخیزاں اپنے شاگرد کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے پہنچ گیا تھا ایک گوشے میں بیٹھا ہوا تھا۔ ڈاکٹر عبدالسلام نے اپنے استاد کو پہچان لیا۔ وہ ڈائس سے اتر کر سرخ بانات کے فرش پر چلتے چلتے استاد کے پاس آئے اور اپنے ساتھ لے کر اسٹیج کی طرف چل پڑے۔ اس روز لوگوں نے دیکھا کہ ایک شاگرد نے اپنے ایک غیر معروف استاد کو وزیراعظم کے ساتھ کرسی پر لا بٹھایا۔ طلبہ سے محبت اور طلبہ کی محبت میری زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ ہے جس نے مجھے زندگی میں زندہ دلی دی، خوش طبعی عطا کی۔ میں پرنسپل رہا۔ ڈائرکٹریاں ملتی رہیں، وائس چانسلری راستے میں آئی مگر مجھے جب موقع ملا میں پروفیسری پر لوٹ آیا۔ اب ریٹائر ہونے کے بیس برس بعد بھی جب کبھی اپنے پرانے کلاس روم سے گذرتا ہوں تو دل میں ہوک اٹھنے لگتی ہے"۔

بہت نکلے میرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

بشکریہ ماہنامہ "افکار" کراچی (مارچ 1991ء)

(پروفیسر لالہ ایش کمار گورنمنٹ کالج لاہور میں انگریزی ادبیات کے استاد رہے۔ اسی درس گاہ میں عالمی شہرت کے حامل نوبل انعام یافتہ پاکستانی سائنسدان پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام بھی زیر تعلیم رہے۔ کالج کا پروفیسر عبدالسلام بلاک ان کی یاد دلاتا ہے۔

وہ جھنگ دھرتی کے بیٹے تھے اور گورنمنٹ کالج جھنگ ہی نے ان کی علمیتوں کی بنیاد رکھی جہاں سے انہوں نے انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کیا۔ جھنگ کے بیٹے آج بھی کسی تفریق یا امتیاز کے بغیر اپنے استاد کی عزت کرنا جانتے ہیں۔

Marfat.com

نقوشِ تحسین

Marfat.com

Marfat.com

قراردادِ تحسین

گورنمنٹ اسلامیہ کالج، لاہور کی کالج کونسل کا ایک اجلاس بتاریخ 14 مئی 1996ء۔ جناب پرنسپل کے دفتر میں منعقد ہوا۔ کونسل نے آئندہ 5 جون 1996ء۔ کو ریٹائر ہونے والے پرنسپل جناب پروفیسر سمیع اللہ قریشی صاحب کی تعلیمی اور انتظامی خدمات کو سراہا اور ان کی حسنِ کارکردگی پر انہیں خراجِ تحسین پیش کیا۔ کالج ہذا میں قلیل مدت کے قیام کے باوجود انہوں نے بیش قیمت اور مفید کام سرانجام دیئے جو طویل عرصے تک یاد رکھے جائیں گے۔

سلیم احمد صدیقی
سیکرٹری، کالج کونسل
گورنمنٹ اسلامیہ کالج، لاہور

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حکومت پنجاب

وزیراعلیٰ

نمبر:۔ ایس او (خ ک) سی ایم ایس۔ او ٹی۔ ۴/ ۹۲۔
مورخہ:۔ یکم فروری ۱۹۹۲ء

مکرمی، پیرِ منیر سمیع اللہ

السلام علیکم و رحمتہ اللہ وبرکاتہ

امید ہے آپ کی مزاج بخیر ہوں گے۔

ایک عرصہ سے یہ بات شدت کے ساتھ محسوس کی جارہی تھی کہ عوامی مسائل حل کرنے کے لئے جب تک عوام کو ان کے منتخب نمائندگان' سیاسی و سماجی کارکنوں اور سرکاری اہلکاروں کے ساتھ براہ راست رابطہ کی سہولتیں فراہم نہیں کی جاتیں' اس وقت تک مقامی' معاشی' معاشرتی اور سماجی ترقی کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا۔ وسائل کے ساتھ ساتھ معاشرہ کی بڑھتی ہوئی مشکلات دور کرنے کے لئے مقامی قیادت کی مدد سے عوام کا بھرپور تعاون حاصل کرنا اور مختلف سرکاری اداروں کی تعمیری سرگرمیوں میں باہمی ربط پیدا کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اس نیک مقصد کو حاصل کرنے اور عوام کے روز مرہ مسائل کو مقامی سطح پر حل کرنے کی خاطر اختیارات کی مرکزیت کو ایک ایسے قابل عمل انداز سے تقسیم کرنے کا ایک مشاورتی ڈھانچہ تشکیل دیا گیا ہے جس سے عوام کو اپنے چھوٹے چھوٹے مسائل حل کروانے کے لئے صوبائی دار لحکومت یا دور دراز علاقوں کے چکر لگانے سے نجات مل جائے گی۔ اس مقصد کے لئے حکومت پنجاب نے ہر ضلع میں ضلعی احتساب بورڈ' ضلعی ترقیاتی مشاورتی بورڈ' ضلعی تعلیمی مشاورتی بورڈ' ضلعی صحت مشاورتی بورڈ' ضلعی زراعت و آبپاشی مشاورتی بورڈ اور ضلعی سیلف ایمپلائمنٹ و ٹیکنیکل ٹریننگ مشاورتی بورڈ قائم کئے ہیں۔

آپ کی عوامی خدمات کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ کو بھی آپ کے ضلع کے ------------ ضلعی ------------ بورڈ میں شامل کیا گیا ہے جس کے لئے میری دلی مبارکباد قبول فرمائیں۔ مجھے امید ہے کہ ان بورڈوں میں آپ کی ذاتی دلچسپی اور مشاورت سے آپ کے ضلع اور آپ کے علاقہ میں عوام کے سلگتے ہوئے مسائل حل کرنے میں بے بہا مدد ملے گی اور اس نظام کے ذریعے معاشرہ کے بے وسیلہ اور غریب عوام کو اپنی رہائش سے نزدیک ترین جگہ پر حصول انصاف کا ایک آسان اور باوقار ماحول میسر آسکے گا۔ میں رب ذوالجلال کے حضور اس پروگرام کی کامیابی کے لئے دعاگو ہوں اور اس پالیسی پروگرام میں آپ کی ذاتی دلچسپی اور مخلصانہ کوششوں پر بھرپور اعتماد کرتا ہوں۔ والسلام۔

نیک تمناؤں کے ساتھ!

آپ کا مخلص

غلام حیدر وائیں

[غلام حیدر وائیں]

Marfat.com

sahe

SOCIETY FOR THE ADVANCEMENT OF HIGHER EDUCATION

۱۴ دسمبر ۱۹۸۷ء

جناب قریشی صاحب!

آپ ساہی کے نصاب پر مشورے میں تشریف لائے اس کا بہت بہت شکریہ۔ آپ نے جو مضمون پیش کیا اس سے واضح ہو گیا کہ آپ کتنی تیزی سے معاملہ کی روح تک پہنچ گئے ہیں۔

آپ کی اجازت سے ہم اس مضمون کو ساہی کی آنے والی کتاب "Pakistan's curriculum Jungle" میں شامل کرنا چاہیں گے۔ امید ہے کہ آپ کو سفر میں اور لاہور رہائش میں کوئی تکلیف نہیں ہوئی ہو گی۔

بے ادبی مقصود نہیں ہے مگر ساہی کی طرف سے یہ حقیر سا تحفہ قبول فرمائیں۔

مخلص

حامد قزلباش

(ڈاکٹر حامد حسن قزلباش)

جناب سمیع اللہ قریشی صاحب
"النصرت" نمازی آباد۔ گوجرہ روڈ
جھنگ صدر۔

90-C-1, CANAL PARK, LAHORE

Marfat.com

BOARD OF INTERMEDIATE & SECONDARY EDUCATION,
SARGODHA.

Prof. Rafi-Ullah Khan
CHAIRMAN

Phone { Office : 3100
PBX 13
Residence : 4551

Registered

No. 12R, RO. PA/CH
Dated 30.12.80

جناب سمیع اللہ قریشی صاحب ،
اسسٹنٹ پروفیسر ،
گورنمنٹ کالج ، جھنگ -

عنوان :- پندرھویں صدی ہجری تقریبات -

السّلام علیکم !

میں آپ کا انتہائی مشکور ہوں کہ آپ نے اپنی گوناگوں مصروفیات میں سے اس خاص علمی کام کے لیے وقت نکال کر مقالات لکھ کر ہمیں بھیجے - آپ کا یہ جذبہ انتہائی قابل تحسین ہے -

ہمارے پاس اب تک تبصرہ مضامین اس یادگاری کتابچے کی اشاعت کے لیے پہنچ چکے ہیں - جن کی فہرست منسلک کی جا رہی ہے - آپ سے گزارش ہے کہ آپ فوری طور پر ایک دو دن کے لیے یہاں تشریف لائیں تا کہ ان مضامین کی مناسب ترتیب و تدوین کے بعد شائع کیا جا سکے -

اس مقصد کے لیے آپ کو آنے جانے کے لیے ٹی - اے / ڈی - اے بورڈ ھذا کی طرف سے دیا جائے گا -

والسّلام

آپ کا مخلص
رفیع اللہ خان
(پروفیسر رفیع اللہ خان)
چئیرمین

Marfat.com

Phone : 82024

DIRECTOR

D. O. No. ۸۰۲/۳-۸ ۳/۷۷/ 929

CURRICULUM RESEARCH AND DEVELOPMENT CENTRE,
PUNJAB EDUCATION DEPARTMENT,
141-E-I, GULBERG III, LAHORE

مورخہ 14.6.77

قریشی صاحب

محترم / محترمہ

سلام مسنون ! مجوزہ نصاب پنجابی برائے انٹر میڈیٹ جماعت کی ایک کاپی ارسال خدمت ہے ۔

اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں ایک بار پھر آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں کہ آپ نے غیر معمولی حالات میں ہمارے ساتھ تعاون کیا اور نصاب سازی میں ہماری رہنمائی کی ۔

نیاز مند

(پروفیسر ظہور احمد)

پروفیسر سمیع اللہ قریشی
گورنمنٹ کالج ۔ جھنگ

Marfat.com

Pakistan Science Foundation

Post Box ... Al Markaz, ... Islamabad

مکرم قریشی صاحب! مبارک ہو ○ آپ کو مزید مطلع کیا جاتا ہے کہ تقسیم انعامات کی تقریب ۳۰ ؍اپریل ۱۹۸۱ء کو صبح گیارہ بجے ہو گی۔ آپ تاریخ اور وقت مقررہ پر اپنے خرچ پر تشریف لائیے گا۔ شکریہ رحمانی

مورخہ ۲۳ ؍اپریل ۱۹۸۱ء

موضوع: ○ اقبال کے نظامِ فکر میں سائنس کا مقام

جشن صد سالہ تقریباتِ ولادت علامہ اقبالؒ

سال ۱۹۷۷ء کو علامہ اقبالؒ کی ولادت کے جشن صد سالہ کے طور پر منانے کا جو اہتمام پاکستان میں کیا گیا تھا اس سلسلہ میں پاکستان سائنس فاؤنڈیشن نے ایک انعامی مقالہ نویسی کا اہتمام اوپر دیئے گئے موضوع پر کیا تھا۔ پورے ملک سے ۳۲ (بتیس) لوگوں نے حصہ لیا۔ ان میں طلبہ بھی تھے، محققین بھی اور عام دلچسپی رکھنے والے لوگ بھی۔ یہ کل مضامین ایک کمیٹی نے پڑھے جس کے سربراہ معروف سائنسدان ڈاکٹر رضی الدین صدیقی ہیں۔ اس کمیٹی کے فیصلہ کے مطابق مندرجہ ذیل دو حضرات کو انعام کا حقدار قرار دیا گیا ہے:

۱۔ جناب سمیع اللہ قریشی، السعید، عارف آباد جھنگ (عام لکھنے والوں) دو ہزار روپے نقد ۲۰۰۰/-

۲۔ سید ارشاد حسین شاہ متعلم ایم ایس سی باٹنی ڈیپارٹمنٹ گورنمنٹ کالج بنوں ایک ہزار روپے نقد ۱۰۰۰/-

ان انعام کے مستحق حضرات کو نقد انعام پاکستان سائنس فاؤنڈیشن کے نیشنل سائنس سنٹر میں ایک تقریب کے دوران پیش کیا جائے گا جس کی اطلاع تاریخ مقرر ہونے پر کر دی جائے گی ○

ایسے مضامین جن کو انعام نہیں دیا جا سکا وہ پاکستان سائنس فاؤنڈیشن میں محفوظ ہیں۔ پاکستان سائنس فاؤنڈیشن کے سہ ماہی اردو میگزین "سائنس اور ٹیکنالوجی" میں ان مضامین کے شائع ہونے کی صورت میں لکھنے والوں کو دو سو روپے تک کی رقم بطور معاوضہ پیش کی جائے گی ○ اگر یہ مضامین کی اور صورت میں طبع کرنے کا اہتمام کیا گیا تو بھی مناسب معاوضہ ادا کیا جائے گا۔

جیسا کہ پاکستان سائنس فاؤنڈیشن نے ۲۰ جولائی ۱۹۷۷ء کو شائع ہونے والے اشتہار میں وضاحت کر دی تھی کسی لکھنے والے کو مضمون واپس نہیں کیا جائے گا اور یہ کہ پاکستان سائنس فاؤنڈیشن کی قائم کردہ ججوں کی کمیٹی کا فیصلہ اس سلسلہ میں حتمی ہو گا ○

جن طلبہ، طالبات، محققین اور دلچسپی رکھنے والوں نے ہمیں مضامین بھیجے ان سب کا ہم شکریہ ادا کرتے ہیں۔ ظاہر ہے انعام سب کو نہیں مل سکتا تھا مگر اس موضوع سے دلچسپی اور علامہ اقبالؒ کو خراجِ عقیدت پیش کرنا بذاتِ خود بہت بڑی بات ہے ○

والسلام
نیازمند
حسن جعفری
سیکرٹری نیشنل سائنس سنٹر
پاکستان سائنس فاؤنڈیشن، اسلام آباد

○ یہ خط تمام حصہ لینے والوں کی خدمت میں بطور اطلاع بھیجا جا رہا ہے ○

Marfat.com

روزنامہ جنگ لاہور

پیر 16 جمادی الثانی 1412ھ 23 دسمبر 1991ء

حکومت اور عوام دہشت گردی کے خاتمہ کے لئے اپنا کردار ادا کریں، سمیع الحق قریشی

جھنگ (نمائندہ خصوصی) دہشت گردوں اور تخریب کاروں نے گذشتہ ڈیڑھ سال سے عوام میں خوف و ہراس پیدا کر کے شہر کا امن خراب کرنے کے لئے جو فضا پیدا کر رکھی ہے وہ حکومت اور یہاں کے باسیوں کے لئے ایک کھلا چیلنج کی حیثیت رکھتی ہے۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ حکومت اور عوام دہشت گردی کے سیلاب کو روکنے کے لئے اپنا اپنا کردار ادا کریں۔ یہ بات پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج سمیع اللہ قریشی نے بین الاقوامی امن دن کے سلسلہ میں روٹری کلب کے زیر اہتمام جناح ہال میں منعقدہ امن کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہی۔

ضلع جھنگ کیلئے ضلعی مشاورتی بورڈوں کے چیئرمینوں اور اراکین کے ناموں کا اعلان

جھنگ (نمائندہ جنگ) حکومت پنجاب نے ضلع جھنگ کے لئے ضلعی مشاورتی بورڈ برائے صحت ضلعی زراعت و آبپاشی بورڈ، ضلعی تعلیمی مشاورتی بورڈ، ضلعی ترقیاتی بورڈ اور ضلعی سیلف ایمپلائمنٹ و ٹیکنیکل ٹریننگ بورڈ کے چیئرمینوں اور دیگر اراکین کے

ضلعی تعلیمی مشاورتی بورڈ

چیئرمین نواب غضنفر علی جبوانہ ایم پی اے اور دوسرے اراکین میں مولانا رحمت اللہ ایم این اے، مہر محمد نواز بھروانہ ایم پی اے، سید محمد طاہر شاہ ایم پی اے، مظفر علی خان سیال ایم پی اے، سیف اللہ خان وائس چیئرمین ٹاؤن کمیٹی باغ، حاجی محمد موسیٰ خان، چیئرمین یونین کونسل روڈو سلطان، پروفیسر سمیع اللہ قریشی پرنسپل گورنمنٹ کالج جھنگ، مہر نوازش علی بھروانہ موضع ستیانہ، حاجی عابد حسین مینجنگ ڈائریکٹر صوفی ٹیکسٹائل ملز، حاجی جواد شاہ ممبر ضلع کونسل راجہ غلام عباس منہاس ایڈووکیٹ، مہر افتخار عباس جتیانہ ایڈووکیٹ اور پروفیسر گوہر صدیقی جامعہ معارف اسلامیہ جھنگ۔

9 جون 1991ء

گورنمنٹ کالج جھنگ کے پرنسپل کو اعزازی شیلڈ دی گئی

جھنگ (نمائندہ جنگ) گذشتہ روز نظامت تعلیم کالجز فیصل آباد ڈویژن کا اجلاس زیر صدارت ڈائریکٹر تعلیمات کالجز ہوا۔ جس میں ڈویژن کے تمام زنانہ و مردانہ کالجوں کے پرنسپل صاحبان نے شرکت کی۔ اجلاس میں اعلیٰ کارکردگی 1991ء کالج کمپلکس میں بہترین شجرکاری و حفاظت کرنے کے صلہ میں گورنمنٹ کالج جھنگ کے پرنسپل پروفیسر سمیع اللہ قریشی کو ایک اعزازی شیلڈ بطور انعام دی گئی۔ یہ شیلڈ ڈائریکٹر تعلیمات کالجز ڈاکٹر رانا بشیر احمد نے دی۔

گورنمنٹ کالج جھنگ میں تقسیم انعامات کی تقریب

جھنگ (پ ر) گورنمنٹ کالج جھنگ میں پانچ سال کے بعد تقسیم انعامات کی تقریب ہوئی مہمان خصوصی ایڈیشنل چیف سیکرٹری پنجاب مہر جیون خان تھے جبکہ پروفیسر ڈاکٹر نصرت علی چودھری، سرجن میو ہسپتال لاہور، اسد علی شاہ ممبر ریونیو بورڈ، اللہ بخش کلیار ڈائریکٹر فوڈز پنجاب، ڈاکٹر ریاض حسین ڈب پنجاب میڈیکل کالج فیصل آباد، ڈاکٹر محمد اکبر سیال، ڈاکٹر حبیب اللہ سیال، محمد رفیق پرنسپل سٹاف وزیر اعظم پاکستان کو بھی خاص طور پر مدعو کیا گیا تھا۔ تقریب کے سٹیج سیکرٹری پروفیسر نجیب خالد تھے۔ بعد ازاں پرنسپل پروفیسر سمیع اللہ قریشی نے مہمانوں کو استقبالیہ دیا۔

روزنامہ خبریں (7) 30 جنوری 1993ء

Marfat.com

روزنامہ جنگ لاہور

ہفتہ 9 جمادی الثانی 1413ھ 5 دسمبر 1992ء

منگل 28 جمادی الاول 1413ھ 24 نومبر 1992

نوجوان وزیر اعظم کی روزگار سکیموں سے بھرپور استفادہ کر کے ملک میں انقلاب برپا کر سکتے ہیں: پروفیسر سمیع اللہ قریشی

جھنگ (نمائندہ جنگ) نوجوان وزیر اعظم پاکستان کی روزگار سکیموں سے بھرپور استفادہ کر کے ملک کی اقتصادی ترقی میں انقلاب برپا کر سکتے ہیں۔ ان خیالات کا اظہار پروفیسر سمیع اللہ قریشی نے حبیب بنک لیمٹڈ زونل آفس جھنگ کے زیر اہتمام وزیر اعظم کا [illegible] پروگرام برائے فراہمی روزگار کے موضوع پر منعقدہ سیمینار کی صدارتی تقریب سے خطاب کے دوران کیا۔ انہوں نے کہا کہ حکومت نے ملک سے بے روزگاری کے خاتمے کے لئے مختلف پروگرام شروع کئے ہیں تاکہ قوم اقتصادی طور پر مضبوط ہو کر اکیسویں صدی کے تقاضے پورے کر سکے انہوں نے اس موقع پر فلسفہ اسلام کا ذکر کرتے ہوئے ملت اسلامیہ کی کامیابی ترقی اور خوشحالی کے لئے سچی لگن، محنت عزم اور دیانتداری کے اصولوں کو اپنانے پر زور دیا۔ اس موقع پر حبیب بنک کے زونل چیف چوہدری محمد اشرف نے وزیر اعظم کی روزگار پالیسی پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ وزیر اعظم پاکستان محمد نواز شریف نے معاشی صورت حال کو بہتر بنانے کے لئے بے روزگار افراد کو مختلف قرضہ جات کی سکیمیں شروع کی ہیں اور ان کی جلد وصولی کا طریقہ کار آسان بنا دیا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ مستفید ہو کر ملک کی تعمیر و ترقی میں شریک ہو سکیں۔

روزگار سکیم حکومت کا بہت بڑا کارنامہ ہے ○ سمیع اللہ قریشی

جھنگ (نمائندہ جنگ) گورنمنٹ کالج جھنگ کے پرنسپل پروفیسر سمیع اللہ قریشی نے کہا ہے کہ موجودہ حکومت نے ملک کے بیروزگاروں کو روزگار سکیم دے کر ایک بہت بڑا کارنامہ کیا ہے۔ اس سکیم کے اجراء سے ملک میں پیدا ہونے والے جرائم اور مصائب میں کمی واقع ہوئی ہے۔ گذشتہ دور حکومت میں کبھی ایسا کوئی کام نہیں ہوا جس سے ایم اے اور بی اے پاس طلبہ اور طالبات اپنی زندگیوں کو برباد کرتے رہے اور ملک کے مالی وسائل کی کمی کے باعث ان کو سرکاری ملازمتیں حاصل نہیں ہو سکیں۔ وہ گذشتہ روز حبیب بینک زونل آفس جھنگ میں روزگار سکیم کے تحت معلومات فراہم کرنے کے سلسلے میں ایک سیمینار سے صدارتی خطاب کر رہے تھے۔ اس سیمینار میں نوجوان بیروزگار طبقہ کے لوگوں اور بینک کے ملازمین نے شرکت کی۔ پروفیسر سمیع اللہ نے کہا کہ اس سکیم سے نوجوانوں کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کا جو حکومت نے موقع فراہم کیا ہے اس سے بیروزگار نوجوانوں کو فائدہ اٹھانا چاہئے۔ پروفیسر محمد حنیف گورنمنٹ کالج جھنگ نے خطاب کرتے ہوئے بیروزگار سکیم کو موجودہ دور کی سب سے بڑی اہمیت قرار دیا اور ماہر معاشیات کی حیثیت سے انہوں نے نوجوانوں کو بتایا کہ حکومت کی اس سکیم سے نہ صرف مالیاتی بینکوں کو فائدہ ہو گا بلکہ نوجوان نسل بے راہروی سے بچ جائے گی۔ اس سے قبل زونل چیف چوہدری محمد اشرف نے حکومت کی طرف سے رائج سکیم کے مندرجات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ حکومت کی ہدایت کے مطابق اور وقت مقررہ سے ایک ماہ قبل ادائیگی کرنے والے امیدوار سے ۸ فیصد سود لیا جائے گا۔ انہوں نے مزید کہا کہ چھوٹے پیمانہ پر صنعتی یونٹ لگانے کے لئے ۳ لاکھ تک قرضہ دیا جائے گا۔

Marfat.com

روزنامہ جنگ لاہور

بدھ 3 شعبان المعظم 1413ھ 27 جنوری 1993

منشیات کیخلاف جھنگ میں پولیس کے زیر اہتمام واک

منشیات کی لعنت کو ملک سے پاک کرنے کیلئے ہم سب کو مل کر جہاد کرنا ہو گا: واک سے مقررین کا خطاب

جھنگ (نمائندہ جنگ) حکومت پنجاب کی طرف سے صوبہ میں منشیات کے خلاف جہاد کے سلسلے میں فوارہ چوک جھنگ صدر سے جھنگ پولیس کے زیر اہتمام ایک واک ہوئی۔ جس میں ہزاروں کی تعداد میں صحافی' شہری' وکلاء' ادیب' سیاسی رہنماؤں طلبہ طالبات' اساتذہ سرکاری حکام نے حصہ لیا۔ جلوس کی قیادت جھنگ کے ڈپٹی کمشنر اعتزاز الرشید' ایس ایس پی رانا محمد نواز نے کی۔ جبکہ گورنمنٹ کالج جھنگ کے پرنسپل پروفیسر سمیع اللہ قریشی' صوبائی اسمبلی کے رکن میاں عابد حسین' انجمن کاشت کاران کے سیکرٹری افتخار عباس' اے ایس پی احسان غنی' ڈی ایس پی ہیڈ کوارٹر سی آئی اے' مرکزی انجمن تاجران جھنگ کے صدر حاجی مہر علی' ڈ سیکرٹری جنرل جماعت اہل حدیث عبدالعلیم یزدانی' جھنگ یونین آف جرنلسٹس جھنگ کے صدر اقبال شاہین' پی پی پی کے سیکرٹری چوہدری خالد پرویز اور پرنٹنگ پریس ایسوسی ایشن کے صدر حاجی فیاض شریک ہوئے۔ جلوس کے شرکاء نے بینرز اٹھا رکھے تھے منشیات کے خلاف نعرہ بازی کر رہے تھے۔ جلوس سٹیشن چوک فیصل آباد روڈ روڈ' ایوب چوک' سرگودھا روڈ سے ہوتا ہوا کالج چوک پہنچا تو جلوس کو خوش آمدید کہا گیا اور پھول کی پتیاں نچھاور کی گئیں بعدازاں جلوس مارچ کرتا ہوا اڈہ جھنگ شہر سے ہوتا ہوا امر گیٹ ہوتا ہوا' میلاد چوک پر ختم ہو گیا۔ جلوس ایک جلسہ کی صورت اختیار کر گیا۔ مقررین نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ منشیات کی لعنت سے ملک کو پاک کرنے کے لئے ہم سب کو مل کر جہاد کرنا ہو گا۔ کیونکہ منشیات استعمال کرنے والے معصوم اور فروخت کرنے والے بہت ظالم ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ منشیات فروش چاہے ۔۔۔ ہو یا بڑا جھنگ پولیس اس کا سر کچلنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرے گی اور یہ دنیا دیکھے گی۔ انہوں نے مزید کہا کہ ا ۔۔۔ سے زیادہ کام کرتا ہے لیکن ہم اجتماعی طور پر مل کر اس نہ صرف صوبہ سے بلکہ جھنگ سے ختم کرنے کے عزم کرتے ہیں۔ مقررین میں ڈپٹی کمشنر اعتزاز الرشید' شیخ ۔۔۔ ایڈووکیٹ' ڈی ایس پی گل عباس' اے ایس پی احسان غنی' جامع ۔۔۔ سکول جھنگ کے پرنسپل چوہدری مشتاق احمد' گورنمنٹ کالج جھنگ کے پرنسپل پروفیسر سمیع اللہ قریشی اور صوبائی اسمبلی کے رکن میاں عابد حسین شامل تھے۔ بعدازاں جھنگ کے مختلف سکولوں کے طلبہ نے دوبارہ ایک مشترکہ جلوس نکالا جو کہ شہری مختلف شاہراہوں اور بازاروں سے گزرتا ہوا فوارہ چوک پر ختم ہو گیا۔ جلوس کے شرکاء نے بینرز اٹھا رکھے تھے جن پر منشیات کے خلاف جہاد کے الفاظ درج تھے۔ جن میں عزم کیا گیا تھا کہ جھنگ کی نوجوان نسل اس جہاد میں جھنگ پولیس کے ساتھ تعاون کریں گے۔ اس موقع پر نوجوان طلبہ نے ہاتھ اٹھا اٹھا کر جھنگ انتظامیہ کے ساتھ تعاون کا یقین دلایا۔ بعدازاں جلوس منتشر ہو گیا۔

پولیس اہلکاروں نے اپنے خون سے جھنگ کی تاریخ کا نیا باب رقم کیا ہے

دیگر ملازمین بھی اپنے بھائیوں کے نقش قدم پر چلیں: شہدائے پولیس کانفرنس سے مقررین کا خطاب

جھنگ (نمائندہ جنگ) جھنگ پولیس کے اہلکاروں نے اپنے خون سے جھنگ کی تاریخ میں ایک نیا باب رقم کیا ہے اور پنجاب کی پولیس اپنے خون سے ایسی کئی داستانیں رقم کرتی رہے گی اور اس وقت تک یہ کارروائیاں کرتے رہیں گے جب تک ملک میں سماج دشمن عناصروں' تخریب کاروں اور دہشت گردوں کا خاتمہ نہیں ہو جاتا اس عزم کا اظہار جھنگ کے مختلف پولیس ملازمین نے پولیس ۔۔۔ن جھنگ میں ہونے والی شہدائے پولیس کانفرنس سے خطاب

بقیہ صفحہ 15

کرتے ہوئے کیا جس کا اہتمام جھنگ پولیس نے کیا تھا کانفرنس کی صدارت جھنگ گورنمنٹ کالج کے پرنسپل پروفیسر سمیع اللہ قریشی نے ۔۔۔ کانفرنس میں پولیس ملازمین کے علاوہ جھنگ کے شہریوں کی کثیر تعداد نے شرکت کی مقررین میں شہزاد احمد' منظور احمد' غلام عباس ۔۔۔ماں' چوہدری برخوردار' ہیبت خان' محمد نواز' غلام عباس' محمد ۔۔۔سرور' محمد حنیف اے ایس آئی شامل ہیں نے کہا کہ جھنگ کو گزشتہ ۲ سال کے بعد پاک صاف اور امن کا دوبارہ گہوارہ بنانے کا اعزاز جھنگ پولیس کے جانوں کے نذرانے پیش کرنے سے حاصل ہوا ہے جو کہ جھنگ کی تاریخ میں سنہری حروف میں لکھا جائے گا انہوں نے مزید کہا کہ ہم اپنے شہید بھائیوں پر فخر ہے اور ناز رہے گا ایس ایس پی رانا محمد نواز' اے ایس پی احسان غنی اور مہمان خصوصی پروفیسر سمیع اللہ قریشی نے کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے ان شہدائے پولیس جھنگ کو خراج تحسین پیش کیا اور کہا کہ پنجاب کے دیگر اضلاع کے ساتھ ساتھ جھنگ پولیس نے اپنی جانوں کی قربانیاں دے کر جو مثال قائم کی ہے وہ آئندہ آنے والی قوم کیلئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہے انہوں نے دوسرے ملازمین کو بھی اپنے بھائیوں کے نقش قدم پر ۔۔۔

Marfat.com

روزنامہ جنگ لاہور

بدھ 3 رشعبان المعظم 1413ھ 27 رجنوری 1993

منشیات کیخلاف جھنگ میں پولیس کے زیر اہتمام واک

منشیات کی لعنت کو ملک سے پاک کرنے کیلئے ہم سب کو مل کر جہاد کرنا ہوگا، مقررین کا خطاب

[illegible] گورنمنٹ کالج جھنگ کے پرنسپل پروفیسر سمیع اللہ قریشی، صوبائی اسمبلی کے رکن [illegible] انجمن کاشتکاران کے سیکرٹری [illegible] صدر [illegible] سی آئی اے، مرکزی انجمن تاجران جھنگ کے صدر حاجی [illegible] سیکرٹری جنرل جماعت اہلحدیث [illegible] جھنگ [illegible] کے صدر اقبال شاہین، پیپلز پارٹی کے سیکرٹری چوہدری خالد پرویز اور پریس ایسوسی ایشن کے صدر حاجی محمد [illegible] شریک ہوئے۔ جلوس کے شرکاء نے بینرز اٹھا رکھے تھے اور منشیات کے خلاف نعرہ بازی کر رہے تھے۔ جلوس [illegible] فیصل آباد روڈ [illegible] سرگودھا روڈ [illegible] پہنچا تو جلوس کو خوش آمدید کہا گیا اور پھول کی پتیاں نچھاور کی گئیں۔ بعد ازاں جلوس [illegible] ہوتا ہوا [illegible] جلوس ایک جلسے کی صورت اختیار کر گیا۔ مقررین نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ منشیات کی لعنت سے ملک کو پاک کرنے کے لئے ہم سب کو مل کر جہاد کرنا ہوگا کیونکہ منشیات استعمال کرنے والے معصوم اور [illegible] کرنے والے ظالم ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ منشیات فروش چاہے [illegible] جھنگ پولیس [illegible] گرفتار کرے گی [illegible]۔ انہوں نے مزید کہا [illegible] کام کرتا ہے لیکن ہم [illegible] اس لعنت کو [illegible] جھنگ سے ختم کرنے کے عزم کا اعلان کرتے ہیں۔ مقررین میں [illegible] عبدالرشید [illegible] ایڈووکیٹ [illegible] سکول جھنگ [illegible] جھنگ کے پرنسپل پروفیسر [illegible] صوبائی اسمبلی [illegible] شامل تھے۔ [illegible] جھنگ کے مختلف سکولوں کے طلباء نے [illegible] ایک جلوس نکالا [illegible] شہر کی مختلف شاہراہوں اور بازاروں سے [illegible] ختم ہو گیا۔ جلوس کے شرکاء نے بینرز اٹھا رکھے تھے جن پر منشیات کے خلاف [illegible] تھے جن میں عزم کیا گیا تھا کہ جھنگ کی [illegible] جھنگ پولیس کے ساتھ تعاون کریں گے۔ اس موقع پر [illegible] طلبہ نے ہاتھ اٹھا کر جھنگ انتظامیہ کے ساتھ تعاون کا یقین دلایا۔ بعد ازاں جلوس منتشر ہو گیا۔

[illegible] 6 صفر 1413ھ 6 اگست 92ء

گورنمنٹ کالج جھنگ کا اعزاز

جھنگ (نمائندہ جنگ) گورنمنٹ کالج جھنگ کے پریس ریلیز کے مطابق گذشتہ روز بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن فیصل آباد کی تقریب میں شاندار نتائج اور علمی و ادبی سرگرمیوں سال ۹۱-۱۹۹۰ء کے لئے گورنمنٹ کالج جھنگ بورڈ میں اول قرار دیا گیا اور صوبائی وزیر تعلیم عثمان ابراہیم نے کالج کے پرنسپل پروفیسر سمیع اللہ قریشی کو تعریفی اسناد دیں۔ اس کے علاوہ اسی کالج کے تین طلبہ عبدالرؤف (نابینا) محمد یونس اور محی الدین اسماعیل کو مختلف مضامین میں بورڈ میں اول آنے پر سونے کے تمغے اور اسناد تقسیم کی گئیں۔

روزنامہ "مخبر" (7) 6 فروری 1993ء

گورنمنٹ کالج جھنگ میں دو روزہ تقریبات کا اہتمام

جھنگ (تعلیمی رپورٹر) گورنمنٹ کالج جھنگ میں دو روزہ تقریبات کا انعقاد کیا جا رہا ہے۔ پروفیسر عبدالعزیز سلیانہ انچارج تقریبات کے مطابق گورنمنٹ کالج جھنگ میں دو روزہ بین الکلیاتی تقریبات 21/فروری اور 22/فروری کو کالج کیمپس میں زیر نگرانی مجلس امور طلباء منعقد ہو رہی ہیں۔ جن میں مقابلہ حسن قرأت اور نعت خوانی سیرت النبی کمرہ مباحثہ بعنوان "ہمارا آج ہمارے کل سے بہتر ہے" اور ایک مذاکرہ خلافت راشدہ عدل اجتماعی کا ایک مثالی دور کے موضوع پر ہوگا۔ علاوہ ازیں غزل اور نظم کے دو مشاعرے بھی ہوں گے ان سب پروگراموں میں ملک بھر سے کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلباء شرکت کر رہے ہیں جنہیں دعوت نامے ارسال کر دیئے گئے ہیں۔ پرنسپل گورنمنٹ کالج جھنگ پروفیسر سمیع اللہ قریشی نے بین الکلیاتی تقریبات کو کامیاب بنانے کیلئے متعدد کمیٹیاں تشکیل دے دی ہیں جو کہ کالج نظم و نسق انتظامات اور انتظامات کو کنٹرول کرنے میں کالج انتظامیہ کا ہاتھ بٹائیں گی۔

Marfat.com

روزنامہ جنگ لاہور

جمعہ 17 ربیع الاول 1412ھ 27 ستمبر 1991ء

جمعرات 6 صفر 1413ھ 6 اگست 1992ء

گورنمنٹ کالج جھنگ کا اعزاز

جھنگ (نمائندہ جنگ) گورنمنٹ کالج جھنگ کے پریس ریلیز کے مطابق گذشتہ روز بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن فیصل آباد کی تقریب میں شاندار نتائج اور علمی وادبی سرگرمیوں سال ۹۱ ۱۹۹۰ء کے لئے گورنمنٹ کالج جھنگ بورڈ میں اول قرار دیا گیا اور صوبائی وزیر تعلیم عثمان ابراہیم نے کالج کے پرنسپل پروفیسر سمیع اللہ قریشی کو تعریفی اسناد دیں۔ اس کے علاوہ اسی کالج کے تین طلبہ عبدالرؤف (نابینا) محمد یونس اور محی الدین اسماعیل کو مختلف مضامین میں بورڈ میں اول آنے پر سونے کے تمغے اور اسناد تقسیم کی گئیں۔

پروفیسر سمیع اللہ قریشی کے لیے سانڈل ایوارڈ

جھنگ (نمائندہ نوائے تعلیم) گذشتہ دنوں جھنگ کلب جھنگ صدر کے سبزہ زار میں ضلعی انتظامیہ کی طرف سے ایک شاندار اور رنگا رنگ تقریب عطائے سانڈل ایوارڈز ۱۹۹۰ء منعقد ہوئی جس کے مہمان خصوصی سینئر ممبر ریونیو بورڈ سید اسد علی شاہ تھے۔ کمشنر فیصل آباد ڈویژن و ڈی آئی جی فیصل آباد ڈویژن کے علاوہ صوبائی وزیر صنعت اختر عباس بھروانہ اور مشیر وزیر اعلیٰ پنجاب مہر محمد اسلم بھروانہ بھی تشریف لائے ضلع بھر کے ایم این اے اور ایم پی اے حضرات بھی موجود تھے اس تقریب میں ۱۹۹۰ء میں فنون، علوم، صحافت، انصرام، تعلیم و تدریس غرض ہر شعبہ زندگی میں نمایاں کارکردگی دکھانے والے افراد ضلع کو سانڈل ایوارڈ عطا کیے گئے۔ مہر اختر عباس بھروانہ وزیر صنعت پنجاب نے پروفیسر سمیع اللہ قریشی پرنسپل گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج جھنگ کو ضلع کا بہترین پرنسپل قرار دیئے جانے پر سانڈل ایوارڈ شیلڈ عطا کی۔

جھنگ میں امن وامان کے لئے تمام مکاتب فکر کو مل کر لائحہ عمل تیار کرنا چاہئے

.........پروفیسر سمیع اللہ قریشی

جھنگ (نمائندہ جنگ) گورنمنٹ کالج جھنگ کے پرنسپل پروفیسر سمیع اللہ قریشی نے کہا ہے کہ جھنگ میں امن وامان کے لئے ہم سب مکاتب فکر کو مل کر لائحہ عمل تیار کرنا چاہئے اور اس کے بعد شہر کے کونہ کونہ میں پھیل کر ہمیں لوگوں کو بھائی چارے کا درس دینا چاہئے کیونکہ فرقہ وارانہ اور صوبائی عصبیت کے باعث ملک تباہ و برباد ہو جایا کرتے ہیں ان خیالات کا اظہار انہوں نے گذشتہ روز جناح ہال جھنگ میں روٹری امن کانفرنس میں بطور مہمان خصوصی کیا جبکہ اس کانفرنس کی صدارت حلد نے کی۔ انہوں نے مزید کہا جھنگ کو فرقہ وارانہ کی ہوا اور تخریب کاروں کی دہشت گردی میں پہلے سے بھی بیس سال پیچھے دھکیل دیا ہے انہوں نے عوام سے اپیل کی کہ وہ اجتماعی طور پر ضلع کی انتظامیہ سے تعاون کر کے جھنگ میں مستقل امن وامان کی کوششوں کو تیز کر دیں کانفرنس میں جھنگ کے تعلیمی اداروں کے سربراہان، وکلاء، شعراء، صحافی، ڈاکٹرز، تاجران، معززین شہر نے شرکت کی کانفرنس سے آصف اقبال، عامر حمید سہیل پروفیسر حسن محمود، ظفر سعید، علی کوثر جعفری، پروفیسر کوثر صدیقی اور اشرف شاہین نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور معززین علاقہ جھنگ کے حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے عوام سے اپیل کی کہ وہ افواہوں پر یقین نہ کریں کیونکہ اس سے جھنگ تو جھنگ ملک کا امن تباہ ہو سکتا ہے اور ایسے شرپسند عناصر کا قلع قمع کرنے میں انتظامیہ کے ساتھ تعاون کریں تاکہ شرپسند اور دہشت گردی کرنے والوں کی سرکوبی ہو سکے تقریب کے اختتام پر قاری محمد شفیق نے شہر اور ملک کے لئے دعائے امن کرائی۔

روزنامہ جنگ لاہور (15) 25 اپریل 1992ء

گورنمنٹ کالج جھنگ کے پرنسپل کو ایجوکیشن بورڈ فیصل آباد کا ممبر نامزد کر دیا گیا

جھنگ (نمائندہ جنگ) حکومت پنجاب کے احکامات کے تحت گورنمنٹ کالج جھنگ کے پرنسپل پروفیسر سمیع اللہ قریشی کو تین برس کے لئے ایجوکیشن بورڈ فیصل آباد کا ممبر نامزد کیا گیا ہے۔ یاد رہے کہ اس سے قبل بھی وہ تین برس تک بورڈ کے رکن رہ چکے ہیں۔

Marfat.com

بعض ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل

کالج نامہ: گورنمنٹ کالج جھنگ خبروں کے اقتباس

پوسٹ گریجویٹ بلاک کی تکمیل اور کلاسز کی منتقلی

ایم ایس سی کلاسز کے لیے کمروں کی شدید کمی تھی۔ جناب پرنسپل کی کوششوں اور اعلیٰ حکام کی مہربانی سے انیس 19 لاکھ روپے کی خطیر رقم منظور ہوئی اور اب عمارت مکمل ہو چکی ہے۔ ایم ایس سی کے چاروں شعبے نفسیات، طبیعیات، ریاضیات اور شماریات وہاں منتقل ہو چکے ہیں جہاں تعلیم و تدریس کی تمام سہولیات موجود ہیں۔

پرنسپل ہاؤس کی تعمیر و تکمیل

گورنمنٹ کالج جھنگ گذشتہ تریسٹھ برس سے، پرنسپل ہاؤس سے محروم چلا آ رہا تھا۔ موجودہ پرنسپل جناب سمیع اللہ قریشی نے شب و روز کوشش کی، حکام سے رابطہ جاری رکھا۔ بالآخر افسرانِ محکمہ کا لطف و کرم ہوا، پرنسپل کے شایانِ شان عمارت کے لیے رقم منظور ہوئی اور اب عمارت کی تکمیل ہو چکی ہے۔ جناب پرنسپل اپنے اہلِ خانہ سمیت، نئی عمارت میں منتقل ہو چکے ہیں۔

کالج کیلئے پچاس کنال زمین کی خرید

محترم پرنسپل کی مسلسل خط و کتابت اور تگ و دو کے نتیجے میں بالآخر حکومت پنجاب نے اس بارے میں اپنی قطعی رضامندی کا اظہار کر دیا ہے کہ کالج سے ملحقہ ہندو اوقاف کی زمین سے پچاس کنال رقبہ بعوض تقریباً اسی لاکھ روپیہ وفاقی حکومت سے خرید کر کے کالج کے حوالے

Marfat.com

کر دیا جائے۔ عنقریب معاملہ طے پا کر زمین کالج کا حصہ مستقلاً قرار پا جائے گی اس نہایت مشکل مسئلہ میں بالآخر کامیابی پر ہم جناب پرنسپل کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ انشاء اللہ اس رقبہ پر ترقی پذیر کالج کی نئی عمارات اور کھیل کے میدان باآسانی تیار ہو سکیں گے۔

ساندل ایوارڈ

ممتاز دانشور، اقبال شناس و ادبِ عالیہ کے معتبر نام جناب پروفیسر سمیع اللہ قریشی نے بحیثیت پرنسپل گورنمنٹ کالج جھنگ کے انتظام و انصرام کو جس تحمل و تدبر سے چلایا اس پر ضلعی انتظامیہ نے انہیں ضلع جھنگ کالجز میں بہترین پرنسپل قرار دیتے ہوئے اور ان کی صلاحیتوں اور خدمات کے اعتراف میں 'ساندل ایوارڈ' برائے سال 1990ء کا حق دار قرار دیا۔

حکومت پنجاب کے وزیرِ صنعت جناب مہر اختر عباس بھروانہ نے انہیں یہ ایوارڈ عطا کیا۔ جناب پروفیسر سمیع اللہ قریشی گذشتہ ستائیس برس سے ادارہ ہذا میں تدریس سے منسلک ہیں اور انہیں جھنگ کی دو نسلوں کے استاد ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ آپ فروری 1987ء سے گورنمنٹ کالج جھنگ کی زمامِ کار سنبھالے ہوئے ہیں۔ آپ کی سربراہی میں ادارہ نصابی اور ہم نصابی میدان میں مرحلہ بہ مرحلہ ارتقائی منازل طے کر رہا ہے ادارہ کو آپ کے اعزاز پر فخر ہے۔

جناب پرنسپل کا اعزاز

حکومت پنجاب کے ایک نوٹیفکیشن کے مطابق جناب پرنسپل پروفیسر سمیع اللہ قریشی کو اعلیٰ و ثانوی تعلیمی بورڈ فیصل آباد کا ممبر مقرر کیا گیا ہے۔ تعلیمی حلقوں میں اس انتخاب کا خیر مقدم کیا گیا ہے۔ موصوف درس و تدریس کا تیس سالہ تجربہ رکھتے ہیں۔ اعلیٰ پائے کے منتظم ہیں۔ اسلامیات، اقبالیات، جھنگ کی تاریخ، زبان و ادب سے آپ کو خصوصی شغف ہے۔

Marfat.com

D. O. No. E&A(INF) 10-1/97,
GOVERNMENT OF THE PUNJAB
INFORMATION, CULTURE &
YOUTH AFFAIRS DEPARTMENT

Dated: July 5th, 2000

SECRETARY

SUBJECT: AWARD FOR THE BEST BOOKS WRITTEN ON PUNJAB DURING THE YEAR 1998

Dear Prof. Sami Ullah Qureshi,

It gives me great pleasure to inform you that the panel of judges for the Award for Best Books Written on Punjab during the year 1998 has adjudged your book "Ser Zameen Jhang" for Jam Durk Award. On behalf of the Information, Culture & Youth Affairs Department, I extend our warm felicitations to you on this accomplishment.

2. The Award ceremony in this connection will be held on July 10, 2000 at 5.30 P.M. in Alhamra Hall No. 3. The Governor of the Punjab has kindly consented to preside over the ceremony.

3. It will be greatly appreciated if you may kindly make it convenient to personally receive the Award. I look forward to receiving you on the occasion.

With best regards,

Yours sincerely,

(Kamran Lashari)

Prof. Sami Ullah Qureshi,
Chaudhary Colony, Gojra Road,
Jhang Sadar

Marfat.com

استاذِ محترم

Phone No. 54813

Registered P. S. C. 10
CONFIDENTIAL/IMMEDIATE

PUNJAB PUBLIC SERVICE COMMISSION LAHORE

From

THE SECRETARY,
PUNJAB PUBLIC SERVICE COMMISSION
2, AGHA KHAN ROAD, (DAVIS ROAD), LAHORE

To
Mr. Sami Ullah Qureshi, Professor,
Deptt: of Islamiat, Govt. College,
Jhang.

No. RCI-PSC-86/- 285-C 11-2-86

Subject :- RECRUITMENT TO THE POSTS OF INSTRUCTOR ISLAMIAT IN THE PUNJAB TECHNICAL EDUCATION DEPARTMENT.

Sir,

I am directed to say that the Punjab Public Service Commission will hold interviews for the post (s) noted above, in their office at 2, Agha Khan Road (Davis Road), Lahore, on ~~as per Programme given below~~ . Kindly attend this office on the said date(s) to assist the Commission in an advisory capacity. It is hoped that the above time and date (s) will be convenient to you.

2. Please confirm your availability for these interviews on the above date(s) in writing as well as on telephone. The interviews will be held on the aforesaid date(s) even if any of these dates is declared a public holiday, unless a change in the interview date is intimated to you in advance.

3. (a) TA/DA at tour rates to employees other than Punjab Government as admissible under the relevant rules will be paid for the journey performed in connection with the work mentioned in the subject. You are requested to send the bill immediately after completion of the journey. The payment will be made after clearance of your bill from the office of the A. G. Punjab Lahore.

(b) An honorarium of Rs. 100.00 per day, subject to a maximum of Rs. 500.00 in a series of interviews for a particular post would be admissible to all Subject Specialists and Departmental Representatives local as well as out station. This amount will be paid after drawing the same from A. G. Office.

(c) In addition, in case Government transport is not provided, the advisors from Lahore are entitled to conveyance allowance at Rs. 25/- for each visit. Kindly make it convenient to collect the amount on the day/last day of the interview attended by you.

INSTERVIEW PROGRAMME.

Day.	Date	Time.
Tuesday	18-2-86	9.00 A.M.
Wednesday	19-2-86	-do-
Thursday.	20-2-86	-do-
Sunday.	23-2-86	-do-
Monday.	24-2-86	-do-
Tuesday.	25-2-86	-do-
Wednesday.	26-2-86	-do-

Your obedient servant,

Deputy Director (RC)
for Secretary

NOTE :- In case any of the candidates to be interviewed is a relative of the Advisor, the latter should inform the presiding Member and may withdraw from the interview proceedings during that candidate's interview.

Endst. No. PSC— Dated______

A copy is forwarded to the Principal, Government College, Jhang for information.

Sd/-
Deputy Director (RC)
for SECRETARY

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

HIJRA CENTENARY CELEBRATIONS COMMITTEE,
UNIVERSITY GRANTS COMMISSION
Sector H–9, Islamabad (Pakistan)
(Phone : 40839, Cables : UNIGRANT)

NO.UGC/HCC/12/80/
Dated 17th July, 1980.

From: Mr. Mohammad Afzal,
OSD/Dy.Director(Admn.).

To: Mr. Sami-ullah Qureshi,
Assistant Professor,
C/o 'An-Nusrat',
1-Ghaziabad,
Jhang Sadar.

Subject: Books for Children.

Dear Sir,

I am directed to acknowledge the receipt of your letter No.nil dated 10th July, 1980 with thanks and to inform you that you will be associated with the work of preparation of Children Books in Punjabi language as and when such a programme is decided upon.

Yours faithfully,

(Mohammad Afzal)
Dy.Director(Admn.)/OSD

Marfat.com

استادِ محترم

Doctor
Mrs. SALMA MAQBOOL
M. B. B. S.
PRESIDENT ADVISORY COMMITTEE
ASIAN BLIND WOMEN;
EDITOR, WOMEN'S SECTION BRAILLE INTERNATIONAL;
PUBLIC RELATION'S SECRETARY
PAKISTAN ASSOCIATION OF BLIND (Punjab)
~~RAWALPINDI EYE DONOR'S ORGANIZATION~~

DARYA ABAD, RAWALPINDI
PAKISTAN
TELE : 72458/68186

Editor International Newsletter for Blind Women

REF. NO..................

DATED...12 February 85

Chairperson The Women's Affairs Committee
for World Blind Union (WBU)

To : Mr Sami Ullah Qureshi,
Professor Govt College,
JHANG

Dear Professor Sami Ullah Qureshi,

I hope my letter finds you in good health by the Grace of Ullah.

In the report which I compiled at the conclusion of the National Seminar on Visual Handicap 5-7th April 84 mention was made of your excellent paper - The Attitudes of Religion towards Blindness. Dr. H.E. Schulze - a blind judge in the Suppreme Court West Germany read that report and has requested me to send a copy of your paper as the subject is immensly important and interesting to him. I will be deeply obliged to you if you could translate your paper in english at your earliest conveniance and send it to me. It is a great privilige for us to expose the attitude of islamic religion towards blindness.

With kind regards,

Yours Sincerely,

Dr(Mrs) Salma Maqbool

Marfat.com

استادِ محترم

CHAIRMAN
ZILA COUNCIL
JHANG.

Dated the 6th August, 1983.
4260

Mohtarim Qureshi Sahib,

I would like to express my deep gratitude for your participation in our Womens' Leadership Traning Programme convened by the Jhang District from August 1 to 5. The success of this programme was possible through your efforts and I am deeply obliged to you for all the support which you extended. Kindly accept my cordial greetings and sincere good wishes.

With regards,

Yours sincerely,

(SYEDA ABIDA HUSSAIN)

Professor Sami Ullah Qureshi,
Government College,
Jhang.

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

No.F. 1-3/81-NEC
GOVERNMENT OF PAKISTAN
MINISTRY OF EDUCATION

From: Mr. Abdul Ali Khan,
Education Secretary.

Islamabad, April 18, 1981.

Sub : INSIGNIA FOR NATIONAL EDUCATION COUNCIL

My dear Mr. Qureshi,

Kindly refer to your letter of 3rd April 1981 on the above subject.

2. Your ideas are being forwarded to the National College of Arts, Lahore for preliminary designing an insignia. A photo copy of design will be sent to you when received.

With every good wish,

Yours sincerely,

(Abdul Ali Khan)

Mr. Samiullah Qureshi,
Al-Nusrat I-Ghazi Abad,
Jhang Cantt:

Marfat.com

استادِ محترم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

LAMEC

Telephone
P.O. Box No. 1673

GOVERNMENT OF PAKISTAN
LITERACY AND MASS EDUCATION COMMISSION

OFFICE OF THE DISTRICT PROJECT MANAGER
LAMEC ------ JHANG:

No. (102-DPJ)/ 401 .

February 27, 1986.

My Dear Prof. Samiullah Qureshi,

We are going to hold a Symposium on " ناخواندگی کے خلاف جہاد " in Jinnah Hall on 2nd March, 1986, at 2.30 p.m., to be presided over by Syeda Abida Hussain, MNA/Chairman, Zila Council Jhang.

Main objective of this Symposium is to introduce our programme to the general public. At the same time, we want to make critical study of our achievement. In this connection, we are inviting prominent scholars and educationists for listening to their views.

Public representatives i.e; MNA's, MPA's and Councillors will form major group of audience .

It is my pleasure to request a scholar of your prominence and calibre to, please, grace this occasion by your presence. We also want to have your views about the Literacy Programme which the present Government has adopted as the most important activity for the uplift and general welfare of the masses.

With regards,

Yours sincerely,

MUHAMMAD JAMEEL.
(DPM)

Marfat.com

GOVERNMENT OF PAKISTAN
MINISTRY OF EDUCATION

F.3-1/85-AEA(IE) Islamabad September 29, 1985.

From: Mr. Iftikhar Ahmad Bhutta,
Assistant Educational Adviser.
Phone: 856002.

To : Prof. Samiullah Qureshi,
Head of the Islamic Studies,
Government College,
Jhang. Punjab.

SUBJECT: REVIEW OF ISLAMIYAT BOOK (COMPULSORY) FOR FA/FSc.

Sir,

I am directed to inform you that a two days meeting has been arranged at Bureau of Curriculum and Education Extension Centre Abbottabad on 6th, 7th October, 1985 at 9.00 am to review textbook of Islamiyat (Compulsory) for FA/FSc classes.

2. You are requested to attend the meeting at the dates and venue mentioned above, as a member of National Review Committee.

3. TA/DA shall be paid to you by this Ministry according to Federal Government rules.

Your obedient servant,

(Iftikhar Ahmad Bhutta)

Marfat.com

استاد محترم

To

Mr. Samee Ullah Qureshi, M.A. Islamiat, M.A.Arabic,
Assistant Professor, Govt. College Jhang.

Memo.No. 41339-40 /G.2., Dated 21-12- /1983.

Subject:- FORMATION OF PROVINCIAL EDUCATION COUNCIL AND ITS STANDING COMMITTEE.

It is proposed to nominate you in connection with the above subject. You are requested to please furnish your Bio Data on the enclosed prescribed form alongwith your latest Photograph (both in quadruplicate) within three days, for proceeding further in the matter.

21.12.83
DEPUTY DIRECTOR(ADMN:)
for Director Public Instruction(Coll)
Punjab,Lahore.

21/12/83.

D.A.
As above.

Endt.No. 41402 /G.2.,

Copy forwarded for information to:-

1. The Section Officer(PEC),Govt. of the Punjab,Education Department,Lahore with reference to his letter No.SO(PEC)2-1/83. dated 3.12.83.

DEPUTY DIRECTOR(ADMN:) 21.12.83
for Director Public Instruction(Coll:)
Punjab,Lahore.

21/12/83

HASHMI

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

BOARD OF INTERMEDIATE & SECONDARY EDUCATION,
SARGODHA

Prof. Rafi Ullah Khan
CHAIRMAN

Phone { Office : 3100, PBX/3; Residence : 4551 }

No 2290 PA/CH
Dated 3.5.81.

Prof. Sami Ullah Qureshi,
Government College,
Jhang Sadar.

Dear Qureshi Sahib,

I shall feel grateful if you kindly make it convenient to attend a meeting on 10th instant at 9.30 a.m. regarding the Research Project proposed to be undertaken by the Board. Needless to add that you will be peid T.A/D.A as permissible under rules.

With every good wish,

Sincerely yours,

(signature)

(PROF. RAFI ULLAH KHAN)
CHAIRMAN.

Marfat.com

BOARD OF INTERMEDIATE & SECONDARY EDUCATION, SARGODHA.

SECRETARY

NO......1166/LIB

DATED..15.4.81

To

Mr. Sami-Ullah Qureshi,
Assistant Professor, (Islamiyat)
Government College,
JHANG.

Sir,

I am directed to inform you that the Chairman is pleased to nominate you as member of the Library Committee till 31st December, 1981.

You are requested to send your acceptance to the undersigned by name at an early date.

Yours obediently,

(MUHAMMAD ASLAM)
Assistant Secretary (Admn).
for Secretary.

Marfat.com

sahe SOCIETY FOR THE ADVANCEMENT OF HIGHER EDUCATION

SAHE CONFERENCE/CONSULTATION ON
AN UNDERGRADUATE CURRICULUM FOR PAKISTAN
DECEMBER 11, 1986

Dear Professor Samiullah Qureshi

The Society for the Advancement of Higher Education (SAHE) has undertaken a study of the curriculum at the undergraduate level. We would like to initiate a dialogue on the undergraduate curriculum and a consultation is to be held in Lahore on December 11, 1986.

The faculty has selected you as a person whom we would like to invite to this consultation. We hope you will agree that designing a meaningful curriculum is one of the primary needs of the day, if colleges are to be rescued from the desperate slide towards academic paralysis. Please organize your thoughts on paper on any or all of the following:

1. What kind of an educated person?
2. The Language of Instruction
3. Need for a Core Curriculum: Islamiyat and Pakistan Studies.
4. Suggestions for an alternative

Please let us know if you can attend.

Warm regards,

Sincerely yours,

Hamid Kizilbash

(Dr. Hamid Kizilbash)
Chairman, Executive Committee

90-C-1, CANAL PARK, LAHORE Phone:873898

Marfat.com

GOVERNMENT OF THE PUNJAB
EDUCATION DEPARTMENT.

N O T I F I C A T I O N . –

NO.S.O(BOARDS)1-50/88. Under Section 5(1)(vi) of the Board of Intermediate and Secondary Education Act, 1976, the Controlling Authority of the Punjab Boards of Intermediate and Secondary Education has been pleased to nominate Prof. Sami Ullah Qureshi, Principal, Govt. College, Jhang, as Member on Board of Intermediate and Secondary Education, Faisalabad, for a period of three years with effect from the date of issue of this notification.

BY ORDER OF THE CONTROLLING AUTHORITY

Dated Lahore, the
28th March, 1989.

TARIQ SULTAN
EDUCATION SECRETARY

***

NO. & DATE EVEN.

A copy is forwarded for information and necessary action to :-

1. The Chairman, Board of Intermediate and Secondary Education, Faisalabad.
2. The Superintendent, Government Printing Press, Lahore, for publication in the next Govt. Gazette.
3. The Secretary, Board of Intermediate and Secondary Education, Faisalabad.
4. Prof. Sami Ullah Qureshi, Principal, Govt. College, Jhang.

(MUHAMMAD RAFIQ BAJWA)
SECTION OFFICER (BOARDS)

***

"A.H.B"

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Lt Col Ayaz Mahmood Ahmad Khan TI (M)
Headquarters National Cadet Corps &
Women Guards
Sargodha
Telephone : 60457

PS/6055/DO

20 February 1989

Professor Sami Ullah Qureshi
Principal
Government College Jhang

My dear Professor Sami Ullah Qureshi,

I have been honoured with a very affectionate and nicely worded letter from you. Your kind words have always been a source of encouragement, strength and guidance for us.

We are committed to the delivery of two Shields from this Headquarters. In this context, I have already instructed Major Muhammad Sarwar Janjua to arrange collection for presentation to you. You will be pleased to see the beautiful presentation.

As regards conduct of our men residing in the college premises, I have already issued instructions to the Officer Incharge Training Team for ensuring immediate measures in this regard. They will certainly not present you any problem hereafter. We are sorry for the inconvenience caused.

With best regards

Yours sincerely,

Ayaz

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Lt Col Ayaz Mahmood Ahmad Khan TI (M)
Headquarters National Cadet Corps &
Women Guards
Sargodha
Telephone : 60457
PF/6055
12 September 88

Mr Sami Ullah Qureshi
Govt Degree College,
Jhang

My Dear Sami Ullah Qureshi,

We have concluded a training year and planning to rejoin you soon with the commencement of academic activities in the institutions.

Your highly praiseworthy efforts and generous cooperation enabled our training teams to perform a task of national importance in unison with our alma maters.

With profound regards, imbued with respect and obligation, I have the desire to acknowledge your virtuous guidance and immensely valuable assistance.

An element of faith in your forthcoming encouragement will strengthen our determination to achieve the objectives and contribute in nation building by creating a disciplined, motivated and ideologically dedicated youth.

I am also confident that your illustrious teaching staff will continue giving their most precious assistance in making our task easier. Indeed, the abiding interest that you and your staff will render in implementing the next phase of training will acquit us honourably before Allah and the nation.

Yours sincerely,

Ayaz

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

Tel: 40846—9
Grams: "OPENVARSITY"

Allama Iqbal Open University, Islamabad
(REGIONAL OFFICE FAISALABAD)

No. 10-10/84-RDFD/13379

Dated 20th November'86.

Mr. Samiullah Qureshi,
Assistant Professor,
Govt. College,
Jhang.

Subject: THANKS FOR COOPERATION AS SENIOR TUTOR

Dear Sir,

As you know, the scheme of senior tutors was launched on experimental basis. Your performance on this score has been commendable and the University wishes to thank you for your cooperation.

However, on the orders of the Vice-Chancellor, the scheme has been suspended till further orders.

Your cooperation will be sought when the scheme is launched again.

I thank you once again on behalf of the University.

Faithfully yours,

Choudhary
20-11-1986

(SAEED AHMAD CHOUDHARY)
Regional Director

Marfat.com

No. [illegible]

GOVERNMENT OF THE PUNJAP
HOME DEPARTMENT

HOME SECRETARY

Dated Lahore the 29th October 1988

My dear Professor Samiullah Qureshi Sahib,

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

I am grateful for your kind letters received in the recent past. I have always held you in high estimation as a man of letters, a capable educationist, competent administrator and a practising muslim. I had studied in your college for two years and had also the good luck to have served on its teaching staff for one term. So, I owe it to my college to do whatever little I can for its welfare. In fact we all are indebted to you and your colleagues for running the postgraduate classes under difficult conditions. Kindly accept my congratulations and gratitude on this account and also convey it to your colleagues and students.

With kind regards.

Yours sincerely,

(JIWAN KHAN)
29. x. 88

Professor Samiullah Qureshi,
Principal,
Government College
Jhang.

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

No. 12128 /G-3

Directorate of Education, Colleges
FAISALABAD DIVISION, FAISALABAD.

نظامت تعلیمات کالجز فیصل آباد ڈویژن

Phone : 32240

Dated 2-6-1991 19

CERTIFICATE OF APPRECIATION

I highly appreciate and acknowledge the efforts made by Mr. Sami Ullah Qureshi, Government College, Jhang for tree plantation, maintenance of trees/plants and cleanliness of college campus among the male colleges of District Jhang. I do hope that he will keep it up by continuing his vigorous efforts.

(DR.BASHIR AHMAD RANA)
DIRECTOR OF EDUCATION(COLLEGES)
FAISALABAD DIVISION, FAISALABAD

2/6/91

Marfat.com

استاد محترم

Chairman

BOARD OF INTERMEDIATE AND SECONDARY EDUCATION, FAISALABAD.

No. 116 - PA/CH
Dated 20-4-92

My dear Prof. Sami ullah Qureshi,

I am glad to know about your re-nomination as Member on the Board of Intermediate & Secondary Education, Faisalabad by the Controlling Authority. This proves your good name, efficient performance and keen interest which you have taken in the affairs of the Board during the last years. I hope this Board will be more benefiting by your valuable suggestions, guidance and vast experience in the field of education.

Please accept my heartiest congratulation on this appointment.

With best wishes,

Yours sincerely,

20-4-92

(PROF. DR. BASHIR AHMAD RANA)
CHAIRMAN

Prof. Sami Ullah Qureshi,
Principal,
Government College, Jhang.

Marfat.com

M. A. Aziz
B. A. (HONS.), M. A. (ALIG.),
M. A. (LONDON.)

CENTRAL TRAINING
COLLEGE, LAHORE.

Dated 22.4. 1959

Mr. Samiullah Qureshi, M.A., [illegible] is personally known to me. He was a student of [illegible] class of this college in 1957-58 and read with me Principles of Education and General Methods of Teaching.

I saw more of him during the teaching practice when he worked directly under my supervision. His meticulous performance as a teacher impressed me most and the confidence with which he usually manipulated the material inspired the students.

He is conscientious, hard working and has a considerable amount of force and initiative which works as a directive influence for the students under his care.

I wish him success in his future.

M. A. Aziz

(M.A. Aziz),

Marfat.com

Civil Defence Office Jhang.

Commendation Certificate

Awarded to Mr. Sami-Ullah- Qurashi.

Designation Professor Government College, Jhang.

Department Education.

In recognition of Moritorious services rendered by him to promote the cause of Civil Defence in Jhang regarding Cieil Defence

Seminar, 1985

Civil Defence Officer
JHANG

Addl: Deputy Commissioner (C) &
Addl: Civil Defence Controller
JHANG

Marfat.com

ISLAMIC REPUBLIC OF IRAN
UNIVERSITY OF ESFAHAN

CERTIFICATE

February 1983

This is to certify that

PROFESSOR SAMI ULLAH GHORESHI/ P A K I S T A N

has participated in the second round International Essay-Writing competition organized by the Department of International and Scientific Relations at Esfahan University.

His essay has been regarded as realistic, fair and original in content. Therefore he has been awarded a prize for his scholarly contribution and interest in the Islamic Republic of Iran.

(Dr. Mahmud Macki Zadeh)
Director

Marfat.com

EDUCATION DEPARTMENT

GOVERNMENT OF THE PUNJAB
LAHORE

This is to certify that

Dr./Mr./Mrs./Miss ________ Sami Ullah Qureshi ____

Principal ____ Government College, Jhang *attended the*

IN-SERVICE ORIENTATION COURSE FOR PRINCIPALS

held at Govt. College of Education for Men Lahore from 15th July to 3rd August 1987

(DR. MUHAMMAD MIRZA)
Project Director

(PROF. MUHAMMAD ABDUS SAEED)
Director Public Instruction (Colleges),
Punjab, Lahore

Dated Lahore the August 3, 1987

Marfat.com

Serial No. 2594.

Qualifying Certificate
~~DISTINCTION CERTIFICATE~~

DIRECTORATE OF CIVIL DEFENCE PAKISTAN

This is to certify that Mr. Sami Ullah Quershi, attended a CIVIL DEFENCE OFFICERS' COURSE. Indus:& Comm:Undertakings No.1 at the CIVIL DEFENCE ACADEMY, Lahore from 8-7-1968 to 27-7-1968 on the nomination of the Principal, Government College Jhang and qualified.

COMMANDANT.

DIRECTOR OF CIVIL DEFENCE,
GOVERNMENT OF PAKISTAN.

Date 13-3-1969.

Marfat.com

This is to certify that

Mr. Sami Ullah Qureshi

has attended the Gazetteer Orientation Workshop for Professors & Experts organized by the Board of Revenue, Punjab at Jinnah Hall, L.M.C. Lahore from 29th January, 1983 to 3rd February, 1983.

(MALIK ALLAH YAR KHAN)
MINISTER FOR REVENUE
GOVT.: OF THE PUNJAB.

(S. M. NASIM)
MEMBER COLONIES
BOARD OF REVENUE,
PUNJAB.

DATED : LAHORE, THE 3RD FEBRUARY
1983.

Marfat.com

Marfat.com

پروفیسر سمیع اللہ قریشی کی تصنیفات

قیامِ پاکستان کا تاریخی اور تہذیبی پس منظر	1979ء
افکارِ اقبال	1977ء
قائد اعظم کی شگفتہ مزاجی	1980ء
حضورؐ دی حیاتی	1981ء
ساڈی سوہنی دھرتی	1982ء
غالب کی نفسیاتِ غم	1987ء
سیرت نبویؐ کے منہاج	1995ء
سرزمین جھنگ: آثار و ثقافت	1996ء
موضوعاتِ فکرِ اقبال	1997ء
کنجِ لب	1997ء
حصار	1998ء
سرِ مسافتِ جاں	1999ء
پرتوِ نقشِ خیال	2001ء
کیلے جو کھے	2003ء

Rs.300

بک ہوم

بک سٹریٹ 46 - مزنگ روڈ لاہور۔ فون: 7231518

E-mail: bookhome1@hotmail.com

Marfat.com

Marfat.com